ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ترجمان ''تعمیر حیات'' سے ماخوذ

مضامین خالد غازی پوری

(حصہ اول)

از قلم

حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری صاحب
استاذ حدیث وعمید کلیۃ الدعوۃ والإعلام
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ترتیب وپیشکش

قاضی محمد نوشاد الدین ندوی

ناشر

جمعیۃ المعارف الاسلامیہ

ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ-۲۰

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام : مضامین خالد غازی پوری (حصہ اول)

مرتب : قاضی محمد نوشادالدین ندوی

ایڈیشن : اول

سال اشاعت : ۲۰۲۲ء

صفحات : ۲۴۰

کمپوزنگ : شکیل الرحمٰن خان، چیلی پورہ، اورنگ آباد (9823976565)

طباعت : مشہود انٹرپرائزز، ندوہ روڈ، لکھنؤ

قیمت : 200/-

----﴿﴿ ملنے کے پتے ﴾﴾----

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ندوی بک ڈپو، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پاریکھ بک ڈپو، (ندوہ روڈ) شباب مارکیٹ، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

احسان بک ڈپو، نزد شباب مارکیٹ، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

فہرست

☆ اپنی بات ۶

☆ دعائیہ کلمات از : حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ۸

☆ تاثرات : حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم ۱۰

☆ پیش لفظ : قاضی محمد نوشاد الدین ندوی ۱۳

☆ ارشادگرامی : محمد مجیب الدین قاسمی ۱۶

☆ رائے گرامی : مولانا محمد نسیم الدین مفتاحی ۱۸

☆ تقریظ : مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی ۲۰

☆ نعت ۲۴

باب اول ﴿سیرت﴾

(۱) اچھے ناموں کے اثرات سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ۲۵

(۲) اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا ۲۹

(۳) اخلاق حسنہ کی اہمیت ۳۳

(۴) انسانی زندگی کے مظاہرہ ثلاثہ کی اہمیت ۳۶

(۵) پرامن بقائے باہم کے لئے معاہدہ ۴۲

(۶) تجارتی سرگرمیاں اور اس کے اصول وضوابط ۴۶

(۷) کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر ۵۳

(۸) معاشرہ کی تربیت واصلاح اور اسوۂ نبوی کی روشنی میں ۵۵

(۹) دوستوں سے بھی محبت دشمنوں سے وفا بھی ۵۷

(۱۰) کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ۵۹

(۱۱) مسلمانوں کی کامیابی اتباع رسولؐ میں ہے ۶۱

(۱۲) نسلی تفاخر و امتیاز اور اسوۂ رسول اکرمؐ ۶۳
(۱۳) نومولود بچے کی ولادت اور سنت نبویؐ ۶۶
(۱۴) رحمت عالم ﷺ ۶۸
(۱۵) روشنی بخش دی زمانہ کو ۷۰
(۱۶) سیدالاولین والاخرین کے امتیازات ۷۴

باب دوم ﴿اسلامیات﴾

(۱۷) تذکرہ رسول عربی ﷺ ویدوں اور پرانوں میں ۷۷
(۱۸) دل کی درستگی ایمان کی درستگی ہے ۸۶
(۱۹) حقوق اللہ میں دخل اندازی مناسب نہیں ۸۹
(۲۰) مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی ۹۱
(۲۱) عدل وانصاف کی بات ۹۵
(۲۲) دل میں ہو لا الہ تو کیا خوف ۱۰۳
(۲۳) خود اعتمادی یا خدا اعتمادی ۱۰۹
(۲۴) زندگی کی شاہراہ میں قرآنی تعلیمات کی حیثیت ۱۱۴
(۲۵) موجودہ حالات کا قرآن وحدیث میں علاج ۱۱۸
(۲۶) موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں ۱۲۳
(۲۷) حج بدل کب اور کیسے ۱۲۹
(۲۸) مسلمانوں کا شیوہ شیوۂ طاعت گزاری ہے ۱۳۷
(۲۹) طاقت کا توازن اور سنت الٰہی ۱۴۰

باب سوم ﴿علم اور اخلاقیات﴾

(۳۰) نرم دم گفتگو گرم دم جستجو ۱۴۳
(۳۱) زبان عطیہ ربانی ہے اس کی حفاظت لازم ہے ۱۴۶

(۳۲) علم عطیہ ربانی ہے ۱۵۱
(۳۳) مظلوم عورت کو اسلام نے کیا عزت بخشی ۱۶۲
(۳۴) عصر حاضر میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی فضیلت ۱۶۹

باب چہارم ﴿ادبیات﴾

(۳۵) جنگ آزادی کے اثرات اردو زبان وادب پر ۱۷۴
(۳۶) حضرت شاہ ولی دکنی اور اردو شاعری ۱۸۱
(۳۷) علامہ شبلی نعمانی اور ان کی ملی شاعری ۱۸۶
(۳۸) نبوی قصوں میں خواتین کا کردار ۱۹۲
(۳۹) سماجی وادبی انقلاب میں مواعظ وملفوظات کا اثر ۲۰۱

باب پنجم ﴿متفرقات﴾

(۴۰) عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد ۲۱۲
(۴۱) چاہ کن چاہ راہ در پیش ۲۱۴
(۴۲) قوم کی ترقی کے حصول میں اعمال شرعیہ کا اثر ۲۱۸
(۴۳) مسلمان مایوس نہ ہوں ۲۲۱
(۴۴) صبح کی برکتیں اور ہماری غفلتیں ۲۲۴
(۴۵) یہ کیسی آزادی ہے؟ ۲۲۷
(۴۶) عجب حالات ہے زندان جہاں کی ۲۳۰
(۴۷) خوشحال ملک اور غیر مطمئن معاشرہ ۲۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

تحریروں کے آئینہ میں زندگی کے خدوخال سنوارنے کا نام ادب کہلاتا ہے، ادبی ذوق زندگی کو رعنائی عطا کرتا ہے، اور اس کے وجود کا غازہ بن کر حسن و جمال کا پیکر مجسم بنادیتا ہے۔

ادبا اور اہل قلم کے رشحات خامۂ کی طراوٹ سے زیست کے مرغزاروں میں بہار آجاتی ہے۔ اور پیکر زندگی ایک حسین روپ دھار لیتا ہے۔

پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' کے مضامین فکری، علمی اور اصلاحی نیز تربیتی ہونے کے ساتھ ادبی ذوق کا بھی آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس علمی اور فکری سرمایہ سے ایک طویل مدت سے تعلق رہا ہے، اور اس رسالہ میں اکثر و بیشتر مضامین بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ تقریباً چھبیس (۲۶) سال کی طویل مدت میں اس پرچہ میں اس ہیچ مداں کے جو مضامین شائع ہوئے ہیں، ان مضامین کو جناب قاضی نوشادالدین ندوی صاحب اورنگ آبادی نے بڑی محنت سے جمع کر کے سلیقہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے، یہ انکا علمی ذوق ہے جس کی وجہ سے یہ بارگراں انہوں نے اٹھایا اور ذوق و تجمل سے اس کی آبیاری کی ہے، اور حسن ترتیب سے اس کو ایک کتابی شکل دی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ جامعہ کاشف العلوم کے چیدہ برگزیدہ اہل علم اساتذہ کے تاثرات سے بھی اس مجموعہ کو مزین کیا ہے۔

جب یہ مجموعہ کتابی شکل میں میرے سامنے آیا تو بے حد خوشی ہوئی، اور جناب قاضی نوشاد الدین صاحب ندوی کے لئے دل سے دعا نکلی اور اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔

اس کو دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے تا کہ ضخامت کی وجہ سے پڑھنا دشوار نہ ہو۔ اب الحمد للہ پہلی جلد مکمل ہوگئی ہے، اور جس پر از راہ عنایت ومحبت ناظم ندوۃ العلماء مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اپنے تاثرات اور دعائیہ کلمات سے بھی نوازا ہے۔ اسی طرح مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مخدوم گرامی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے تاثرات سے زینت بخشی ہے۔ ہم اپنے مخدومین اور دیگر اساتذہ جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد کے مشکور ہیں کہ انہوں نے اپنے قیمتی اوقات سے وقت نکال کر کے اس کے لئے مقدمات اور تاثرات کی سلسبیل جاری فرمادی۔ اور اس طرح مجموعہ قابل قدر بنا دیا اور حافظ مشہود الحسن سلمہ نے اس کی طباعت کے مرحلہ کو بخوبی توجہ کے ساتھ انجام دیا۔ اور اسے قابل توجہ بنا دیا۔

ہم ان تمام حضرات کے مشکور ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اہل علم وفضل کی بارگاہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور طلبائے عزیز کے لئے ایک خاصہ کی چیز ہوگی۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

بقلم

محمد خالد ندوی غازی پوری

استاد حدیث وعمید کلیۃ الدعوہ والاعلام

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۰۲۲/۵/۲۴ء

دعائیہ کلمات

الحمدلله رب العالمین ، والصلاة والسلام علی سیدالمرسلین و خاتم النبیین محمد ، وعلی آله و صحبه أجمعین ، وبعد

پیش نظر اس وقت مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کے علمی و دینی ملفوظات کا ایک مفید اور اثر انگیز مجموعہ ہے۔ یہ ملفوظات علمی، اصلاحی اور ادبی موضوعات کی حامل تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہیں۔ مولانا خالد صاحب غازی پوری ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز مدرس و استاد کی حیثیت سے طلبائے علوم دینیہ کو اپنے درس و تدریس سے بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ یہاں علم حدیث شریف کے استاد اور کلیۃ الدعوۃ والاعلام کے عمید ہیں۔ انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنے آغاز تدریس سے طالبان علوم کو مستفید کیا ہے اور اس ذمہ داری کو کئی عشروں سے انجام دے رہے ہیں۔ عہدہ اور مشغولیت سے ہٹ کر اصلاً یہ بات دیکھنے کی ہے کہ مولانا بیک وقت تصنیف و تقریر کی صفت کے حامل ہیں ورنہ ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک شخص علم و ادب کی لائن میں کئی خصوصیات رکھتا ہو، لہٰذا تقریر کی صلاحیت میں ممتاز ہونے کے ساتھ تحریری مقالات کے قلمکار بھی ہیں۔

چنانچہ ان کی اس خصوصیت کی بنا پر ایک طرف ان کو نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی تقریر کے پروگراموں میں بلایا جاتا ہے اور وہ اپنی تقریروں سے نہ صرف مختصر کلام سے مستفید کرتے ہیں بلکہ طویل تقریروں کی ضرورت کو بھی پورا کرتے ہیں اور سننے والے مستفید ہوتے ہیں اسی کے ساتھ ان کی تحریریں معلوماتی و اصلاحی افادیت سے پُر ہوا کرتی ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا علمی و ادبی اردو رسالہ ''تعمیر حیات'' جو کئی عشروں سے علمی و دینی

اہل طلب کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ مولانا کی تحریروں و اصلاحی افادات کا بھی حامل ہوتا ہے۔ مولانا کے ایک محبّ شاگرد نے توجہ دے کر ان کا انتخاب کیا ہے تاکہ ان کی افادیت جاری اور قائم رہے۔ اس طرح اصلاحی موضوع پر یہ ایک اچھا مجموعہ تیار ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۱ر شعبان ۱۴۴۳ھ
۱۴ر مارچ ۲۰۲۲ء

☆☆☆

تاثرات

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمدلله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيدالأنبياء و امام المرسلين محمد و على آله و صحبه أجمعين ، أمابعد

اصلاح وتربیت اور دعوت تبلیغ کے لئے ہر زمانے میں علمائے امت نے زبان وقلم کو استعمال کیا ہے اوران کے ذریعہ عوام وخواص پر اثر ڈالا ہے۔ بلاشبہ یہ دونوں نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں ان کے ذریعہ انسان دیگر مخلوقات پر ممتاز ہے۔ مزید اپنے ہم جنس افراد میں بھی ان کے ذریعہ یک شان امتیازی کا مالک ہوجاتا ہے، یہ دونوں صلاحیتیں جس کے پاس ہوتی ہیں وہ قوم کی رہنمائی میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جہاں زبان کی ضرورت پڑتی ہے وہاں زبان کا استعمال کرتا ہے اور جہاں قلم کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے وہاں قلم کا استعمال کرتا ہے، دونوں کا مقصد اصلاح ودعوت ہوتا ہے۔

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری ماشاءاللہ دونوں صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔ انھوں نے اپنی طالب علمی کو با مقصد بنایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں صلاحیتیں ان کو عطا فرمادی۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اپنے بعض اعزہ کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کے لئے آئے تھے۔ مسجد دارالعلوم کے سامنے راستے میں مجھ سے ملاقات ہوئی اور بتایا کہ دارالعلوم میں تعلیم کے لئے آئے ہیں۔ مزید یہ بتایا

کہ وہ جناب مولانا سراج الدین قاسمی نوراللہ مرقدہ کے مشورہ اور ان کے بھتیجے مولانا معین الدین ندوی (معین بھائی) کے حسب ایماء جناب نجم الدین عبدالباری غازی پوری (سابق کارکن ندوہ پریس) کے ہمراہ آئے ہیں اور انھوں نے ان کو بلایا ہے تو اطمینان ہوا۔ عزیز مکرم نجم الدین عبدالباری ندوی نے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی اور دوران تعلیم ندوہ پریس میں ملازمت اختیار کی پھر سعودی عرب چلے گئے۔ ابھی چند سال قبل ان کا انتقال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء سے داخلہ کی منظوری کرا کے مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری کا داخلہ کرایا گیا۔ ان کے والد جناب حاجی علاؤالدین مرحوم نے مولانا کی ابتدائی تعلیم کی فکر کی اور مولانا سراج الدین قاسمی نے گھر پر ہی سات پارے حفظ کرائے پھر ان کو جامعہ عربیہ تھوراباندہ میں حفظ کی تعلیم کے لئے بھیجا، وہاں دو سال میں تکمیل حفظ کے بعد قرأت کی تعلیم کے لئے مدرسہ رشیدیہ کوا تھ سہسرام میں قاری نجیب اختر صاحب کے ہمراہ بھیجا۔ اس کے بعد جامعہ شرقیہ جونپور میں ایک سال عربی کی تعلیم حاصل کی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ۱۹۶۹ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء پہونچایا اور یہاں عربی سوم سے عالمیت، تخصص فی الفقہ کی تعلیم حاصل کی پھر ۱۹۷۷ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل گئے اور وہاں ۱۹۸۵ء تک رہے، پھر دو سال جامعۃ الہدایہ جے پور میں گذارا اور وہاں تعلیمی نظام قائم کیا۔ اس کے بعد وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت اور فضیلت کے درجات میں تدریس کے لئے مامور کئے گئے۔ دارالعلوم کے سابق شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندویؒ کے انتقال کے بعد ان کے ذمہ صحیح بخاری کے کچھ اسباق بھی کئے گئے۔ اس کے علاوہ حدیث کی بعض کتابیں مولانا کے زیر تدریس ہیں۔

تدریس وتعلیم کے ساتھ مولانا نے اپنے قلم کو خشک ہونے نہیں دیا۔ وہ برابر کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ شروع ہی سے شعروسخن سے ان کا رابطہ رہا تو ایک مجموعہ (متاع خامۂ دل) کے نام سے ابھی حال میں شائع ہوا ہے۔ سفر کی روداد بھی لکھتے رہے تو مصر کا سفرنامہ مشاہدات وتاثرات کے نام سے

شائع ہوا۔ مزید یہ کہ پندرہ روزہ 'تعمیر حیات' ندوۃ العلماء میں شروع سے کچھ نہ کچھ لکھتے رہے اور اس کی مجلس مشاورت میں شامل بھی ہیں۔

اس وقت میرے پیش نظر ان کے مضامین کا مجموعہ (مضامین خالد غازی پوری) کے نام سے ہے۔ ان مضامین کو ان کے عزیز شاگرد قاضی محمد نوشاد الدین ندوی نے 'تعمیر حیات' کی فائلوں سے جمع کیا ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، اصلاحِ معاشرہ، علم ودعوت اور دینی واصلاحی شخصیات سے متعلق اچھے اور قیمتی مضامین ہیں۔ ان مضامین کی اشاعت سے ان شاء اللہ متنوع فائدے حاصل ہوں گے۔ ابھی تک یہ مضامین فائلوں میں دبے تھے۔ اب یہ آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان شاء اللہ قلب ونظر میں پہونچ کر ظاہری وباطنی تبدیلی کا ذریعہ ہوں گے۔

میں مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کو اس کاوش کی طباعت پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان مضامین کو نافع بنائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

راقم الحروف

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۲ر رجب ۱۴۴۳ھ

۱۴ر فروری ۲۰۲۲ء

☆☆☆

پیش لفظ

علم کی نشر واشاعت، دین کی تبلیغ ودعوت اور معاشرہ کی اصلاح اور تہذیب کے دو اہم ذرائع ہیں جن کے ذریعہ اس اہم فریضہ کو کما حقہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایک تقریر اور دوسرا تحریر، ان دونوں وسائل کے ذریعہ زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک دینی علم اور دعوت اسلام اور اصلاح معاشرہ کا کام بخوبی انجام دیا گیا ہے۔ رسول اللہ نے جہاں تقریر کے ذریعہ دعوت اسلام کو عام فرمایا وہیں تحریر کے ذریعہ امراء وسلاطین کے پاس خطوط روانہ فرمائے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے میگزین ''تعمیر حیات'' ایک علمی، دینی، فکری اور اصلاحی رسالہ ہے جو گذشتہ ساٹھ سال سے ندوۃ العلماء کے افکار وخیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اس جریدہ نے ہر سطح پر امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے اور تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس نے انسانیت کی تعمیر میں اپنا حق ادا کیا۔ لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور ان کے اندر علمی، دینی، دعوتی اور معاشرتی بیداری پیدا کی جو تحریر کے میدان میں بہت ہی مفید طریقہ سے اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ اس میں ہندوستان ہی نہیں دنیا کے موقر علماء کرام کے پُر مغز اور مدلل دینی واصلاحی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان ہی علماء کرام اور اہل قلم حضرات میں ایک نام استاد محترم حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری استاذ حدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ کا بھی ہے جن کے زور قلم کی تاثیر سے ہر کوئی متاثر ہے۔ ایک طرف مولانا کی خطابت میں سحر انگیزی اور شیریں کلامی ہے وہیں دوسری طرف مولانا کے قلم

میں دلنشینی اور جاذبیت بھی موجود ہے۔ کیونکہ یہ بات بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے کہ وہ بہترین مقرر بھی ہوں اور اچھے انشاء پرداز بھی۔ ہمارے استاد محترم کے اندر یہ دونوں باتیں بدرجہ اتم موجود ہیں کیونکہ آپ جہاں شعلہ بیاں مقرر ہیں وہیں آپ قلم کے دھنی بھی ہیں۔ آپ نے ملت کے مسائل اور زندگی کے مختلف عنوانوں کے لئے بہت کچھ لکھا ہے جن کو آپ کے مضامین میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا سے میرا تعلق ندوۃ العلماء کے زمانہ طالب علمی (۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۳ء) سے رہا ہے۔ ندوہ کا سب سے قدیم دارالاقامہ جس کو علامہ شبلی کے نام پر شبلی ہاسٹل کے نام سے جانا جاتا ہے اس کے مشرقی حصہ کے کمرہ نمبر دس میں فدوی کو مولانا کی نگرانی اور سرپرستی میں چار سال سے زائد عرصہ تک مقیم رہنے کا شرف حاصل رہا، جس کے آپ نگراں تھے اور اس وقت حضرت ندوۃ العلماء میں نگراں اعلیٰ کے منصب پر فائز ہیں۔ ندوہ میں قیام کے دوران احقر کے ساتھ حضرت کا بہت ہی مشفقانہ اور مربیانہ معاملہ رہا اور اس طرح حضرت سے قربت کے باعث آپ سے تعلیمی اور تربیتی استفادہ کا موقع ملا۔ آپ نے وہاں ہر طرح اور ہر اعتبار سے رہنمائی اور سرپرستی فرمائی۔ جس کے لئے میں آپ کا زندگی بھر شکرگزار رہوں گا۔ اسی ربط و تعلق کی بنیاد پر ناچیز کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ میں اپنے استاد محترم کے ان مضامین کو جو مولانا نے مختلف عناوین پر ''تعمیر حیات'' کے لئے تحریر فرمائے تھے ان کو افادۂ عام کی خاطر جمع کردوں۔ اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا اور اچھی خاصی محنت کے بعد تمام ہی مضامین جمع ہوگئے۔ ان مضامین میں دعوت و تربیت، حکمت و معرفت اور معاشرتی مسائل، ادب و زبان ہر اعتبار سے اچھا خاصہ مواد جمع ہوگیا ہے جو قارئین کے لئے یقیناً نافع ہوگا کیونکہ قلم و زبان نئی نسل میں بیداری پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔

۲۵ رسالہ ریکارڈ (جلدوں) کے قریب ۸۴۰ نسخوں سے ۱۰۰ رسے زائد مضامین کا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تمام ہی مضامین مفید سے مفید تر ہیں اور ایسے ہیں کہ ان سے تقریر کے لئے بھی مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مضامین سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ ان کو جمع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں۔

میں صدر مدرس جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم مولانا محمد نسیم الدین مفتاحی صاحب کا مشکور ہوں کہ آپ نے اس کام میں میری نہ صرف ہمت افزائی فرمائی بلکہ رہنمائی بھی فرمائی۔ جب بھی مولانا سے اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی آپ نے اپنے تجربہ کی روشنی میں بہت ہی مفید مشوروں سے نوازا۔ اسی طرح استاد محترم مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے کتاب پر تقریظ تحریر فرما کر نہ صرف ہمت افزائی فرمائی بلکہ میرے اندر لکھنے کا جذبہ مولانا ہی کی تحریک پر پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح وہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں میری کسی بھی طرح کی کوئی رہنمائی فرمائی ہو۔ بطور خاص حافظ مفتی عبدالقادر کاشفی ندوی کا جنھوں نے کتاب کی تیاری میں میرا بھرپور تعاون پیش فرمایا۔

قاضی محمد نوشاد الدین ندوی

۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۴۳ھ

راحت کالونی، نزد پنچایت سمیتی، اورنگ آباد

☆☆☆

ارشادگرامی

محمد مجیب الدین قاسمی

مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی جو کہ ہندوستان کی عظیم دانش گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو استاد حدیث ہیں ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں ایک سے ایک اور عمدہ سے عمدہ عناوین پر مدلل اور مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ موجودہ دور میں قارئین کی علمی سطح کو سامنے رکھ کر جو مضامین لکھے جاتے ہیں اس سے امت کو بڑا فائدہ ہوتا ہے جن سے پڑھنے والوں کو صرف معلومات ہی نہیں ملتی بلکہ اس کے ذریعہ قارئین میں نیا جذبہ اور نئی امنگ پیدا ہوتی ہے جس سے ایمان میں تازگی اور عمل کے میدان میں راہ بھی ملتی ہے اور ان کے اندر کچھ کر گذرنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

محترم مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کے شاگرد اور ان سے پہلے ہمارے شاگرد عزیز اور مثالی فرزند جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد قاضی محمد نوشادالدین ندوی صدر مدرس مدرسہ الیاس نے اپنے استاد کی خدمت میں شاگردی اور ندوۃ العلماء کے دوران طالب علمی میں سرپرستی کا حق ادا کرنے کی ایک اچھی اور کامیاب کوشش کی ہے۔ اللہ رب العزت نے انھیں لکھنے اور انتخاب کا بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے۔ اس سے پہلے بھی ان کی بہت سے کتابیں عوام وخواص کے نزدیک داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ میں پہلے تو حضرت مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ کے مضامین کا مجموعہ شائع ہوکر منظر عام پر آرہا ہے اور ان کے بعد مرتب کتاب عزیزم قاضی محمد نوشادالدین ندوی کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے بڑی محنت، جانفشانی اور سلیقہ سے اس مجموعہ کو تیار کیا ہے جو یقیناً ایک شاگرد کے لئے اپنے استاد کی خدمت کا بہترین نمونہ ہے اور ذخیرۂ آخرت کا سامان بھی۔ مجھے علم ہے کہ ۱۹۸۵ء تا ۲۰۲۰ء کے قریب ۳۵ سال کے عرصہ میں

تعمیر حیات کے ۸۴۰ نسخوں سے ان مضامین کو نیٹ کی مدد سے جمع کیا گیا ہے جو کہ بڑی محنت اور مشقت اور بہت ہی دقت اور وقت طلب کام ہے۔ جس کو مرتب کتاب نے بہت ہی احسن طریقہ سے پیش کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی گراں قدر سعی کو قبول فرمائے اور اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی راہیں پیدا فرمائے۔

خیر اندیش

(مولانا) محمد مجیب الدین قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد

۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۴۳ھ

رائے گرامی

مولانا محمد نسیم الدین مفتاحی

(صدر مدرس جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد)

زیر نظر کتاب حضرت مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی دامت برکاتہم کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۸۵ء تا ۲۰۲۰ء کے درمیانی عرصے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ اردو آرگن ''تعمیر حیات'' میں لکھے گئے۔ یہ مضامین نہیں بلکہ فکر وعمل کی راہیں کھولنے والی شاہ کلید ہے۔ جن میں زمانے کے فتنوں کو بے نقاب کر کے ان سے اپنے دامن کو بچانے کی تدبیر بیان کی گئی ہے۔ ان میں صاحب قلم کے دل کا سوز وگداز بھی ہے اور فکر ونظر کی رعنائی بھی۔ اُن کے زور قلم نے اس میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور پیدا کر دیا ہے۔

محترم مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی اپنی اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے ذریعہ ملک و بیرون ملک ندوۃ العلماء کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستگی کے ساتھ ہی وہ ''تعمیر حیات'' سے منسلک ہو گئے اور اب اس کی مجلس مشاورت کے رکن بھی ہیں۔ اپنے سیال قلم کے ذریعہ زمانے کے امراض کی نشاندہی کرتے اور دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہیں۔ تقریر کے ساتھ ساتھ اپنی تحریر میں بھی مسائل کی عقدہ کشائی فرماتے اور صحیح اسلامی معاشرے کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ مجموعہ ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں زمانے کے نشیب و فراز، مختلف مسائل کا حل اور افراد و شخصیات کے خدوخال بیان کئے گئے ہیں۔

قابل مبارکباد ہے جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد کے ہونہار فرزند مولانا قاضی محمد نوشادالدین ندوی (صدر مدرس مدرسہ الیاس اورنگ آباد) جنھوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ''تعمیر حیات'' کے تقریباً ۳۵ سالوں کے ۸۴۰ شماروں سے ۱۲۵ سے زائد مضامین منتخب کئے جو آج

کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ مؤلف موصوف کو جمع وترتیب کا سلیقہ ہے۔ اس سے پہلے بھی مولانا محمد ریاض الدین فاروقیؒ کی شخصیت وخدمات، مسائل جنازہ، روزہ زکوۃ، احکام ومسائل، قربانی وعقیقہ مسائل وفضائل، اصلاحِ معاشرہ، حج وعمرہ (اردو ہندی) وغیرہ کے عنوان سے ان کی کاوشیں منظرعام پر آچکی ہیں۔ راقم الحروف کے حالاتِ زندگی بھی وہ سپردِ قلم وقرطاس کررہے ہیں اور بہت ساری کتابوں پر وہ کام کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے اور ان کتابوں کی تکمیل کی راہیں آسان فرمائے۔

بسا اوقات حسن انتخاب سے انسان نیک نامی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ابوتمام حبیب بن اوس الطائی نے دورانِ سفر ایک کتب خانہ سے عربی اشعار منتخب کئے اور آج بھی وہ دیوانِ حماسہ کے نام سے مشہور ہے۔

پیش نظر مضامین کا مجموعہ بھی قارئین کے لئے فکر وعمل کا سنگم ثابت ہوگا اور جب تک خلقِ خدا اس سے فائدہ اٹھاتی رہے گی مولانا محمد خالد غازی پوری اور مؤلف کتاب اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

محمد نسیم الدین مفتاحی
۴؍محرم الحرام ۱۴۴۳ھ
''مرکوم'' پلاٹ نمبر ۴۰،
بسم اللہ کالونی، اورنگ آباد

☆☆☆

تقریظ

مولانا ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی

ندوۃ العلماء کا امتیاز اور اس کی شناخت تحریر کی شگفتگی اور اس کا وہ جمالیاتی اسلوب ہے جو علامہ شبلیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد الحسنیؒ اور مولانا عبدالسلام ندوی، میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور دیگر فرزندان ندوۃ العلماء کی نگارشات میں برگ گل میں بادسحر گاہی کے نم کی طرح پنہاں ہے۔ زبان اظہار کا ذریعہ ہے لیکن اس کا اسلوب ہی حقیقت میں وہ تیز نم کش ہوتا ہے جو جگر میں اپنی جگہ بنالیتا ہے اور خلش کو ہر دم دو آتشہ رکھتا ہے۔

ندوۃ العلماء کا یہ فیض ہے کہ اس کے خوشہ چینوں نے زبان اور اسلوب دونوں کی اس طرح آبیاری کی ہے کہ آج بھی اس کے گل ولالہ کی عطر بیز خوشبو سے فضائے ادب وزبان سے نہ صرف معطر بلکہ معنبر ہے اور ۱۹۱۰ء سے جس نکہت جاں فزا کا آغاز ہوا تھا تسلسل کے ساتھ ۲۰۲۱ء تک جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری وساری رہے گا۔

رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

ندوۃ العلماء نے کئی خالد پیدا کئے اور ہر خالد کی جلوہ گری اپنے ناظرین سے داد تحسین وصول کررہی ہے لیکن محب گرامی مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار ہیں۔ خطابت ایسی کہ اگر شب نو بجے اس کا آغاز ہو تو صبح ۶ بجے اذان فجر پر اس کا اختتام ہو اور مجمع آخر تک اس شخص کی خطابت کے سحر سے مسحور ہو کر اپنی نشست پر ساکت و

صامت اور بے حس وحرکت اس طرح بیٹھا ہوا ہو کہ شاید صور اسرافیل ہی اس کو اٹھا سکے۔ تدریس ایسی کہ طلبہ کی زبانیں ہل من مزید اور صدائے العطش العطش کی تکرار سے خشک ہو جائی ہوں اور تحریر ایسی کہ وہ لکھیں اور پڑھا کرے کوئی اور آخر ایسا کیوں نہ ہو، جس نے ندوۃ العلماء کی فضاؤں میں تربیت پائی ہو جس نے اہل دل کی صحبتوں سے کسب فیض کیا ہو جس نے اساطین ادب کی نگارشات کو سرمۂ چشم بنالیا ہو، جس نے لکھنؤ کے ادبی ماحول کے خوان شعر و ادب سے زلہ ربائی کی ہو، جس کے سامنے الفاظ واسلوب، اشارات و کنایات اور تشبیہات و استعارات کی کنیزیں دست بدستہ کھڑی نظر کرم کی آرزومند ہوں اور یوں التجا کر رہی ہوں کہ

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

جو صاحب طرز ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری پر خلاقانہ قدرت رکھتا ہو، ایسی مجمع البحار شخصیت کی ''تعمیر حیات'' میں مطبوعہ نگارشات (۱۹۸۵ء تا ۲۰۲۰ء) کو عزیز القدر مولانا قاضی محمد نوشاد الدین ندوی صدر مدرس مدرسہ الیاس شارخ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد (مہاراشٹر) نے بڑی ہی محنت، دیدہ وری سے نیٹ کے ذریعہ یکجا کیا ہے۔ مولانا خاندانی قاضی ہیں اور اب مہاراشٹر وقف بورڈ کی طرف سے بھی باقاعدہ اجازت یافتہ قاضی ہیں۔ اب تک وہ دو اجنبی دلوں کو جوڑنے کا کام انجام دے رہے تھے اور اصحاب فہم وذکاء ان کی خدمات حاصل کر رہے تھے لیکن اب کچھ برسوں سے انھوں نے ایک نیا کام شروع کیا ہے، مجھے پتہ نہیں کہ وقف بورڈ سے وہ اس سلسلہ میں اجازت یافتہ ہیں یا نہیں لیکن مجھے بہت خوشی ہے کہ جس نئے کام کا انھوں نے آغاز کیا ہے وہ مرہٹواڑہ کے علماء کے لئے مشعل راہ بھی ہے اور تازیانۂ عبرت بھی۔ مشعل راہ اس لئے کہ علماء نے جادۂ علم وادب اور پیشۂ علم وتحقیق سے کنارہ کشی

اختیار کرلی ہے اور تازیانۂ عبرت اس لئے کہ شاید ان کی یہ علمی اور ادبی کاوشیں دست بستہ اور پابہ گل فضلائے جامعات کے لئے مہمیز ثابت ہوں۔

یہ لکھنا میں بھول ہی گیا کہ انھوں نے کیا نیا کام شروع کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کوئی نیا کام نہیں ہے وہ تو ہمارے اسلاف کی میراث ہے۔ اگر ہمارے علماء تحریر کو اپنا میدان کار نہ بناتے تو دنیا کے کتب خانے ان کی تدوین کردہ معرکۃ الآراء کتابوں پر ناز نہ کرتے۔ آج پوری دنیا کے محققین ہمارے اسلاف کی تحریر کردہ کتابوں پر تحقیق کررہے ہیں اور مستشرقین ان کی تحریر کردہ مخطوطہ کتابوں کو تحقیق و تدقیق کے بعد منظر عام لارہے ہیں اور بھرپور استفادہ کررہے ہیں۔

مولانا قاضی محمد نوشاد الدین ندوی تدریس اور تقریر کے ساتھ اب میدان تحریر کے بھی شہ سوار بن کر ہمارے سامنے نمودار ہوئے ہیں۔ اب تک ان کی کئی کتابیں قارئین سے خراج تحسین وصول کرچکی ہیں۔ اب انھوں نے محب گرامی حضرت مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کی ''تعمیر حیات'' میں مطبوعہ مضامین کو جو زمانی اعتبار سے ۳۵ رسالوں پر محیط ہیں یکجا کرنے کا جاں گسل اور صبر آزما کارنامہ انجام دیا ہے۔ تعداد کے لحاظ سے قاضی ندوی نے غازی پوری ندوی کے ایک سو پچیس سے زائد مضامین کو یکجا کیا ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ دو دلوں کو یکجا کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے لیکن بہرحال انھوں نے اس ہفت خواں کو سر کیا ہے غالبؔ تو اپنی قسمت پر گریاں تھے کہ ''کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک'' لیکن مولانا قاضی نوشاد الدین ندوی کا کمال ہے کہ انھوں نے یہ میدان بھی سر کرلیا ہے اور زندہ بھی ہیں۔ اور گاہے بگاہے پان کھا کر زیر لب مسکراتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسی طرح خوش وخرم رکھے اور مزید اس طرح علمی دینی خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں عزیزم کو ان کی اس علمی کاوش پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس ''متروک جادہ'' پر ثابت قدم رکھے اور علماء کے لئے وہ اپنے اس جادہ کو ترک کہ میں چھوڑیں لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید علماء اس ترکہ کو بھی لینے سے گریز کریں۔ بہرحال انھوں نے جو علمی خدمت انجام دی ہے اس پر وہ ہم سب کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ میں دوبارہ ان کی اس علمی کاوش کو سلام کرتا ہوں اور ان شاء اللہ طبع ہوکر جب یہ کتاب منظر عام پر آئے گی تو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد صدر الحسن ندوی مدنی

پلاٹ نمبر ۶۳، عارف کالونی، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

۱۳/اگست ۲۰۲۱ء ۳/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ بروز جمعہ

نعت پاک

ہے خاصانِ خدا کی بزم میخانہ محمدؐ کا
یہاں ہے روز و شب گردش میں پیمانہ محمدؐ کا
وہاں محشر میں جب ہر شخص گھبرایا ہوا ہوگا
عنایت اس پہ ہوگی جو ہے دیوانہ محمدؐ کا
کتاب و سنت و سیرت ہدایت کے ذرائع ہیں
ھُدًی لِلنّاس ہے پیغام شاہانہ محمدؐ کا
وہی ہیں شافع محشر وہی ہیں ساقیٔ کوثر
ملے گا اہلِ ایماں ہی کو پیمانہ محمدؐ کا
ہے سامانِ سعادت آیۂ رحمت و نعمت بھی
جو دیکھوں اک نظر طیبہ میں کاشانہ محمدؐ کا
جہاں پہونچا نہ کوئی بھی فرشتوں اور پیمبر سے
وہاں اک ثانیہ میں ہوگیا جانا محمدؐ کا
کیا خالق نے پیدا حضرت آدمؑ سے بھی پہلے
جہاں میں یوں تو آخر میں ہوا آنا محمدؐ کا
ازل سے ہوں میں شیدائی شہ بطحا کا اے فیصلؔ!
مرے لب پہ سدا رہتا ہے افسانہ محمدؐ کا

☆☆☆

سیرت

اچھے ناموں کے اثرات سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں

انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز میں حسن و جمال کو پیش نظر رکھا جائے، اس لئے کہ اللہ عزوجل نے انسان کو بہترین ساخت اور عمدہ شامہ عطا فرمایا ہے 'لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم' ہم نے انسان کو عمدہ ساخت میں پیدا کیا ہے، لہذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کی نگہداشت اور نشو ونما جہاں بہترین انداز میں کرنے کی فکر کریں وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کے نام بھی اچھے رکھے جائیں، اچھے نام اچھی علامت کا مظہر ہوتے ہیں، اور اچھا مظہر اللہ عزوجل کو پسندیدہ ہے، ایک صحابیؓ نے حضور کریم ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ ہمارا جوتا شاندار اور خوبصورت ہو ہمیں یہ پسند ہے یہ کبر میں تو شمار نہیں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اللہ کی ذات خود آئینہ جمال ہے اور اسے جمال پسند ہے، کبر تو کہتے ہیں کسی کے حق کو حقیر سمجھ کر دبانے اور اپنے کو بڑا سمجھنے کو۔

آج کل عام مزاج یہ بنتا جارہا ہے کہ بچوں کے ناموں میں جدت ہو، ایسا نام رکھا جائے کہ کسی اور کا ویسا نام نہ ہو، خواہ اس کا مفہوم کچھ بھی نکلتا ہو، حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ 'سموا باسماء الانبیاء' (ابوداؤد) انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھو، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری صاحبزادے کا نام ابراہیمؑ رکھا تھا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے 'تدعون یوم القیامة باسماء کم واسماء آباء کم فاحسنوا اسماء کم (مسند احمد) قیامت کے دن تمہیں اپنے آباء کے نام سے پکارا جائے گا، لہذا تم اچھے نام رکھا کرو، احادیث میں اچھے نام جس سے عبدیت کا اظہار ہوا

سے قرار دیا گیا ہے، چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام ہیں، حضور اکرم ﷺ اچھے نام رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے بلکہ نام میں اگر معنوی اچھائی نہ ہو یا اس میں شبہ ہو تو اسے بدل دیا کرتے تھے، حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام 'برہ' تھا جس کے معنی نیکوکار ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام اس لئے تبدیل فرمادیا کہ اس میں اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے، اس کی وجہ سے نفس کہیں دھوکہ نہ دے دے، لہذا آپ کا نام زینب رکھا، اسی طرح ایک صحابیؓ کا نام 'حزن' تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام اس لئے بدل دیا کہ اس کے معنی سخت زمین کے ہوتے ہیں، سہل نام رکھ دیا، جس کے معنی نرم ہونے کے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اچھے ناموں سے شگون لیتے تھے، نام سن کر خوش ہوتے تھے، اور اس کے اچھے اثرات کے متمنی ہوتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملہ الجھا ہوا تھا، قریش کی جانب سے ثالثی کے لئے جب سہیل آئے تو حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہیں، بتایا گیا کہ سہیل ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ہمارے معاملہ کو آسان کردیا، اور پھر انہیں کے ذریعہ صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز معاہدہ وجود میں آیا جس کو اللہ عزوجل نے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ جسے یثرب کہتے تھے اس لئے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا کہ اس کے معنی میں جرم وزیادتی اور الزام کا مفہوم پایا جاتا ہے، آپ نے تاکید کی کہ یثرب کو طیبہ خوشگوار عمدہ کہا جائے، مدینہ کے معنی شہر کے آتے ہیں چونکہ یہ مدینۃ الرسول ﷺ ہے اس لئے اس کا نام ہی مدینہ پڑ گیا، اب اگر بغیر کسی اضافت کے مدینہ کہا جائے تو اس سے مراد مدینۃ الرسول طیبہ ہی ہوگا، مدینہ میں بخار کی وبا عام تھی، بڑی شدت کا بخار ہوتا تھا، اکثر آنے والے اس میں مبتلا ہو جاتے تھے، نو وارد اس کی زد میں آتے تو وہ جلدی وہاں سے رخصت ہونا چاہتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کی مشقتیں جھیلنے پر جنت کی بشارت سنائی، اور اس کا نام طیبہ رکھ دیا تو مدینہ کی فضاء اللہ کے فضل سے خوشگوار ہوگئی، اللہ کے رسول ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ کالی کلوٹی عورت

مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ جہاں یہودیوں کی آبادی تھی چلی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وبا تھی جو یہاں سے منتقل ہوگئی، اس لئے بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو اب یثرب کہنا صحیح نہیں ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ناموں کے اثر انداز ہونے کے بارے میں اپنی مجلس کے دوران ایک موقع پر فرمایا' امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پڑوس میں ایک شخص نے جو غالبا رافضی تھا دو خچروں کا نام ابوبکرؓ وعمرؓ رکھا تھا، ایک روز ایک خچر نے لات مار کر اس شخص کا پیٹ پھاڑ دیا، جب امام صاحب کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ یہ وہ خچر ہوگا، جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا، اس نام کا یہی اثر ہونا چاہئے تھا، بعد میں اس کی تصدیق بھی ہوگئی کہ وہی خچر تھا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ الفاظ اور ناموں میں بھی تاثیر رکھی گئی ہے، ایک لڑکے کا نام والدین نے کلیم اللہ رکھا وہ اکثر بیمار رہتا تھا، فرمایا کہ میں نے اس کا نام بدل کر سلیم اللہ رکھ دیا، اس وقت سے تندرست رہنے لگا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۶۵)

نام رکھنے میں غلو کی حد تک یکساں اوزان کا خیال رکھا جاتا ہے یعنی سارے بچوں اور بچیوں کے نام ہم وزن ہوں، حالانکہ ناموں کے سلسلہ میں یہ التزام غیر ضروری ہے، کبھی کبھی اس کی پابندی بھونڈی معنویت پیدا کر دیتی ہے، ایک صاحب کے چند لڑکے تھے، ایک کا نام شمیم تھا، دوسرے کا نام نعیم تھا، تیسرے کا نام کریم تھا، چوتھا بچہ پیدا ہوا تو انہیں یہ سودا سمایا کہ اس بچے کا نام قرآن پاک سے اسی وزن پر رکھیں گے، چنانچہ تلاش بسیار کے بعد انہیں سورۃ القلم میں زنیم لفظ مل گیا، انہوں نے بغیر معنی پر غور کیے اپنے بچے کا نام زنیم رکھ دیا، کچھ دنوں کے بعد ان کے یہاں کوئی صاحب علم مہمان ہوئے، انہوں نے میزبان کو اپنے لاڈلے بچے کو زنیم کہہ کر پکارتے ہوئے سنا، اس پر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ باپ نے اپنے بیٹے کو خود زنیم کہا تعجب کی بات ہے، لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس بچے کا نام ہی زنیم ہے، چنانچہ انہوں نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے یہ نام کیوں رکھا ہے، انہوں نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اصل میں میں نے اپنے اس بچے کے نام کے تعلق سے یہ

سوچا کہ اپنے دیگر بچوں کے ناموں پر ہم وزن ہو لیکن خواہش یہ تھی کہ وہ نام قرآن پاک سے ماخوذ ہو، بڑی تلاش کے بعد الحمدللہ یہ نام سورۃ القلم میں مجھے مل گیا اور میں نے یہ نام رکھ دیا، مہمان نے کہا ابلیس اور ابولہب، فرعون بھی تو قرآن پاک میں ہیں، کہا یہ نام کوئی رکھنا پسند کرے گا، بالآخر جب قرآن پاک میں اس کا معنی دیکھا گیا تو زنیم کے معنی حرام زادے کے تھے، مہمان نے کہا کہ کیا کوئی یہ سننا بھی پسند کرسکتا ہے، میزبان کو بڑی پشیمانی ہوئی اور اس بچے کا نام بدل دیا گیا، یہ غلطیاں آج ہورہی ہیں جس سے ہماری تہذیب متاثر ہورہی ہے، اس طرح ہم اپنے بچوں کے ناموں میں بھی ان کی تقلید کرتے جارہے ہیں، اس سے ہمیں پرہیز کرنا چاہئے، بچوں کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ان کا نام اچھا رکھا جائے، اور اچھے نام کو بلاتے وقت بھی ملحوظ رکھا جائے، اسی طرح نام بگاڑنا بھی گناہ کی بات ہے، قرآن پاک میں اسے 'بئس الاسم الفسوق' کہا گیا ہے، لہذا کسی کے نام کو بگاڑ کر پکارنا نہیں چاہئے، اس میں خود گھر والوں کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے، وہ پیار میں مخفف کرتے ہیں اور پھر وہی نام بن جاتا ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

حضرت مولانا ابواللیث صاحب ندویؒ جو جماعت اسلامی کے امیر ہوئے، ندوے کے فاضل اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے شاگرد تھے، ان کا نام شیر محمد تھا، استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کا نام بدل کر ابواللیث رکھا، ہرچند لیث کے معنی بھی شیر کے ہیں لیکن اس میں حسن ہے جو پسندیدہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کا نام اصرم تھا جس کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں، اللہ کے رسول نے فرمایا تمہارا نام اصرم نہیں بلکہ زرعۃ ہوگا جس کے معنی کھیتی اور جود وسخا کے ہوتے ہیں، بعد میں وہ صحابی اسی نام سے معروف ہوئے لہذا ہمیں اچھے ناموں کا التزام کرنا چاہئے۔

☆☆☆

اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

وادی بطحاء کے کوہستانی علاقہ میں جبل نور کو یہ ممتاز مقام حاصل ہے کہ اس کی چوٹی پر وہ مخروطی شکل کا غار ہے جسے 'غار حراء' کہا جاتا ہے، جو امین ہے اس نور نبوت کا جس کا ظہور صدیوں کے بعد پہلی دفعہ ہوا، اس پاک، برگزیدہ، فرشتہ کی آمد کا، اس کی اس صدائے دلنواز کا جس نے قوموں کی زندگی اور ان کی روح کو قوت وطاقت کے ساتھ بالیدگی بھی عطا کی، اس نغمہ ربانی کا جس کے ساز پر مضراب یقین کی شہنائی بجنے لگتی ہے، یاس وہراس کی اس کھائیوں سے گذر کر کیف ونشاط، سرور وانبساط اور عزم ویقین کے ساحل مراد پر پہنچا جاسکتا ہے۔

اس پیغام ربانی کا جو عصائے موسیٰ، ید بیضاء اور حضرت عیسیٰ کی تنویر کا عکاس ہی نہیں بلکہ شب دیجور کی تمام تر ظلمتوں کے ازالے کے لئے بصائر کی فروزاں قندیلوں کے ساتھ ابدی معجزانہ کردار کا حامل ہے۔

وہ حراء آج بھی اپنے کردار و پیغام کے ساتھ قائم ہے، صدیاں گذر گئیں، لیکن اس کے کسی حصہ میں کوئی فرق نہیں آیا، گردش دوراں نے عارض گیتی پر نہ جانے کتنے انقلاب پیدا کیے لیکن غار حراء کی بازگشت تعطل آشنا زندگی کے لئے پیغام کیف ونشاط آج بھی حاضر ہے۔

وہ حراء جو آفتاب نبوت کی کرنوں کا امین ہے، جس کی خلوت میں ہادی عالم ﷺ نے ایک عرصہ گذارا ہے، اور جس کی ضیا بار کرنوں نے عرب وعجم کو یکساں طور پر روشنی بخشی ہے، آج ضرورت ہے کہ اس تنویر کو ظلمت گہہ آب وگل کے ہر حصہ میں پوری قوت کے ساتھ پہنچانے کی تا کہ سیہرہ زیست کو قوس قزح کا حسن وتجمل حاصل ہو، اور بلکتی سسکتی کڑھتی اور بے نیل ومرام ہر طرف گرتی، الجھتی ہوئی

انسانیت کوراحت واطمینان اورقرار وسکون کی دولت میسر آئے۔

حضورﷺ پر پہلی وحی اس غارحراء میں نازل ہوئی تھی، جس نے انسانوں کوجہل وضلالت کی کھائیوں سے نکلنے پراکسایا تھا، اورانہیں وہ بھولا ہواسبق پڑھایا تھا، جس سے انسانی زندگی کے سارے پیچیدہ مسائل حل کیے جاسکتے ہیں، اللہ کافرشتہ حراء کی تنہائی میں آپﷺ کے پاس جوربانی سوغات لے کرآیا وہ علم تھا، معرفت کی تنویر تھی، آگہی کا مشعل تھا، خودشناسی کے ساتھ خداشناسی کا جوہر تھا، اورواقفیت کی قندیل تھی، بلکہ حقیقت میں وہ شمع حیات تھی جس سے ظلمتیں کافور ہوجاتی ہیں۔

اہل مکہ کوزندگی کی شاہراہ میں بہت سے چیلنجوں کا سامنا تھا، وہاں غریب ومفلس بھی تھے، فاقہ مست ودریدہ پیرہن بھی، داغ یتیمی لیے ہوئے یتیموں کے ٹوٹے ہوئے دل اورماتم کناں بیوائیں بھی، روٹی کپڑااورمکان کی قلت کارونا بھی تھا، پانی کی عدم فراہمی اورکمیابی کاشکوہ بھی، الغرض وہ ساری چنوتیاں موجودتھیں جوکسی زندہ معاشرہ کوپیش آسکتی ہیں، ایسے وقت میں پہلی دفعہ آسمان کا زمین سے رشتہ وحی الٰہی کے ذریعہ قائم ہورہا ہے، اورتمام چنوتیوں کے زہرکاتریاق ان پانچ آیتوں کو قراردیاجاتا ہے، جن میں رب کائنات نے پڑھنے کاحکم دیا ہے، ارشادربانی ہے :

اقرأ باسم ربک الذی خلق،خلق الانسان من علق، اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم ،علم الانسان ما لم یعلم'

(پڑھواپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے، جس نے انسان کو جمے ہوئے لہو سے پیدا کیا ہے، پڑھو! تمہاراپروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کواس بات کی تعلیم دی جس سے وہ واقف نہ تھا۔)

مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ نے اس موقع پرلکھا ہے ''ایک عجیب بات جودنیا کے فلاسفہ ومفکرین اورمذہب وثقافت کے مؤرخین کی توجہ چاہتی ہے، وہ اس پہلی وحی میں قلم کا تذکرہ ہے جوایک امی پر، ایک امی قوم میں اورایک ایسے ملک میں نازل ہوئی جہاں

قلم کا وجود بھی کمیاب تھا اور جہاں پڑھے لکھے افراد انگلیوں پر گنے جاتے تھے، اس نے اس مذہب اور اس مذہب کی حامل امت کو قرأت وکتابت اور قلم سے کام لینے کی صلاحیت اور اس سے اس کے دائمی مضبوط ربط وتعلق کی (دوسرے سابقہ مذاہب کے برخلاف) نشان دہی کردی، جو اس کی عالمی، علمی و تصنیفی تحریک کا رمز تھا، جس کی اقوام وملل کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی، وہ رمز آیت 'علم الانسان مالم یعلم' کا اس وحی میں شامل ہونا تھا، جو طلب علم، ذوق، جستجو، اور نئی معلومات کی تلاش اور پچھلے زمانوں میں دریافت نہ ہوسکنے والے مگر ثابت شدہ علمی حقائق کے عدم انکار کا محرک ثابت ہوا۔"

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس امت کی اٹھان علم پر ہوئی تھی، اور اس میں یہ بھی نکتہ پوشیدہ تھا کہ اب آنے والا زمانہ علم کے چیلنجوں کا ہوگا، جس کے ہاتھ میں علم کا جھنڈا ہوگا وہی قیادت وسیادت کے منصب پر فائز ہوگا، حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد اسی لئے سات ایسی مسجدوں میں تعلیم کا نظم کرایا جو سن ۲ھ تک مدینہ منورہ میں تعمیر ہوگئی تھیں، اور بچوں کی تعلیم کے ساتھ تعلیم بالغان کا بھی نظام مرتب فرمایا تھا، پڑھانے والے مکہ مکرمہ کے وہ قیدی تھی جو غزوہ بدر کے موقع پر قیدی بنا کر لائے گئے تھے اور وہ ابھی تک مشرک تھے، لیکن تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر حضور ﷺ نے انہیں سے کام لیا، اور دس افراد کو لکھنا پڑھنا سکھا دینا ان کے لئے فدیہ قرار دیا، اور مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا' طلب العلم فریضة علی کل مسلم' (علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا' من مات وھو یطلب العلم لقی اللہ ولم یکن بینه وبین النبیین الا درجة النبوة' (جس کی وفات اس حال میں ہوئی کہ وہ علم حاصل کررہا ہو، تو وہ اللہ سے اس طور پر ملے گا کہ اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف نبوت کے درجہ کا فرق ہوگا)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا 'من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له طریقا فی الجنة' (جو علم کی راہ اختیار کریگا اللہ تعالی اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرمادیں گے)

ہمارے اسلاف نے علم کی راہ کو اختیار کیا، قرآن پاک کو دستور زندگی اور احادیث نبویہ کو زندگی کی تشکیل کا اہم محرک سمجھتے ہوئے اس کے فروغ واشاعت میں لگے رہے، علم کی نکہت انہیں ریگزاروں سے سمن زاروں تک پہنچاتی رہی، بالآخر علمی انہماک اور ذوق وجستجو نے انہیں ہم دوش ثریا بنادیا۔

آج ضرورت ہے کہ ہم انسانی معاشرہ میں 'اقرا باسم ربک' کی قندیل فروزاں لے کر جائیں اور اسے وثنیت کے دلدل اور اصنام پرستی کے زہر ہلاہل سے نجات دلائیں، سچائی، نیکی اور عمل کی راہوں پر اس کو ڈال دیں۔

آج ہندوستان کی سرزمین میں ہم مسلمانوں کو بہت سے چیلنجوں کا سامنا ہے لیکن سب سے اہم اور قابل توجہ چیز صحیح علم کو عام کرنا ہے، مکاتب ومدارس کے ساتھ عصری دانش گاہوں کے قیام کے پہلو بہ پہلو صالح لٹریچر کی اشاعت وقت کا اہم تقاضہ ہے، یہ وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعہ ہم معاشرہ کے اندرون تک حراء کے افق سے اٹھنے والی صدا اور اس کے پیغام کا رنگ وآہنگ پیش کرسکتے ہیں۔

☆☆☆

اخلاق حسنہ کی اہمیت

اسلامی تعلیمات میں اخلاق کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اخلاق انسانی زندگی کا روشن کردار اور پاکیزہ سیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے، انسان وحیوان کے درمیان جو چیز حد فاصل ہے، جو انسان کو حیوان سے ممتاز بناتی ہے، وہ اخلاق ہی ہے، اخلاق ایک ایسی صفت ہے جو انسانی صفات کا احاطہ کرتی ہے، بلکہ انسانی اکتسابات میں رنگ ونکہت اخلاق کے ذریعہ ہی پیدا ہوتا ہے۔

اخلاق کا مطلب ہے عادات واطوار اور میل جول کے طور طریقے' اگر کسی کے عادات و اطوار اور میل جول کے طریقے اچھے ہیں تو وہ اخلاق حسنہ سے متصف ہے اور اگر میل جول کے طریقے غلط ہیں اور اطوار وعادات میں برائی کا عنصر پایا گیا تو اسے بداخلاقی سے تعبیر کیا جائے گا اور اسے اخلاق سیئہ کہیں گے۔

معاشرہ انسانی میں اگر اچھے اخلاق کے حاملین موجود ہوں تو وہ معاشرہ امن وامان، اخوت ومحبت، چین وسکون، اور جذبہ بہی خواہی، مروت ووفاکشی کا مظہر ہوتا ہے، اور اگر سماج میں بداخلاق وبدکردار لوگ پائے جائیں تو معاشرہ گھناؤنا، گھٹیا اور انتشار واضطراب کا شکار ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی جس وقت بعثت ہوئی اس وقت معاشرہ میں بداخلاقی، اور بدکرداری کا تسلط تھا، انسانی زندگی کا آوا بگڑ چکا تھا، اور انسانیت لب دم آخری سانس لے رہی تھی، آپ کی آمد ناز کی برکت سے انسانیت کو زندگی کا سلیقہ ملا، بداخلاقی کی جگہ خوش اخلاقی نے لیا، لوگ برائی کو برائی باور کرنے لگے، اچھائیوں اور اچھی صفات کو فروغ ملا، آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی بداخلاقی کے فساد اور انارکی کو دور کرکے اس کو نیکیوں پر استوار کرنا تھا' بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ' اچھے

اخلاق کی تکمیل کرنا میری بعثت کا مقصد ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ہمیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دی ہے، آپ خود بھی اخلاق حسنہ کا مکمل ترین نمونہ تھے، اور آپ نے لوگوں کو بھی یہی تاکید فرمائی ہے کہ ہر معاملہ میں اخلاق حسنہ کو اپنایا جائے، آپ ﷺ کی صفات عالیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت حسینؓ نے فرمایا' آپ نرم خو اور شفیق تھے، رافت ومہربانی آپ کا امتیازی وصف تھا، سخت مزاجی اور تنگ دلی سے آپ کو نفرت تھی، کوئی بری بات زبان سے نہ نکالتے تھے، کسی معاملہ میں شور وہنگامہ نہیں کرتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے، جو بات آپ کو ناپسند ہوتی اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی شخص کسی چیز کی امید رکھتا اور آپ سے سوال کرتا تو اسے مایوس نہ کرتے، تین چیزوں سے آپ کنارہ کش رہے (۱) بحث ومباحثہ سے (۲) ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے سے (۳) جس معاملہ سے کوئی تعلق نہ ہو اس میں دخل انداز ہونے سے، دوسرے کی دل جوئی فرماتے اور اس کی بات نہایت غور اور توجہ سے سنتے، جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا خاموشی اختیار فرمائے رکھتے، کسی کو بات بات میں ٹوکنا اور سلسلہ گفتگو آگے نہ بڑھنے دینا آپ کے مزاج کے منافی تھا۔

آپ ﷺ اچھے اخلاق پر قائم رہنے کی دعا بھی فرماتے تھے 'و اھدنی لاحسن الاخلاق لایھدنی لاحسنھا الاانت واصرف عنی سیئاتھا لایصرف عن سیئاتھا الا انت 'اے میرے پروردگار تو مجھے بہترین اخلاق کی رہنمائی سے نواز، تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی رہنمائی سے نہیں نواز سکتا، اے میرے پروردگار تو برے اخلاق کو مجھ سے دور فرمادے، تیرے سوا کوئی بھی برے اخلاق کو دور نہیں کر سکتا۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے 'اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا 'کامل ترین ایمان مسلمانوں میں اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، خیارکم احسنکم خلقا' تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، ایک روایت میں

آیا ہے'احب العباد اللہ الی اللہ احسنھم اخلاقا' بارگاہ الٰہی میں سب سے پیارا شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ذکر کیا گیا کہ حضور ﷺ فلاں عورت بڑی نمازی، چاشت وتہجد کی پابند ہے لیکن اس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں، پڑوسی پریشان رہتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ جہنمی ہے، پھر دوسری عورت کا تذکرہ آیا کہ نماز پنج وقتہ پڑھتی ہے لیکن اخلاق اس کے بہت اچھے ہیں، اس کے پڑوسی اس سے خوش ہیں، آپ نے فرمایا وہ جنتی ہے، لہٰذا آج ہم اپنی زندگی پر غور کریں کہ ہمارے اخلاق کیسے ہیں؟ کیا ہم کسی معاملے میں اپنے آپ کو ترجیح تو نہیں دے رہے ہیں؟ درشت مزاجی، اکھڑپن، اور معاملات میں سختی کا ہم شکار تو نہیں؟ جو شخص ہماری طبیعت ومزاج سے ہم آہنگ ہو کر بات نہ کرے اسے کسی حد تک برداشت کرنے کو تیار ہیں؟ مخالف کے ساتھ نرمی، شفقت ومہربانی کا سلوک روا رکھتے ہیں؟ کمزور اور غریب کو وہی حیثیت دیتے ہیں جو امیر اور طاقتور کو دیتے ہیں، یا ہم ہر معاملے میں اپنی ذات کو مقدم قرار دیتے ہیں، اور اپنے مفاد کے حصول کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانا ہماری فطرت ثانیہ بن چکی ہے، اپنی طرف اچھائی اور دوسروں کی طرف برائی منسوب کرنا ہمارا شیوہ ہو گیا ہے، اس پر ہمیں غور کرنا چاہئے، اور اپنے اخلاق کو سنوارنے کی فکر کرنی چاہئے، اس کے بغیر ہم اتباع نبوی کے دعویدار اور اخلاق نبوی کے علمبردار نہیں ہو سکتے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہیں فرقاں وہی یاسین وہی طٰہٰ

☆☆☆

انسانی زندگی کے مظاہر ثلاثہ کی اہمیت
سیرت نبوی کے آئینہ میں

انسانی زندگی کے تین اہم اجزاء ہیں فکر قول اور عمل، کائنات کی نیرنگیوں تہذیب وثقافت کی بوقلمونیوں، علم وتمدن کی کثرت سب کا سرچشمہ یہی انسانی فکر انسانی قول اور انسانی عمل ہیں۔ انسان کو انہی خصوصیات کی وجہ سے کائنات کی سروری کے لئے منتخب کیا گیا اور اشرفیت کا تاج دیا گیا۔ انہیں کی بدولت وہ ہواؤں کو اسیر، فضاؤں کی تسخیر پہاڑوں اور وادیوں کو زیروزبر کرتا ہے۔ دریا کا رخ موڑنے پر قادر ہے، آفتاب کی شعاؤں کو کنیز خانہ بنانے کی قدرت رکھتا ہے برق تپاں کو پابجولاں کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ لوہا آگ پانی ہوا جنگل کے درندے اور سمندر کی تہہ میں پرورش پانے والے آبگینوں کو بھی اس کی گرفت وہ دسترس سے باہر نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا مظاہر ثلاثہ میں سے کوئی ایک فرد جب وجود میں آتا ہے تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا اس کا تعلق یا تو کائنات سے ہوتا ہے یا خالق کائنات سے خواہ وہ فرد فکر ہو یا قول ہو یا عمل انسان کی عظمت کے پیش نظر ان کی عظمت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور انسان جب اس کائنات کی سب سے اعلی مخلوق ہے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ نے اس کو کائنات کی نیابت وخلافت تفویض کی ہے تو اس کی فکر اس کے قول وعمل کی تنقیح وتہذیب اس کے جسمانی وجود کی تسویہ وترکیب سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے **سبح اسم ربك الاعلى الذى خلق فسوى والذى قدر فهدى** پاکی بیان کرو اپنے بلندشان والے رب کے نام کی جس نے پیدا کیا (انسان کو) تو درست کیا اور جس نے (اس کے جوڑ وبند میں صحیح) اندازہ لگایا تو اسے ہدایت عطا کی۔ ان آیتوں میں اللہ رب العزت نے ان دونوں

نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جہاں اس کے جسمانی نظام کی امتیازی شان کو ایک لفظ تسویہ درست کرنا برابر کرنا تناسب کیساتھ رکھنا سے ظاہر کیا گیا ہے وہیں اس کے فکر و قول وعمل کی تابندگی کو **والــــذی قــــدر فهــدی** کے آئینہ میں دیکھا گیا ہے۔زاویہ نظر کے اختلاف کی وجہ سے کائنات میں انسان کی فعالیت کی تشریح میں اختلاف تو ہوسکتا ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان سب کے باوجود وہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ ہے۔ ہر آن احتیاج کی بیڑیاں اسے اسیر کرتی رہتی ہیں توفیق و ہدایت کا وہ اس طرح محتاج ہے جس طرح وہ اپنی زندگی کی بقا کے لئے پانی اور ہوا کا ضرورت مند ہے۔**یــاایهـاالناس انتم الفقراء الی الله والله هوالغنی الحمید** (سبا) اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تم سے مستغنی ستودہ صفات ہے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانی زندگی احتیاج وجھمیلوں سے کبھی آزاد نہیں ہوسکتی ارشاد ربانی ہے **لـقـد خـلـقـنـا الانسان فی کبد** ہم نے انسان کو جھمیلوں میں پیدا کیا۔روش صدیقی کا شعر ہے کہ

زندگی نام ہے طوفان حوادث کا روش
ننگ ساحل ہے وہ جس کو کوئی طوفاں نہ ملا

لہذا اس کی فکر اس کا قول اس کا عمل یہ سبھی آزاد نہیں،اس پر بھی ہدایت کی مہر کی احتیاج لازم ہے،جس طرح جسمانی اعذار ہیں اسی طرح فکری عوارض ہیں،زبان کی کجی اور عملی بے اعتدالیاں ہیں ،ان سے اگر انہیں پاک وصاف نہیں کیا گیا تو ان کی فعالیت متاثر ہوگی اور کائنات میں انسان کی افادیت معدوم ہوجائے گی،یہ انسانی زندگی کے فطری خواص بھی ہیں،ان کی رہنمائی اور تصقیل کا فریضہ وہی دین کرسکتا ہے جو دین فطرت ہے اور وہی نبی کرسکتا ہے جو دین فطرت کا داعی ہے وہی معبود کرسکتا ہے جو اس کا خالق بھی ہو۔انسان اپنی زندگی کی بخیہ گری میں مثالوں کا محتاج ہے،اسوہ اور نمونہ کے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا،نہ اس کی زبان کھل سکتی ہے نہ اس کی آنکھیں حقیقت بیں ہوسکتی ہیں اس کے بغیر اس کی فکر اس کا عمل طوفان کے رخ پر تودہ ریگ سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے انسانی فکر کو مہمیز کرنے کے لئے کوہ صفا سے آواز لگائی قریش کے میلوں میں گھوم گھوم کر برملا سمجھاتے رہے، منی مزدلفہ اور عرفات تک میں آنے والے حجاج کو دین حق کی طرف بلاتے رہے، مقام سعی اور جائے طواف حطیم کعبہ اور چاہ زم زم ان میں سے کوئی سی ایسی جگہ ہے جہاں داعی رسالت نے انسانوں کو ان کی عظمت کو یاد نہ دلایا ہو اور کفر وشرک کے بطلان توہمات وخرافات کی بے حقیقتی کو واضح نہ کیا ہو کبھی ایسا بھی ہوا کہ اہل تعلق کو دعوت طعام پر بلایا اور فراغت کے بعد اسلام کی ابدی اور سرمدی دعوت یوں پیش کی 'ما اعلم انسانافی العرب جاء قومه بافضل ماجئتكم به قد جئتكم بخيرالدنيا والآخرة وقدامرنى ربى ان ادعوكم اليه فايكم يوارزنى 'اہل عرب میں آج تک کوئی شخص مجھ سے بہتر پیغام نہیں لایا ، یہ پیام دنیا وعقبی دونوں کی بھلائی کا رہنماء ہے اس پیام میں اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں آپ میں کون میرا پیام قبول کر کے ساتھ دیتا ہے، آپ نے کوہ صفا سے یہ آواز لگائی 'اريتم لواخبرتكم ان خيلا بسفح هذالجبل اكنتم تصدقونى 'اے قریش اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ قریش نے جواب دیا 'نعم انت عندنا خیر منہم دما جرینا علیک کذبا قط' ہاں ہم آپ کی بات کو صحیح تسلیم کریں گے آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔

پھر فرمایا 'فانى نذير كم بين يدى عذاب شديديابنى عبدالمطلب يابنى عبدمناف يابنى زهرة يابنى تميم يابنى اسد ان الله امرنى ان انذرعشيرتى الاقربين وانى لال املك لكم من الدنيامنفعة والامن الآخرة نصيبا الا ان تقولوا لااله الاالله 'لوگو تم پر عذاب نازل ہونے سے پہلے میں تمہیں محفوظ رکھنا چاہتا ہوں، اے بنو عبدالمطلب، اے خاندان عبدمناف، ابنائے زہرہ، اے اولاد تمیم اے قبیلہ مخزوم اے فرزندان اسد سب حضرات غور سے سنیں کہ اللہ نے مجھے اپنے جدی قرابت داروں کو عذاب سے متنبہ کرنے

کا حکم دیا ہے اگر آپ لوگوں نے خدائے وحدہ لاشریک لہ کی پرستش نہ کی تو میری قرابت داری دنیا وعقبی میں کچھ کام نہ آسکے گی۔اس طرح حضور اکرم ﷺ نے انسانی فکر کو جو پابجولاں تھی آزادی بخشی اسکے لئے آپ نے اور آپ کے اصحاب نے وہ ایثار وقربانی کا نمونہ پیش کیا جس کا تصور بھی آسان نہیں ہے اس لئے کہ انسان عظیم تھا، اس کی فکر عظیم تھی، وہ انسانوں کو یعنی عظمتوں کو پامال کرتے ہوئے دیکھ کر کڑھتے تھے تڑپتے تھے اور ہر طرح کی قربانی پیش کرتے تھے ﷺ

فکر کا سرچشمہ دل ودماغ کو قرار دیا جاتا ہے تمام اعضاء وجوارح پر دماغ کی حکمرانی ہے لیکن دماغ پر حکمرانی دل کی ہے اور دل ودماغ کے حسن امتزاج سے اعلی فکر کا وجود ہوتا ہے، حضور اکرم ﷺ قرآن پاک کی آیتیں پڑھ پڑھ کر اہل فکر ودانش کو متوجہ کرتے رہے، کائنات کی عظیم نشانیوں کا تذکرہ کر کے غور وفکر کی دعوت دی جاتی رہی۔**ولو کان من عندغیرالله لوجدوا فیه اختلافا کثیرا** اور اگر قرآن پاک کا نزول اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سارا اختلاف پاتے۔**افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها** تو کیا قرآن پاک میں فکر وتدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔انسانی وجود میں دل کی اہمیت کو حضور اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا **الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب** (بخاری) سن لو بے شک جسم انسان میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ صالح صحت مند ہوتا ہے تو سارا جسم صحت مند ہوتا ہیاور جب اس میں فساد اور بگاڑ آجاتا ہے تو سارا جسم اسکا شکار ہوجاتا ہے سن لو وہ دل ہے۔دل ودماغ کو اللہ تعالی نے جسم انسانی پر حکمرانی عطا کی ہے ان کے صلاح وفساد سے دیگر اعضا بالفعل متاثر ہوتے ہیں۔اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی صحابہ کرامؓ کا عالم یہ تھا کہ اگر ان سے کوئی چوک ہوجاتی تو جب تک انہیں یہ یقین نہ ہوجاتا کہ اس گناہ سے وہ پاک ہوگئے ہیں ان کی بیقراری کو قرار نہ آتا۔دین کی عظمت انکے دل ودماغ میں اس طرح بیٹھ گئی تھی کہ مال

ودولت کی عظمت اسکے سامنے ہیچ تھی آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص آپ کا گرویدہ تھا آپ کے علم وعمل کا براہ راست داعی بن چکا تھا۔ فکر کو جلا حاصل ہونے کے بعد قول وعمل میں اس کی تنویر خود بخود ظاہر ہونے لگتی ہے۔ قول وعمل کے تعلق سے ارشاد ہوا **یاایھاالذین آمنوا لم تقولون مالاتفعلون کبرمقتا عندالله ان تقولوا مالاتفعلون** اے ایمان والو کیوں تم وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو باعث غضب ہے اللہ کے نزدیک یہ بات کہ تم کہو وہ جو کرتے نہیں ہو۔ ایک موقع پر حضرت عقبہ ابن عامرؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور نجات کی سبیل کیا ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا **املك علی لسانك** اپنی زبان پر قابو رکھو۔ حدیث میں یہ بھی وارد ہے اعضاء جسمانی ہر صبح زبان کی خدمت میں عرض گذار ہوتے ہیں کہ خدا کے لئے تم صحیح رہنا کج نہ ہونا تو ہم سے صحیح وراہ مستقیم پر گامزن رہیں گے۔ زبان ہی ہے جس سے انسان پھول بھی برساتا ہے اور کانٹے بھی بکھیرتا ہے، اللہ نے زبان میں ایسی تاثیر دی ہے کہ اس کے لفظ سے سمندر کے برابر پانی تلخ وکڑوا ہو جائے اور اس کا ایک بول وجود انسانی میں ایسا رس گھول دے کہ ہر بن مو سے شیرینی ٹپکتی ہوئی محسوس ہو، لیکن زبان اسی فکر کی پابند ہے جو ذہن انسانی قلب انسانی کی تحریک پر وجود میں لاتا ہے وہ اصیل ہے تو یہ بھی اصیل ہے عمل میں نور فکری تنویر کے بغیر ممکن نہیں اسی لئے فرمایا گیا ہے **الذین آمنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنات الفردوس نزلا** جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے ان کے لئے فردوس بریں میں مہمانی ہے، حضور ﷺ نے جہاں زبان کو لغویات، خرافات، افترآت کذبیات سے پاک رکھنے کا حکم دیا وہیں حسن وعمل کی تلقین کی۔ اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا۔

قرآن بھی شاہد ہے خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسن عمل سے

حسن عمل کے بغیر انسان کی زندگی ایک پلید ہے۔ ابنائے جنس ہی پر وہ بار نہیں بلکہ فضائے بسیط میں اس کا وجود تعفن کی آماجگاہ بن جاتا ہے حسن قول کے ساتھ حسن عمل کی تاکید یوں بھی کی گئی

ہے **ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین** اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھا عمل کرے اور کہتا رہے میں تو مسلمان ہوں۔ مسلمان قول وعمل کا دھنی ہوتا ہے اس کی زبان نہ ہرزہ سرائی یا وہ گوئی سے آلودہ ہوتی ہے اور نہ ہی عمل کے میدان میں اس کے پاؤں کو لغزش ہوتی ہے۔ وہ داعی ہے۔ فکر وعمل وقول کے حسین امتزاج کے ساتھ اس کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔ حسن عمل کی دولت جسے نصیب ہوجائے تو دنیا اور آخرت کی کامیابیاں مل گئیں لیکن حسن عمل حسن عمل اس وقت ہے جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں۔ وہ عمل خالص لوجہ اللہ ہو، نیت میں کوئی کھوٹ نہ ہو، ورنہ بڑے سے بڑے عمل کی اللہ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ دوسرے وہ عمل سنت رسول ﷺ کیمطابق ہو اگر کوئی عمل نیت خالصہ کے ساتھ کیا جائے لیکن وہ حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق یا آپ کے ارشادات کی روشنی میں نہ ہو تو اس عمل کی کوئی حیثیت نہیں۔ نماز کوئی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرے لیکن نیت ریا ودکھاوے کی ہے تب بھی غلط اور اگر خشوع وخضوع اور خلوص نیت کیساتھ تو ہے لیکن طہارت کا اہتمام نہیں یا قبلہ کیطرف رخ نہیں یا تعداد رکعت میں اضافہ یا کمی کے ساتھ پڑھی گئی تو وہ نماز بھی رد کردی جائے گی۔

اسی طرح ہر کام ہر قول اور ہر فکر پر یہ چیز صادق آسکتی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت کے آئینہ میں ہمیں اپنے ان مظاہر ثلاثہ کو بغور دیکھنا چاہئے۔ آیا ان پر کوئی داغ ودھبہ تو نہیں لگ رہا ہے، دنیا بھر میں ہم مسلمان حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے بڑے بڑے جلسے سیمینار کوئز وغیرہ کرتے ہیں اگر وہ اس فکر وروح سے خالی ہیں تو ان کی حیثیت دینی مجروح ہوجائیگی اور کل کہیں اپنے اعمال کا حساب ہمارے لیے پابہ زنجیر ثابت نہ ہو۔

اللھم ارزقنا اتباع حبیبک محمد ﷺ کما تحب وترضی

☆☆☆

پُرامن بقائے باہم کے لئے معاہدہ
اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

اسلام امن کا داعی اور محرک ہے، حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ دنیا کو جو سب سے بڑا تحفہ ملا وہ انسانیت کی قدر و قیمت کا حقیقی شعور ہے، آپ کے مثالی کردار نے باہمی زندگی کو نفرت، حسد، عداوت اور باہمی لڑائی جھگڑوں کے دلدل سے نکال کر محبت، الفت، رواداری، مروت، سیر چشمی اور بلند کرداری کی چوٹی پر پہنچا دیا، آپ ﷺ نے پرامن بقائے باہم کا مؤثر درس دیا، وہ قوم جس کی زندگی عناد سے عبارت تھی، جس کا طرۂ امتیاز کبر و نخوت و پندار کو ہر ممکن طریقے سے فروغ دینا تھا، دوسرے کی تذلیل و توہین جس کا قومی مزاج تھا، اس قوم کی زندگی کے متعلق نقطۂ نگاہ کو آپ نے حکمت و بصیرت کے ساتھ یکسر بدل دیا، لہٰذا ان کی اخلاقی زندگی میں انتقام کے بجائے عفو و کرم، غرور نفس کی جگہ عجز و انکساری، قتل و غارت کی جگہ امن و آشتی اور خدمت خلق زندگی کی بلند قدریں شمار ہونے لگیں اور ایک خدا کی بندگی اور آخرت کی جوابدہی کے گہرے شعور نے ان کی زندگی کو معنویت عطا کی اور وہ اپنے پندار کے صنم کدہ کو توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ آہستہ آہستہ تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف آرہے ہیں، وہ جنگ اور باہم متحارب قبائل کی سطح سے بلند ہو کر ایک قوم و ملت اور جماعت بن گئے ہیں، وہ قوم باہمی رنجشوں کو دور کر کے محبت آشنا ہوگئی، ہمدردی، بہی خواہی ان کا شعار بن گیا، اس عظیم تبدیلی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پرامن بقائے باہم کی سوغات عام کرنے کے لئے جنگ جویانہ روش رکھنے والے قبائل سے معاہدے کیے گئے تاکہ بقائے باہم کی معنویت اجاگر ہو سکے، بقائے امن کے متعلق آپ ﷺ کی حکیمانہ سیاست کا انداز اس امر سے لگایئے

کہ جب ۸ھ میں آپ مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ کے سامنے وہ لوگ آئے جنہوں نے آپ اور آپ کے جانثار ساتھیوں کو برابر تیرہ سال تک ستایا تھا لیکن جب وہ آپ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی سلوک کرنے والا ہوں، جو میری بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ 'آج کے دن میری جانب سے تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے، اللہ تمہارا قصور معاف فرمائے وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا' جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو'۔

معاہدہ کے شرائط :

نجران یمن کی سبز پوش پہاڑیوں سے گھرا ہوا زرخیز علاقہ جہاں عیسائیوں کی غالب آبادی تھی، مدینہ منورہ میں ان کا وفد آیا تو آپ نے ان کا استقبال کیا اور اسلام کو سمجھنے کا موقعہ دیا، نہ ان پر کوئی دباؤ ڈالا اور نہ ہی کوئی دھمکی دی بلکہ ان کی خواہش کے مطابق وہ معاہدہ کیا جس میں یہ دفعات شامل تھیں۔

(۱) ہرگز ہرگز ان (عیسائیوں) کو رسوا نہیں کیا جائے گا۔

(۲) انہیں فوجی خدمات انجام دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۳) ان پر صرف عدل وانصاف کی حکمرانی ہوگی۔

(۴) ان کے مال ودولت، ان کے مذہب اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ جنگ وخونریزی سے بچنے کے لئے مسلمان دوسری قوموں سے امن کا معاہدہ کر سکتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انسان کو پرامن بقائے باہم کا پہلا قانون اور مؤثر درس رسول کریم ﷺ نے دیا ہے، یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مسلم اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات بنیادی طور پر جنگ پر نہیں امن پر مبنی ہیں، جنگ صرف ایک عارضی صورت ہے جسے صرف اس وقت روا رکھا گیا ہے جب مسلمان جارحیت

کا شکار بن جائیں، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ نیز دوسرے فقہائے اسلام کے یہاں جنگ کا سبب کفر یا اسلام کا انکار نہیں بلکہ جارحیت ہے، دوسرے یہ کہ جنگ کا مقصد جارحیت وفتنہ وفساد کو روکنا ہے، تیسرے یہ کہ مسلمان دوسری امن پسند قوموں کے ساتھ امن کے معاہدے کر سکتے ہیں، لیکن معاہدہ انصاف، اخوت اور اخلاقی اصولوں پر ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ یہ معاہدے کامیاب رہے اور عام لوگ خوف وہراس کے بجائے امن وسکون کی فضاء میں زندگی بسر کرنے لگے، اضطرار اور بدامنی کا دور جو تقریباً فتح مکہ تک جاری رہا اپنے اختتام کو پہنچا، حجاز میں بدامنی کا عالم یہ تھا کہ آدمی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک سفر کرتے ہوئے ڈرتا تھا، خانہ کعبہ کے علاوہ ہر جگہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا خطرہ موجود تھا قرآن پاک میں ارشاد ہے 'ہم نے ان کے لئے حرم کو دارالامن بنایا اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ حرم کے چاروں طرف سے آدمی اچک لئے جاتے تھے (عنکبوت) لیکن رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ اور دوررس سیاست (تدابیر امور) سعی پیہم سے پھر وہ وقت آیا کہ آپ کی پیشن گوئی پوری ہوئی۔ آپ نے فرمایا تھا 'ایک وقت آئے گا جب صنعاء یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا'

نبویؐ معاہدوں کی کامیابی کا راز :

چنانچہ ایسا زمانہ آیا، ان نبوی معاہدوں کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ ان میں اخلاقی روح کام کر رہی تھی، اور زندگی کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے انسان کے نقطہ نظر کو بدل دیا تھا، لیکن ان معاہدوں کے برعکس جب کبھی تاریخ میں فاتح قوموں نے خوف خدا اور اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہو کر مفتوح قوموں کو اپنے ظالمانہ معاہدوں کا پابند بنایا تو وہ ایک دوسری خوفناک جنگ کا موجب بنے۔

صلح حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے سب سے بڑے دشمن سے وہ تاریخی معاہدہ کیا جسے قرآن پاک نے فتح مبین قرار دیا ہے، رسول اکرم ﷺ کے پیغمبرانہ کردار کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سویڈن کے معروف مستشرق ٹور اندرے (Tor Andree) لکھتے ہیں، ضبط نفس جس کا

مظاہرہ حضرت محمد ﷺ نے حدیبیہ میں کیا ایسے ہی ایک بلند نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا حوصلہ اور ہمت یہ صفات بتاتی ہیں کہ آپ بے مثال اور منفرد اہلیت کے حامل تھے، واقعہ یہ ہے کہ آپ کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمام کار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لئے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے۔

مسلمانوں میں اخوت و بھائی چارگی کے رشتوں کو مستحکم کرنے اور بدامنی وخونریزی کو روکنے کے لئے رسول اللہ نے جو معاہدے مرتب کئے وہ تاریخ کے ایسے انوکھے معاہدے ہیں جن میں سیاست اور اخلاق دونوں ساتھ چلتے ہیں ان سے امن وآشتی کے لئے کام کرنے والوں کو ہمیشہ نیا عزم وحوصلہ ملتا رہے گا۔

☆☆☆

تجارتی سرگرمیاں اور اس کے اصول وضوابط
سیرت نبویؐ کی روشنی میں

تجارت ایک معزز پیشہ ہے جس سے صارفین کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، ہر دور کے معززین نے اس پیشہ کو اختیار کیا ہے، قبل از اسلام بعض انبیاء علیہم السلام بھی تجارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں تو ایکسپورٹ، امپورٹ کا کاروبار بہت مستحکم تھا، اس کے لئے بحری بیڑے تیار کیے گئے تھے، محافظین کا مخصوص دستہ بھی ہوتا تھا جو تجارتی سامانوں اور تاجروں کے تحفظ پر مامور ہوتا تھا، بیرونی تجارت کے لئے دور دراز کے علاقوں میں تجارتی ایجنٹ بھی مقرر کیے جاتے تھے، بحیرہ روم وخلیج فارس میں مشہور تجارتی بندرگاہیں قائم تھیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام خاص طور پر ایسی قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے جس کا آبائی پیشہ سوداگری تھا، تجارت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ذہنی کجی، فکری الحاد اور ضلالت وگمرہی اور مادی زندگی میں باہم مسابقت نے انہیں استحصال کی نئی نئی راہوں پر ڈال دیا تھا، ناپ تول میں اس طرح کمی بیشی کرتے کہ دیکھنے والے کو شبہ بھی نہ ہوسکتا تھا، تطفیف یعنی ناپ تول میں کمی کو جائز ہی نہیں بلکہ ہاتھ کی صفائی آرٹ اور ماہرانہ فن باور کرتے تھے۔

اہل عرب خصوصا قریش مکہ کا ہر فرد تاجر تھا ان کی تجارت بھی ملک شام اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی، اس کا دائرہ مصر، ہندوستان اور ان نیز وسط ایشیاء کے دیگر ممالک تک پہنچا ہوا تھا، قرآن پاک میں قریش کے موسم سرما اور گرما کے تجارتی سفروں کا تذکرہ موجود ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے 'لایلف قریش ایلافهم رحلة الشتاء والصيف، فليعبدوا رب هذا

البیت الذی اطعمھم من جوع وآمنھم من خوف ' چونکہ قریش خوگر ہوتے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے لہٰذا (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف میں انہیں امن عطا کیا۔

عربوں کے تجارتی قافلے بحرین براعظم افریقہ (مصروسوڈان) ایران اور دنیا کے دیگر ممالک کی طرف جاتے تھے، عربوں کے تجارتی قافلے جب بیرونی ممالک جاتے تو ان کے ہمراہ محافظین کے ساتھ دلیل وگائیڈ بھی ہوتے تھے جو نازک موقعوں اور معاملے میں ان کی رہنمائی کرتے تھے، تجارتی مواصلات میں اونٹ کو اہمیت حاصل تھی، وہ صحرا کا جہاز تھا، جس کے ذریعہ تجارتی مال منگوایا جاتا اور دیگر ممالک میں بھجوایا بھی جاتا تھا، مکہ مکرمہ میں عکاظ کا میلہ لگتا تھا، یہ ایک تجارتی میلہ تھا ،۱۲۹ھ تک یہ میلہ لگتا رہا، اس دور کی مشہور تجارتی منڈیاں مندرجہ ذیل تھیں، مثلاً دومۃ الجندل، ہجر، صحار، ریا، شجر، عدن، صنعاء، رابیہ، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، بصری وغیرہ۔ مندرجہ ذیل ممالک سے مندرجہ ذیل اشیاء منگوائی جاتی تھیں۔ یمن سے ریشم، عدن سے قیمتی کپڑا، جنوبی یمن سے خوشبوئیں، گرم مصالحہ جات، جڑی بوٹیاں، دیگر قیمتی اشیاء، ہندوافریقہ سے عطریات، خوشبوئیں، گرم مصالحہ جات، ہاتھی دانت وغیرہ، شام سے سامان تعیش، اناج اور تیل، مصر سے متفرق اشیاء روم سے ریشم، روئی، مخمل اور نفیس کپڑے۔

حضور اکرم ﷺ بحیثیت تاجر :

حضور ﷺ نے جس زمانہ میں آنکھ کھولی چاروں طرف مادیت کا غلبہ تھا، تجارت زوروں پر تھی، اس کی سرگرمیاں شباب پر تھیں، حضور اکرم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ خود بھی تاجر تھے، اور جس وقت ان کا انتقال ہوا اس وقت شام کی طرف تجارت ہی کی غرض سے گئے ہوئے تھے، حضور ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ بیرونی تجارتی اسفار بھی کئے۔ اور جب عمر شریف بیس سے اوپر ہوئی تو تجارتی اسفار بطور شرکت مضاربت کے آپ ﷺ نے کیے، حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا مکہ

مکرمہ کی سرمایہ دار خاتون تھیں، ان کا مال لے کر آپ نے شام کا سفر کیا، اور تجارتی سوجھ بوجھ اور امانت و دیانت کی وجہ سے اس تجارت میں خوب فائدہ بھی ہوا، جس سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے اپنی سہیلی حضرت نفیسہؓ کو نکاح کا پیغام دے کر بھیجا اور آپ نے قبول فرمایا، اس وقت آپ کی عمر شریف پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی عمر چالیس سال تھی، حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے کاروبار کو حضور ﷺ نے باحسن وجوہ سنبھالا ہی نہیں بلکہ فروغ دیا، یہاں تک آپ کو سارے جہاں کے انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا۔

حضور ﷺ کے معتمد علیہ اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اچھے تاجر تھے، کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، حضرت عمر کی تجارت ایران سے تھی، اور حضرت عثمانؓ کا کاروبار تھوک کا تھا، اشیاء خوردنی ان کا خاص کاروبار تھا، مصر سے غلہ منگایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں بڑی برکت دی تھی، ایک دفعہ قحط پڑا تو حضور ﷺ کے حکم پر ہزاروں من غلہ قحط رسیدہ لوگوں میں تقسیم کرایا اور بئر رومہ کو ۳۵ ہزار درہم میں خرید کر کے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ ایک کامیاب تاجر تھے، اپنی تجارت کا معتد بہ حصہ تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

مسلمانوں کی تجارتی دلچسپیاں روز بروز بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں ابوالقاسم ابن خرداذبہ نے بحری اور بری تجارت کے لئے راستوں کا تعین کیا اور تجار کے لئے 'دلیل المسافرین' کتاب تیار کی، مسلمان تجارت کے لئے جہاں بھی گئے، اپنی دیانت، امانت، مروت اور اخلاق فاضلہ کے بموجب وہاں کی پوری سوسائٹی پر چھا گئے، وہ پہلے داعی تھے، بعد میں تاجر، اس کا اثر یہ ہوا کہ جہاں انہوں نے تجارتی کامپلیکس بنوائے وہاں دین کی اشاعت کے لئے مراکز بھی قائم کیے، اور ان کی جدوجہد سے پورا پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، جنوبی ہند کا بیشتر حصہ، مالدیپ، لکش دیپ کے جزائر، انڈونیشیا، ملیشیا میں اسلام انہیں باکردار تاجروں کا رہین منت ہے۔

ایک بزرگ صحابی حضرت وہب ابن ابی کبشہؓ چین کے بادشاہ کے پاس بطور سفیر گئے اور

وہیں رحلت فرمائی، پروفیسر آرنلڈ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب 'دی پریچنگ آف اسلام' میں لکھا ہے کہ 'اسلام تجارت کے ذریعہ اور تبلیغ کے ذریعہ پھیلا نہ کہ تلوار کے ذریعہ۔

تجارت کی فضیلت :

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'علیکم بالتجارة فان فیها تسعة اعشار الرزق ' تجارت کرو اس میں رزق کا ۹/۱۰ حصہ ہے۔ ایک جگہ اور ارشاد فرمایا 'جو تاجر مشقت اٹھا کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک اناج لے جاتا ہے اور اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرتا ہے اس کا درجہ اللہ عزوجل کے یہاں شہید کا سا ہے' حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشهداء یوم القیامة' (سنن ابن ماجہ ج ۲ رص ۷۲۴) تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی، سچا امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

تجارتی ضوابط :

حضور اکرم ﷺ نے تاجروں کے لئے تجارتی ضوابط بھی مقرر فرمائے، سورہ نساء میں ہے 'ان الله کان علیکم رقیبا' بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ لہذا تاجر کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے واقف ہے اور اسے قیامت کے دن جوابدہ ہونا پڑے گا، لہذا وہ ہر قسم کی بدعہدی، بے ایمانی، جھوٹ سے باز رہے، حضور ﷺ نے ایک تاجر کو گیہوں کا ڈھیر لیے بیٹھا ہوا پایا، غلہ منڈی سے آپ کا گذر ہو رہا تھا، آپ نے اس ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے گیہوں بھیگا ہوا تھا، آپ نے فرمایا کہ ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ بارش کی وجہ سے گیہوں بھیگ گیا تھا اس لئے اس کو اندر کر دیا اور اس کے اوپر خشک گیہوں ڈال دیا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'من غش فلیس منا (جامع ترمذی ج ۱ رص ۱۵۷) جو کسی کو دھوکہ دے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ گویا وہ طریقہ نبوی پر نہیں ہے، مسلم سماج سے خارج ہے، کتنی شدید وعید یہ اس تاجر کے لئے جو کاروبار میں کسی قسم کی دھوکہ دہی سے کام لیتا ہو۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت :

مشکوۃ شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے ’من احتکر اربعین یوما یرید بہ الغلاء فقد بری من اللہ وبری اللہ منہ (مشکوۃ ج ۱ ص ۲۵۱) جس نے اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی چالیس روز تک کیے رکھی (یعنی صارفین کو شدید ضرورت کے باوجود وہ اشیاء نہیں پہنچ سکیں) اللہ تعالی اس کی ذمہ داری سے بری ہوں گے۔ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ’الجالب مرزوق و المحتکر ملعون (مشکوۃ ج ۱ ص ۲۵۱) سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ذخیرہ اندوز کا غلہ جلادیا تھا،مسلم شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ’من احتکر وھو خاطی (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱) جو شخص ضرورت کے باوجود اس غرض سے غلہ جمع کر کے روک لے کہ نرخ بڑھنے پر بیچے گا تو وہ خطا کار ہے۔

حرمت سود :

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ’من اکل الربا بعث یوم القیامۃ مجنونا یتخبط (ترغیب وترہیب) سود خور قیامت کے دن پاگل اٹھایا جائے گا۔(ابوداؤد) ابن ماجہ میں ہے ’وعن ابی ھریرۃؓ قال :قال رسول اللہ ﷺ الرباسبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امہ (رواہ البیہقی الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲) حضرت ابوہریرہؓ نے ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کا گناہ ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ گناہ یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے،علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے ۔۔۔ سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

ناپ تول میں کمی :

سورۃ المطففین میں ارشاد ہے ’ ویل للمطففین الذین اذاکتالوا علی

الناس یستوفون واذا کالوھم اوزونوھم یخسرون (سورۃ المطففین) ہلاکت ہے ان کے لئے جوناپ تول میں کمی کرتے ہیں یہ لوگ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں یا وزن کم کرتے ہیں تو کم تولتے ہیں۔

قسمیں کھانا :

حضرت عبید ابن رفاعہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'ان التجار یبعثون یوم القیامة فجارا الا من اتقی اللہ وبروصدق (جامع ترمذی ج ا رص ۱۴۵ ارابو عیسیٰ بن سورۃ الترمذی) قیامت کے دن تاجروں کا حشر نافرمانوں کے ساتھ ہوگا مگر جو تاجر اللہ تعالی سے ڈرتا ہو، حرام سے بچے، جھوٹی قسم نہ کھائے اور سچ بولے تو اس کا حشر فاجروں کے ساتھ نہیں ہوگا۔

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'من باع عیبا لم یبینہ لم یزل فی مقت اللہ اولم تزل الملئکة تلعنہ (مشکوۃ ج ا ص ۲۴۹) جو شخص عیب دار چیز بیچے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے تو وہ ہمیشہ اللہ تعالی کے غضب میں رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا 'الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبرکة (مشکوۃ ج ار) جو شخص قسم کھا کر سامان بیچے تو اس کا سامان بہت جلد فروخت ہوجاتا ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے 'رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع وسمحا اذا اشتری وسمحا اذا اقتضی '(رواہ البخاری' مشکوۃ ج ارص ۲۴۳) اللہ تعالی اس شخص پر مہربانی کرتا ہے جو خرید وفروخت اور قیمت وصول کرنے میں نرمی و سہولت اختیار کرے۔

حقیقت ہے کہ 'اسلام میں جس طرح عبادات وفرائض پر زور دیا گیا ہے اسی طرح کسب حلال اور طلب معاش کو بھی اہمیت دی گئی ہے، آج سے چودہ سو سال قبل حضور ﷺ نے فرمایا تھا

'علیکم بالتجارة فان فیها تسعة اعشار الرزق 'اورعجیب بات یہ کہ آج کی مہذب ترقی یافتہ دنیا میں نبی کریم ﷺ کا قول مبارک بے غل وغش ستارے کی طرح دمک رہا ہے، دنیا کی وہی قومیں آج ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں جو تجارت میں آگے ہوں، خود نبی کریم ﷺ نے تجارت کو بطور پیشے کے اپنایا اور آپ کے اکثر و بیشتر صحابہؓ کا محبوب مشغلہ بھی تجارت ہی تھا، امت کے لئے حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسوہ حسنہ موجود ہے، اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کی پاک زندگیاں ہمارے لئے معیار حق ہیں، تجارت کی یہ فضیلتیں اور تاجروں کے یہ سارے مرتبے جو قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں، حکم کے اعتبار سے عام نہیں بلکہ ضروری ہیں کہ تجارت میں ہر قسم کی فریب کاری، احتکار، جھوٹ، استحصال، مکاری، ملاوٹ، سٹہ اور ان ناپسندیدہ عناصر سے پاک ہو جو اس مقدس ترین پیشہ کو ناپاک بنا دیتے ہیں۔

☆☆☆

کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر

حضرت عمران ابن حصینؓ فرماتے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی عضباء اصلاً بنوعقیل کے ایک آدمی کی تھی جسے مسلمانوں نے قید کر کے اس سے اس کی اونٹنی چھین لی تھی، وہ رسیوں سے بندھا ہوا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا، آپ ﷺ گدھے پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر پر ایک چادر پڑی تھی، اس نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا اے محمد مجھے کس جرم میں قید کیا گیا ہے، اور سفر حج میں استعمال ہونے والی اس اونٹنی کو آپ لوگوں نے کیوں پکڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے حلیف اور اتحادی قبیلہ بنوثقیف کی ایک سنگین غلطی کی وجہ سے ہم نے تمہیں پکڑا ہے، راوی کہتے ہیں کہ بنوثقیف نے اللہ کے رسول ﷺ کے دو صحابیوں کو گرفتار کر لیا تھا، اس شخص نے دوران گفتگو یہ کہہ کر بھی اپنی رہائی کی کوشش کی کہ میں مسلمان ہوں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم گرفتار ہونے سے پہلے اس کا اظہار کرتے تو بچ جاتے، لیکن اب وقت نکل چکا، ہم فدیہ کے بغیر تمہیں آزاد نہیں کریں گے، اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھنے لگے تو اس نے کہا اے محمد میں بھوکا پیاس ہوں کچھ کھانے پینے تو دے دیجئے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہاں تمہاری یہ بات قابل توجہ ہے، پھر ان دو مسلمانوں کی رہائی کے عوض اسے آزاد کر دیا گیا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے عضباء کو اپنی سواری کے لئے اپنے پاس ہی رکھا، پھر ایک روز کفار مدینہ کے مویشیوں پر حملہ کر کے انہیں لے گئے، جس میں اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی عضباء بھی تھی، وہ لوگ ایک مسلمان عورت کو بھی اپنے ساتھ قید کر کے لے گئے، وہ جب کہیں پڑاؤ کرتے تو اونٹوں کو اپنے قریب ہی باندھتے تھے، ایک رات جب سب سو گئے تو وہ عورت چپکے سے اٹھ کر اونٹوں کی طرف چل دی، وہ جب بھی کسی اونٹ کے پاس پہنچتی وہ بلبلانا شروع کر دیتا تھا، لیکن جب وہ عضباء کے پاس پہنچتی تو وہ توقع کے بالکل خلاف ایک مانوس اور سدھائے ہوئے جانور کی طرح ایک دم خاموش کھڑی رہی، یہ دیکھ کر وہ عورت اس پر سوار ہوئی اور اسے مدینہ کی طرف ہانک دیا اور یہ نذر مانی کہ اگر اللہ

تعالیٰ نے اسے ان ظالموں سے بچالیا تو وہ اللہ کے لئے اس اونٹنی کو ذبح کردے گی۔

جب وہ مدینہ پہنچی تو لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی ہے تو اس نے آپ ﷺ سے اپنی نذر کا تذکرہ کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا، واہ بھئی! تم نے بھی اسے خوب بدلہ دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ تمہیں بچایا اور تم ہو کے اسے مار ہی دینا چاہتی ہو، پھر آپ نے فرمایا: لا وفاء لنذر فی معصیة الله ولا فیما یملك ابن آدم' (نہ گناہ کے کام کے لئے مانگی گئی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے، اور نہ کسی دوسرے کے مال کے سلسلہ میں مانی گئی منت کی تکمیل ضروری ہے) (مسند احمد ۴۔۴۳۰، ۴۳۳، ۴۳۴)

فائدہ: اس سے ہمیں یہ فائدہ ملتا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کرنا چاہئے۔

اللہ کے نبی ﷺ حد درجہ متواضع اور رحم دل تھے کہ ایک قیدی کے اس طرح گستاخانہ انداز میں پکارنے پر بھی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

ہم ظاہر کے مکلف ہیں باطن کا حال اللہ جانے

کسی شخص کو اس کے حلیف یا ماتحت کے جرم میں پکڑا جاسکتا ہے۔ قید ہونے کے بعد قبول اسلام غلامی کے منافی نہیں ہے یعنی اگر کسی کافر نے قید میں اسلام قبول کیا ہے تو اسے غلام رکھا جاسکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسے بطور احسان معاف کردیا جائے۔

اس واقعہ سے ایک مسلم خاتون کی شجاعت اور حسن تدبیر کا بھی علم ہوتا ہے۔ گناہ کے کام کی منت مانی جائے تو پوری نہیں کرنی چاہئے۔ دوسرے کے مال میں نذر ماننا جائز نہیں۔ اس واقعہ میں ان فقہاء کے لئے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نذر معصیت کا کفارہ نہیں ہے۔

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عضباء اور قصواء الگ الگ اونٹنیاں تھیں، اس لئے کہ قصواء وہ اونٹنی ہے جس پر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی۔ (شرح الزرقانی علی المواھب: ۳: ۳۹۰)

یہ بات مومن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی کے ساتھ احسان کے بدلے میں بدسلوکی کرے، خواہ وہ محسن جانور ہی کیوں نہ ہو، اللہ کے نبی ﷺ بڑے مہربان اور نرم دل تھے کہ ایک اونٹنی کے ساتھ ناانصافی بھی گوارہ نہیں فرمائی۔ ☆☆☆

معاشرہ کی تربیت واصلاح اسوہ نبویؐ کی روشنی میں

اصلاح وتربیت کا کام سب سے پہلے اہم اورضروری کام ہے، مقاصد کی تکمیل ،نوعی افادیت اور تضادات وتنوع کے باوجود توافق وہم آہنگی کی اصلاح وتربیت سے وابستہ ہے، معاشرہ کسی فرد کا نام نہیں، بلکہ افراد کی حیثیت سے اس میں ان بنیادی اینٹوں کی ہے جن سے کوئی عمارت تعمیر کی جاتی ہے، اگر اینٹیں پختہ ہوں اور انہیں تناسب سے باہم جوڑ دیا جائے، میٹریل اعلی درجہ کا استعمال کیا جائے، اورضرورت کی تمام چیزوں کو تناسب سے فراہم کیا جائے، کسی وقتی جوش وجذبہ کے بجائے بتدریج اور منصوبہ کے مطابق تعمیر کا کام جاری ہے، تو ایک دن ایک خوبصورت بلکہ مثالی اور مستحکم عمارت تیار ہوجائے گی، اسی طرح اگر معاشرہ کے افراد عقیدہ، عمل، اخلاق، معاملات اور تعلیم و تربیت کے مرحلہ سے گزر کر پختہ ہوچکے ہوں اور مسلسل یہ عمل جاری ہوتو معاشرہ مثالی وجود میں آسکتا ہے، دنیا کے تمام مصلحین، مجددین اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام معاشرہ کی بگڑتی ہوئی حالت ہی کو سلجھانے کے لئے اپنے اپنے دور میں کوشاں رہے اور نوع انسانی کی بقا اور اصلاح وفلاح کے لئے اپنی ساری کوششیں صرف کرتے رہے، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں حضورﷺ کا کام اور دعوت و اصلاح میں آپ کی ہمہ گیر اور جامع کوششیں انقلابی اثرات کے اعتبار سے سب سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، لیکن یہ کیسے ہوا، کیوں کر ہوا، کس دور میں ہوا، حضور کے سیرت مبارکہ کے اہم ابواب ہیں، ایک جاہل وناخواندہ قوم جس میں مشکل سے چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، جو قوم تہذیب وتمدن کے مراکز سے بہت دور اور بے پروا تھی، جنہوں نے شان وشوکت کا ایسا مظاہرہ بھی نہیں دیکھا تھا جو اہل روم وایران اس دور کی دو متمدن حکومتوں کا طرہ امتیاز بن چکا تھا، قتل وغارت گری جن کا شیوہ تھا، عورت کی بے وقعتی کے لئے یہ کافی ہے کہ اسے زندہ سلامت چھوڑ دینا بھی گوارہ نہ تھا، بچی کی صورت میں اسے درگور کرکے اپنی نخوت وپندار کی لو کو تیز کرنے کا سامان کیا جاتا تھا، مال کی صورت میں کبھی

کبھی وراثت کا ایک حصہ بن کر کسی بیٹے کی ملکیت میں اسے منتقل ہونا پڑتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک برائی تھی جس کے شر سے معاشرہ بوجھل تھا، اور اس سے چھٹکارا پانی کی مختلف خود ساختہ تدبیریں کی جارہی تھیں، عقیدہ کا حال یہ تھا کہ غیر اللہ کا جال بچھا ہوا تھا، گزرا ہوا فرد مقدس الہ کا درجہ رکھتا تھا، پھر اس کی تصویریں بن جاتیں اور مجسمے نصب کردیے جاتے، اللہ کے مقدس گھر کعبہ میں تین سو ساٹھ بت ہر سائز اور ہر موقع کے براجمان تھے، خالق کون ومکان کو فراموش کردیا گیا تھا، چنانچہ انسان جو اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے نتیجتاً خود فراموشی میں مبتلا ہو چکا تھا۔

لیکن آپ کی آمد ناز اور بعثت سرمدی کی برکت سے ایسی بہار آئی کہ فصل خزاں بہار آفریں بن گئی، کنکروں اور پتھروں سے ڈرنے والے بڑی بڑی حکومتوں سے ٹکر لینے لگے، اور ان سے اس طرح کی بات کرنے لگے گویا وہ مٹی کی مورت اور کاغذ کے کھلونے ہیں۔

اللہ واحد پر ایمان ویقین نے انہیں بے خوف بنادیا اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت کے اثر سے سارے جہاں کے وہ معلم گردانے گئے، انتشار وانارکی فضا میں بے اطمینانی کی سانس لینے والے، انتظام وانصرام اور قوت اور استحکام میں ایسے آگے بڑھے کہ درائی وجہاں بانی میں ان کا ثانی نہ ہوا، اخوت، مساوات، محبت، انسجام، راستی وصداقت، صلح وآشتی، خیر خواہی، بہی خواہی، جواں مردی، جاں بازی، جانثاری اور جاں سپاری کے وہ نمونے پیش کیے جن کے تذکرے آج بھی آنکھوں کو ٹھنڈک دل کو قرار اور روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے، آپ کی تربیت میں رہنے والے ایسے تھے کہ آج بھی انہیں حق وباطل کا معیار سمجھا جاتا ہے، ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے، **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین**، ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم**، میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے کسی طرح مجموعی اقتدا تمہارے لئے ہدایت کا سامان ہے کہیں ان کے حق میں لافانی نغمہ سنایا گیا **اعلموا ماشئتم** جو تم چاہو کرو، ان کی ذات پر اعتماد کی ایک بین دلیل ہے۔ ☆☆☆

دوستوں سے بھی محبت دشمنوں سے وفا بھی

حضرت سعدؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اہل مکہ کو امان دے دی، صرف چار مردوں اور چھ عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا اور ان کی بابت حکم دیا کہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیے جائیں خواہ بیت اللہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے پائے جائیں، وہ چار مرد حسب ذیل ہیں:

(۱) عکرمہ ابن ابوجہل (۲) عبداللہ ابن خطل (۳) مقیس بن صبابہ (۴) عبداللہ ابن سعد بن سرح

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عبداللہ بن خطل کعبۃ اللہ کے پردہ سے لپٹا ہوا تھا، سعید ابن حریث اور عمار ابن یاسرؓ نے دیکھا تو تیزی سے اس کی طرف لپکے، لیکن حضرت سعیدؓ چونکہ نوجوان اور حضرت عمارؓ سے زیادہ پھرتیلے تھے، لہٰذا پہلے اس تک پہنچ گئے، اور اس کا کام تمام کر دیا، دوسری طرف مقیس ابن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا، عکرمہ کسی طرح بچ بچا کر ساحل کی طرف نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کشتی پر بیٹھ کر فرار ہونا چاہا، لیکن کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ کشتی طوفان میں گھر گئی جب بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا تو کشتی والوں نے کہا کہ سب لوگ ایک خدائے برحق کو پکارو، اس لئے کہ یہاں اس تند و تیز طوفان میں تمہارے معبودان باطل کچھ کام نہ آئیں گے، عکرمہ نے کہا کہ اگر سمندر میں صرف ایک خدا ہی نجات دے سکتا ہے تو یقیناً خشکی میں بھی صرف وہی ایک خدا بچا سکتا ہے، پھر انہوں نے نذر مانی کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ہلاکت خیز طوفان سے بچا لیا تو میں محمد ﷺ کے پاس چلا جاؤں گا اور ان کی اطاعت قبول کر لوں گا، مجھے یقین ہے کہ وہ ایک نرم دل، مہربان انسان ثابت ہوں گے، چنانچہ اپنی نذر کے مطابق وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، آپ ﷺ نے ان کا اسلام قبول فرما کر انہیں معاف فرما دیا، چوتھے اور آخری شخص عبداللہ ابن سعد ابن ابو سرح حضرت عثمان ابن عفانؓ کے گھر چھپ گئے، جب اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے

لئے بلایا تو حضرت عثمان ابن عفانؓ انہیں بھی لے کر آئے اور آپ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا گویا تینوں مرتبہ آپ ﷺ انکار کرنا چاہتے ہوں، پھر چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے اسے بیعت کر لیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی بھی ہوشیار اور سمجھدار ایسا نہ تھا جو مجھے بیعت سے ہچکچاتے ہوئے دیکھ کر اسے قتل کر دیتا، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں کیا معلوم کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے آنکھ سے ہلکا سا اشارہ کیوں نہیں فرما دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات نبی کی شان کے خلاف ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرے۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

مذکورہ بالا حدیث سے ماخوذ فوائد ونتائج :

فتح مکہ اسلام اور مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی تھی جس سے حق غالب اور باطل مغلوب ہو گیا۔ اس واقعہ سے ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ باوجود قدرت اور طاقت آپ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف فرما دیا کرتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ احکامات الٰہیہ کی پامالی اور اس کے استخفاف پر بہت غصہ ہوتے تھے اور مجرموں کے خلاف سخت سے سخت احکامات جاری کرتے تھے، اور یہ سب خاص اللہ کے لئے تھا، اس لئے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے کبھی ناراض نہیں ہوتے، آپ ﷺ کی سیرت اس پر شاہد ہے۔

ایک سچا مومن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی تعمیل کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

دشمنان اسلام کو قتل کرنا بھی جہاد ہے۔

ندامت کے ساتھ توبہ کرنے والوں کو معاف کر دینا چاہئے۔

کسی شہر یا ملک کو فتح کرنے پر ظلم واستبداد اور تشدد واستحصال اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہؓ کی قدر کرتے تھے۔

کسی نیک کام میں سفارش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نبی ﷺ کے متبعین کو بھی آنکھوں کی خیانت زیب نہیں دیتی۔ ☆☆☆

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

زندگی کی شاہراہ میں اسوہ نبوی ﷺ کی رہنمائی :

اولاد کی خواہش فطری ہے، اللہ عزوجل نے اس فطری خواہش کی تکمیل پر کوئی روک نہیں لگائی ہے بلکہ نسلی امتداد قائم رہے اور خدا کی یہ زمین نسل انسانی سے آباد رہے، اس پر معبود برحق نے اس کے حصول کے جائز طریقے بتائے بلکہ اس کو عین عبادت قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی عورتوں سے شادی کرنے کا حکم دیا جن کے خاندان کی عورتیں کثرت سے اولاد جنتی ہوں اور شوہروں سے ان کی محبت مثالی ہو، اسی لئے قطع وضع نسل کے جتنے طریقے ہیں شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ لواطت ہو، یا زنا، استمنا دبالید ہو یا ایسے جدید طریقے اختیار کیے جائیں جن کی وجہ سے حمل قرار نہ پا سکے، اسی وجہ سے نس بندی اختصاء وغیرہ کی اجازت بھی شریعت نہیں دیتی ہے، اور یہ بھی قتل اولاد کی فہرست میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

اولاد اللہ کی نعمت ہے، نوع بشری کا حسین پھول اولاد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے وہ باغ ہی کیا جو پھولوں سے خالی ہو، ہر مالی کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کا باغ پھول و پھل لائے، اور جب اس کے باغ کی ڈالیوں میں پھولوں کے گجرے نظر آتے ہیں تو اس کی باچھیں کھل اٹھتی ہیں، اسی لئے پہلے جب کسی نوجوان کی شادی ہوتی اور اس کی بیوی امید سے نظر آتی تو پورے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی، سسرال اور مائیکے والے اس کے تحفظ کا پورا لحاظ کرتے اور ایک دن وہ آتا جب آنگن میں خوشیوں کی شہنائی بجتی، لوگ مبارکباد پیش کرتے، حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا کہ جب کسی کے یہاں اولاد ہو تو ہم کس طرح مبارکباد پیش کریں، فرمایا جَعَلَهُ اللّٰهُ مُبَارَكًا عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ اللہ اس بچہ کو تمہارے اور امت محمد علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے حق میں

مبارک فرمائے، ان الفاظ میں مبارکباد پیش کرو۔

آج مغربی معاشرہ میں اولاد بوجھ بن گئی ہے، نئے جوڑے ایک عرصہ تک چاہتے ہیں کہ اولاد کے بوجھ سے آزاد رہیں، اس کے لئے ایسی دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں جو اس مقصد کے حصول میں معاون ہوتی ہیں، لیکن بعد میں ایسے لوگوں کو پچھتانا پڑتا ہے، میرے علم میں ایک ایسا واقعہ ہے جو عبرت انگیز ہے، ہمارے قریبی رشتہ داروں میں ایک عزیز کی شادی ہوئی، رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی، سسرال اسی محلہ میں تھی، یہاں بیوی کی ملاقات کا علم سسرال والوں کو نہیں تھا، لیکن مائیکے والے واقف تھے، اسی اثناء میں لڑکی امید سے ہوگئی، لڑکے کو جب معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوا، اور صرف اس لئے کہ اس کے گھر والوں کو معلوم ہوگا، تو وہ اسے اچھا نہیں سمجھیں گے اس نے ایسی دوا کھلا دی جس سے حمل قرار نہ پا سکا اور ضائع ہوگیا، لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد آج تک حمل قرار ہی پا نہ سکا اب مایوس، نڈھال اور کئے پر پچھتانے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، بہت علاج کیا لیکن بے سود، جھاڑ پھونک بھی کرائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ایسے بھی نوجوان ہیں جو شادی کے بعد محض فیشن میں ایسی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور پھر اولاد نہ ہونے پر بیوی کو طلاق دینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، ان کا دوہرا جرم ہے، انہیں خدا کے غضب سے ڈرنا چاہئے، شادی اولاد کے لئے ہوتی ہے، حظ نفس تو اللہ نے اس کے استحکام کے لئے رکھی ہے، تاکی نسلی امتداد قائم رہے، آج مغربی تہذیب نے سوچ کے دھارے بدل دیے ہیں، حظ نفس کو اصل سمجھا یا گیا، جس کی وجہ سے بے مقصدیت شتر بے مہار کی طرح فروغ پاتی گئی، یہاں تک کہ زندگی اجیرن ہوگئی، اللہ کے رسول ﷺ نے امت محمدیہ کی کثرت پر فخر کا اظہار فرمایا ہے اسی میں آپ کی خوشی ہے، اور آپ کی خوشی اللہ عزوجل کی خوشی ہے، اور ایک مسلمان کی معراج یہ کہ اس سے خدا اور اس کا رسول خوش ہو۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

☆☆☆

مسلمانوں کی کامیابی اتباع رسولؐ میں ہے

دنیا وآخرت میں کامیابی کے لیے صرف کوششیں کافی نہیں بلکہ وہ کوشش مطلوب ہے جو ایمان سے عبارت ہو: اور اس کے لیے اس کے مناسب کوشش کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۹)

کامیابی کے لیے آیت کریمہ میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ کوشش اس کے منصوبے اور عمل کے حجم کے مطابق ہو، دوسری شرط یہ کہ کوشش کرنے والا آخرت پر یقین رکھتا ہو، معلوم ہوا کہ اگر صاحب ایمان ہو لیکن کوشش اپنے اصل طریقہ کے مطابق نہ ہو تو ضرر لاحق ہوگا، اور یہ ضرر نقد ہوگا۔ اس لیے کہ دنیا مزرعۃ الآخرہ (آخرت کی کھیتی) ہے اور مومن کی منزل مقصود آخرت ہے، سنت طریقہ سے ہٹ کر اگر اس نے آخرت طلب کیا تو دنیا کا بھی ضرر ہے اور آخرت کا بھی، اور اگر صرف دنیا کی طلب ہے تو اس کا ضرر اور دو چند ہے، اس لیے کہ بے وفائی کی سزا تو اس کو ملنی ہی ملنی ہے، عقلاً یہ بات معمولی غور وفکر سے ذہن نشین ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ کسی شخص کی پسند اور ناپسند کا حال جب تک معلوم نہ ہو، جس کو اس نے خود بیان نہ کر دیا ہو، دوسرا شخص کیسے معلوم کر سکتا ہے کہ اس کو ترشی پسند ہے یا شیرینی، وہ مجلسی مزاج کا حامل ہے یا تنہائی اور خلوت کا رسیا، اسی طرح اللہ سبحانہ تعالی کی پسند وناپسند کا علم انسانوں کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے، اس کو کون سا عمل پسند ہے، اور کس طریقہ سے کیا جائے، اسی چیز کو عملی پیکر دینے کے لیے حضرت انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، اور اسی کا نام دین ومذہب ہے اور سنت وشریعت ہے، لہٰذا جو شخص عبادت وریاضت میں منہمک ہے لیکن اس میں اس کا عمل خانہ ساز شریعت پر ہے تو اس کا یہ عمل خدا کی رضا کا باعث نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ عبادت

اور عبادت کا طریقہ بھی اسی نے دیا ہے، اور وہی اسے پسند ہے، اب اگر کوئی من مانے طریقہ پر عمل کرتا ہے، تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے، جو کسی شخص کی رضا کے حصول کے لیے سخت گرمی میں انگیٹھی جلا کر اس کے سامنے رکھ دے، اور سخت سردی میں اس کے سر پنکھا جھلنے لگے، تو خدمت میں سعی و کوشش تو یقیناً پائی گئی لیکن یہ کوشش بجائے رضامندی اور خوشی کے مستحق غضب اور عتاب قرار پائے گی۔

رضا جوئی کے لیے مزاج یار سے آشنائی ضروری ہے، اور یہ بجز وحی ربانی کے کیسے حاصل ہوسکتی ہے، اسی لیے تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسولؐ کو مشعل راہ بنائے بغیر ممکن نہیں کہ ہم اللہ کی رضا اور آخرت کی سعادتیں حاصل کرسکیں، دنیا کی فلاح وسعادت بھی اس راہ مستقیم پر گامزن ہونے میں مضمر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالی تم سے محبت فرمائے گا۔ (آل عمران)

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔ اس امت کے آخری دور کی اصلاح ممکن نہیں بجز اس طریقہ کے جس کے ذریعہ اس کے دور اول کی اصلاح ہوئی۔

لہٰذا ترقی و کامیابی کے لیے چراغ نبوت سے اکتساب فیض کے بغیر زندگی کے تاریک دریچوں کو روشن نہیں کیا جاسکتا۔

فضول جان کر جس کو بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

☆☆☆

نسلی تفاخر وامتیاز اور اسوہ رسول اکرم ﷺ

معاشرتی اور سماجی برائیوں میں 'نسلی تفاخر' ایک ایسی برائی ہے جس کی کوکھ سے بڑی بڑی برائیاں جنم لیتی ہیں، حسد، کینہ، توہین وتحقیر کے جذبات معاشرہ میں ناسور کی طرح بڑھتے چلے جاتے ہیں، دلوں میں دوری، باہمی عدم تعاون، اخوت وانصاف کے تقاضے اس کے جلو میں سوخت ہوجاتے ہیں، نسلی تفاخر سے عصبیت اور بے جاحمایت کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے، رنگ ونسل اور زبان کو مقدس قرار دے کر بت کی طرح اس کی پرستش شروع ہوجاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے نسلی تفاخر کے آہنی پنجوں میں انسانیت دم توڑ رہی تھی، قریش کو اپنی نسلی بڑائی کا اتنا غرہ تھا کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے طواف کے لئے آنے والوں کو یہ باور کرادیا تھا کہ جب تک ان کا لباس پہن کو وہ طواف نہیں کریں گے ان کی عبادت قبول نہیں ہوگی، لہٰذا آنے والے لباس کرائے پر لے کر پہنتے اور طواف کرتے تھے، یا پھر اپنا لباس اتار کر برہنہ طواف کے لئے جاتے تھے، قریش اپنے آپ کو خانہ کعبہ کا خادم اور متولی سمجھتے تھے، لہذا اپنے ہر عمل کو بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی علامت قرار دیتے تھے، لہذا تمام قبائل کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے، اس لئے حج کے ایام میں سارے حجاج عرفات میں پہنچ کر وقوف کرتے لیکن قریش صرف مزدلفہ تک ہی جاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ہم حرم کے باسی ہیں حدود حرم سے باہر نہیں جاسکتے، اپنے آپ کو حمس مقدس فرد تصور کرتے تھے۔

بعثت نبویؐ کا مقصد :

نسلی تفاخر کی وجہ سے دوسرے قبائل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان میں شادی بیاہ،

لین دین کا معاملہ کرنا فروتر خیال کرتے تھے، لسانی تفاخر کا یہ حال تھا کہ اپنی زبان آوری کے آگے سارے جہاں کو عجم یعنی گونگا باور کرتے تھے، نسلی تفاخر نے ان کے ذہن و دماغ کو اتنا اونچا کر دیا تھا کہ بسا اوقات اس خیال سے کہ کبھی ان کی انا کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے، اور جس قبیلہ میں بچی بیاہی جائے گی اس قبیلے کے سامنے جھکنا پڑے گا، اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، ایسے وقت میں حضور ﷺ کی بعثت ہوئی، جس کا بنیادی مقصد انسانی عظمت کو قائم کرنا، اور خالق و مخلوق کے درمیان صدیوں سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنا تھا، جہالت کی تاریکی کو دور کر کے علم کی تنویر کو عام کرنا تھا۔

آپ کی بعثت مبارکہ سے جہالت کی کائی چھٹی، علم کا آفتاب طلوع ہوا، انسانیت کی کھیتی ہری ہوئی، مظلوموں کو سہارا ملا، انصاف کے تقاضے پورے ہوئے، اور انسان کو اولاد آدم ہونے کے ناطے برابری کا درجہ ملا، حضرت بلال حبشیؓ ایک سیاہ فام غلام تھے، وہ سردار بنائے گئے، حضرت سلمان فارسیؓ جو عجمی نژاد تھے بارگاہ رسالت میں باوقار ہوئے، عربوں کے مقابلے میں جنگی حکمت عملی میں ان کے مشورے قابل قبول ہوئے، بارگاہ رسالت میں یہ اعلان ہوا 'کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی سیاہ فام کو سفید فام پر کوئی فضیلت و برتری حاصل ہے، تم آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، تم میں اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پارسا ہو' حضور ﷺ نے نسلی غرور و تفاخر کا قلع قمع کرنے کی غرض سے نسلی مساوات کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی ایک ایسے غلام سے کرائی جسے آزاد کر کے آپ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔

جب مکہ فتح ہوا، خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کیا گیا، نماز کا وقت ہوا تو اذان دینے کے لئے خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلالؓ کو چڑھ کر اذان دینے کو کہا گیا، یہ ایک اعزاز تھا، ہاشمی، مطلبی، مخزومی، عدوی، کلبی، اور قریش مکہ کے دیگر شاخوں کے افراد موجود تھے، لیکن اس مقدس سرزمین کی بارگاہ کی چھت پر آج اسے چڑھایا جا رہا تھا، جو کل تک روندا کچلا جا رہا تھا، جس کے سینے پر پتھر رکھے جا رہے

تھے، اور تپتی ہوئی ریت پر ننگے بدن گھسیٹا جارہا تھا، آج اسے سب کی موجودگی میں خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھا کر یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ خدا کی بارگاہ میں حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں، قرب الٰہی کے لئے ایمان وتقوی اصل سرمایہ ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی محبت :

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ آپ پر جان چھڑکتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا ایثار، حضرت عمرؓ کا خلوص، حضرت عثمانؓ کی طاعت، حضرت علی کی محبت آپ کے لئے، آپ کے مشن کے لئے، آپ کی دعوت وشریعت کے لئے مثال تھی، لیکن قرآن پاک میں اگر کسی کا نام آیا ہے، تو صحابہ کرام میں صرف اس غلام کا آیا ہے، جس کو حضور ﷺ نے غلامی سے آزادی عطا کی تھی، اور اپنے گھرانے کا ایک فرد بنایا تھا، قرآن پاک نے حضرت زیدؓ کے نام کو ان کے کردار کو دوام عطا کیا، اور اگر کسی قریشی کا نام آیا تو ابولہب کا آیا، جس پر تباہی وہلاکت مسلط کی گئی۔

لہٰذا اسلام نسلی امتیاز کا قطعاً روادار نہیں، اس نے اسی لعنت پر گہری ضربیں لگائی ہیں، اور اس کی جڑیں زمین کی اندرونی تہوں سے کھود کر اکھاڑ پھینکنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اس نے اعلان کیا ہے کہ 'اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور بعد میں تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ اس سے تم ایک دوسرے کو پہچان سکو لیکن (جہاں تک عزت وذلت کی بات ہے) زیادہ عزت دار وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ (الفرقان)

☆☆☆

نومولود بچے کی ولادت اور سنت نبویؐ

اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، والدین کی خوبیوں کا امین، ان کے خوابوں کی تعبیر، نسلی امتداد کا محرک، آنکھوں کی ٹھنڈک، قوت بازو، اور خانگی نیرنگیوں کی روح اولاد ہی کا عکس جمیل ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو گھر اندھیرا اور سونا معلوم ہوتا ہے، اولاد عطا کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، وہ جسے چاہے بیٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹی، اور جس کو چاہتا ہے بیٹا اور بیٹی دونوں عطا کر دیتا ہے اور جب اس کی مشیت نہیں ہوتی تو دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔

نعمت کی قدر یہ ہے کہ حتی الامکان اس کی قدر و قیمت کو سمجھا جائے اس پر توجہ دی جائے اس کے جو تقاضے ہیں انہیں پورا کیا جائے، جس طرح ایک پودا لگاتے ہیں تو اسکی نشو ونما کی فکر کرتے ہیں، گرما اور سرما کے مضر اثرات سے حفاظت کرتے ہیں، کڑی نگرانیوں میں وہ پودا تناور درخت بنتا ہے، اور باغباں کو اس کا پھل ملتا ہے، اور جو توجہ نہیں دیتا، اس کا باغ پھل لانے کی عمر تک پہنچتے پہنچتے خشک ہو جاتا ہے، یا بے ثمر ہو جاتا ہے، اسی طرح اولاد کی دیکھ ریکھ، اور صحیح تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، اولاد صالح کی تمنا رکھنے والوں کے لئے شریعت نے یہ بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ جس وقت مرد عورت کے پاس ہو اور انزال کا وقت ہو جائے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے تا کہ اولاد صالح ہو اور شیطانی اثرات سے پاک ہو 'بسم اللہ اللھم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنی' بسم اللہ اے اللہ مجھے شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو میری اولاد سے دور فرما، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو یہ دعا پڑھ لے تو اس کی اولاد کو کبھی شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (بخاری و مسلم)

جب بیوی امید سے ہوتو زن وشو باہم محبت انس ویگانگت کا مظاہرہ کریں، آپس میں لڑے جھگڑے نہیں، اس لئے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا جنین خارجی مؤثرات کی گرفت میں ہوتا ہے، جس طرح کیمرے کی آنکھیں جسم کے اندر کے مخفی گوشوں تک پہنچ کر ایک ایک چیز کو مشاہد بنا دیتی ہے، ایسے ہی جنین کی پرورش میں والدین کے سلوک کا خاصہ دخل ہوتا ہے۔

ایسے وقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتے رہنا چاہئے، جب کہ حمل کے زمانے میں ڈاکٹر سے رجوع کرتے رہتے ہیں تا کہ ولادت کا مرحلہ آسان ہو، تو جس ذات نے اس جنین کے استقرار و نشوونما کا سامان کیا ہے، اس کی طرف تو بدرجہ اولی توجہ کرنا اور اس کو راضی رکھنے کی فکر کرنا قریب عقل قرار دیا جائے گا، قرآن پاک میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے 'فلما اثقلت دعوا الله ربهما لئن آتيتنا صالحا لنكونن من الشاكرين (الاعراف:۱۸۹) تو جب حمل ظاہر ہو گیا تو دونوں نے اپنے رب کو پکار پکار کر کہا کہ اگر تو ہمیں صالح اولاد عطا فرما تو ہم یقیناً مشکور ہوں گے۔

لیکن کتنے مسلمان ایسے ہیں جنہیں اس کی طرف توجہ ہوتی ہے، ہزاروں روپے کی دوا، اور درجنوں قسم کے ٹیسٹ ضرور کرائے جاتے ہیں لیکن دینے والے کریم مالک کو فراموش کر دیا جاتا ہے، لہٰذا اولاد بھی صالح کے بجائے طالع، باکردار کے بجائے بے کردار، فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی کرنے والی ہوتی جارہی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس وقت بھی اپنے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، بچہ کی معصوم فطرت اس کو قبول نہیں کر پاتی اس لئے پیدا ہوتے ہی بچہ کی چیخ نکل جاتی ہے، اس زہر کا تریاق اس اذان واقامت میں ہے، جو نومولود بچے کے کان میں کہی جاتی ہے، اس طرح بچہ دینی فطرت کی آواز پر پروان چڑھتا ہے اور اللہ کی کبریائی کی شہنائی اس کے کانوں میں بجتی رہتی ہے، اور کشاں کشاں وہ طاعت الٰہی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے، جہاں کامیابیاں سرنگوں اور سرفرازیاں قدم بہ قدم اور ابدی سعادت کی شاہ کلید اس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ ☆☆☆

رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد صفوان ابن امیہ جدہ مکہ کے ساحل کی طرف نکل گیا تا کہ وہ وہاں سے یمن چلا جائے، عمیر ابن وھبؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! صفوان ابن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے، اور وہ آپ سے بچنے کے لئے سمندر میں کودنے کو تیار ہے، اسے آپ پناہ دے دیجئے تا کہ وہ یہ انتہائی قدم نہ اٹھائے اور اس کی جان بچ جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اسے امان ہے، انہوں نے دوبارہ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی نشانی دے دیجئے جسے دیکھ کر اسے آپ ﷺ کی طرف سے امان دیے جانے کا یقین آجائے، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمیرؓ کی درخواست پر ان کی اپنا وہ عمامہ عطا کر دیا جسے باندھ کر آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت عمیرؓ آپ ﷺ کا عمامہ لے کر روانہ ہوئے، جب وہ ساحل پر پہنچے تو دیکھا کہ صفوان کشتی پر سوار ہی ہوا چاہتا ہے، فورا لپک کر اس کے پاس پہنچے اور کہا، صفوان! تم پر میرے ماں باپ قربان، کیوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہو، یہ دیکھو میں تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امان کی خوشخبری لے کر آیا ہوں، اس نے جھڑک کر جواب دیا: دور ہٹو اور مجھ سے بات مت کرو، حضرت عمیرؓ نے پھر نرمی سے سمجھایا کہ دیکھو اللہ کے رسول ﷺ تمہارے ہی خاندان کے تو ہیں، ان کی عزت تمہاری عزت ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے، وہ بڑے حلیم، نرم مزاج اور پاک طینت ہیں، میرے ماں باپ تم پر قربان، چلو یہاں سے واپس چلو، اس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے، حضرت عمیرؓ نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ ایسا کر ہی نہیں سکتے،

آپ ﷺ کی شرافت وسماحت آپ ﷺ کو اس کی اجازت ہی نہ دے گی۔

جب اسے کچھ اطمینان ہوا تو وہ حضرت عمیرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس چلا آیا، اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یہ عمیر ابن وہبؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے امان دے دی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ بالکل سچ کہتے ہیں، میں واقعی تمہیں امان دے چکا ہوں، اس نے عرض کیا: مجھے دو مہینے غور کرنے کا موقع دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: دو کیا؟ جاؤ تمہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ (اخرجہ ابن اسحٰق کمافی البدایہ والنہایہ)

درج بالا قصہ سے اخذ کردہ مسائل وفوائد :

انبیاء کرام کا وجود دنیا کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے نہ کہ باعث زحمت، اسی لئے نائبین انبیاء کا وجود بھی لوگوں کے لئے راحت وآرام کا سبب ہونا چاہئے نہ کہ تکلیف اور پریشانی کا قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دینا اعلیٰ ظرفی وبلند حوصلگی کی بات ہے۔

اظہار حقیقت کے لئے دلائل وبراہین پیش کرنا قائل کے سچے ہونے کی علامت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنی دعوت کی اشاعت اور اس کے فروغ کے لئے مصالحانہ طرز اختیار فرماتے تھے اور تشدد انتہا پسندی سے اجتناب کرتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کسی طرح لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے بیتاب وبیقرار رہا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ وحلم وبردباری پر اس درجہ اعتماد تھا کہ حضرت عمیرؓ نے صفوان ابن امیہ سے پورے وثوق کے ساتھ اس بات کی ضمانت لے لی کہ آپ ﷺ اسے معاف کر دیں گے۔

استعارہ کا استعمال جائز ہے، حضرت عمیرؓ نے صفوان کے بحری سفر کو سمندر میں کود پڑنے سے تعبیر کیا۔ اعزاء واقارب کی ایمانی ودینی پہلو سے فکر رکھنا ان کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اسلام نے اظہار رائے کی آزادی دی ہے، بشرطیکہ وہ کسی دینی نقصان کا سبب نہ بن جائے۔ ☆☆☆

روشنی بخش دی زمانہ کو

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ بدر کے بعد جب اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں زرفدیہ بھیجا تو اللہ کے رسول ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کو جنہیں مسلمانوں نے قید کرلیا تھا، چھڑانے کے لئے کچھ مال روانہ کیا، جس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کو ابوالعاص کے ساتھ رخصت کرتے وقت دیا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے جب اس ہار کو دیکھا تو بے قرار ہوکر اٹھے اور آپ ﷺ پر غیر معمولی تاثر ہوا، آپ ﷺ نے مسلمانوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ: اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو یوں ہی آزاد کردو اور اس کا سامان اسے واپس لوٹادو، صحابہ کرامؓ تو ہمہ وقت جاںثاری و فرمانبرداری کے لئے تیار رہا کرتے تھے، فوراً عرض کیا، حضور! آپ ﷺ کا حکم سرآنکھوں پر، ہم بخوشی راضی ہیں۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے :

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوالعاص کو آزاد کردیا گیا اور حضرت زینبؓ کا سامان بھی واپس کردیا گیا۔ (اخرجہ الحاکم: ۲۳۶/۳)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ بھی ہجرت کے ارادہ سے کنانہ یا ابن کنانہ کے ساتھ نکلیں، قریش کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے تعاقب کیا، کسی طرح ان کا ایک آدمی ہبار بن اسود حضرت زینبؓ کے قریب پہنچ گیا، اس نے انہیں روکنے کے لئے ان کے اونٹ

پر نیزوں سے پیہم وار کیے جس سے حضرت زینبؓ نیچے آگریں اور خون کا فوارہ جاری ہوگیا، اس نازک اندام شہزادی کے لئے یہی جسمانی تکلیف کیا کم تھی کہ دوسری طرف ہند بنت عتبہ بن ربیعہ یہ کہہ کر انہیں روحانی اذیت دیا کرتی تھیں کہ یہ سب تمہارے باپ کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو مکہ مکرمہ سے حضرت زینبؓ کو لانے کی ذمہ داری سونپی جسے انہوں نے بحسن وخوبی نبھایا۔

ہوا یوں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے زینب کو مکہ لانے کی بات کی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ یہ انگوٹھی زینبؓ کو دے دینا، وہ اسے پہنچان لے گی، حضرت زیدؓ آپ ﷺ کی انگوٹھی لے کر روانہ ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر ان سے ملنے کی مختلف تدابیر کرتے رہے، حتی کہ ایک روز ان کی ملاقات ایک چرواہے سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا، تم کس کے خادم ہو، اس نے بتایا کہ ابوالعاص کا، انہوں نے پھر پوچھا، یہ بکریاں کس کی ہیں؟ کہا زینب بنت محمد ﷺ کی، کچھ دور تک وہ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلتے رہے پھر اچانک موضوع بدل کر بولے، یہ بتاؤ، اگر میں تمہیں کوئی امانت دوں تو کیا تم خاموشی سے زینب تک پہنچا سکتے ہو؟ اس نے فورا کہا ، کیوں نہیں؟ بالکل پہنچادوں گا، حضرت زیدؓ نے وہ انگوٹھی اس کے حوالے کردی جسے لے کر وہ آگے بڑھ گیا، جب بکریاں لے کر گھر پہنچا تو چپکے سے وہ انگوٹھی حضرت زینبؓ کو دے دی، انہوں نے اسے دیکھتے ہی پہنچان لیا اور بڑی بے تابی سے پوچھا، تمہیں یہ انگوٹھی کہاں سے ملی، اس نے بتایا ایک اجنبی نے مجھے آپ تک پہنچانے کے لئے دی تھی، انہوں نے دوبارہ معلوم کیا، تم نے اس آدمی کو کہا ں چھوڑا تھا؟ اس نے ان کا پورا پتہ بتادیا، یہ سن کو وہ خاموش ہوگئیں، رات ہوئی تو خاموشی سے اٹھ کر دبے پاؤں اسی طرف چل دیں جہاں ان کے چرواہے کی حضرت زیدؓ سے ملاقات ہوئی تھی، حضرت زیدؓ وہیں موجود تھے، حضرت زینبؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو فورا اونٹ کو آگے بڑھا کر کہا: آپ اونٹ پر تشریف رکھئے، میں پیچھے بیٹھتا ہوں، حضرت زینبؓ نے فرمایا نہیں، آپ آگے بیٹھئے، میں پیچھے

بیٹھوں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت زیدؓ آگے سوار ہوئے اور حضرت زینبؓ پیچھے بیٹھیں، اسی طرح وہ دونوں مدینہ پہنچے، اللہ کے رسول ﷺ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، یہ میری سب سے اچھی بیٹی ہے جس میں نے میری خاطر بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ (اخرجہ الحاکم: ۲۳۶/۳)

ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی طرف مال تجارت لے کر نکلے، واپسی پر مسلمان دستوں نے ان کے ہمراہیوں کو مع تمام مال واسباب گرفتار کرلیا، ابوالعاص کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، رات ہوئی تو اپنے مال کی واپسی کے لئے چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، انہوں نے پناہ دے دی، جب اللہ کے رسول ﷺ فجر کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو حضرت زینبؓ نے پکار کر کہا: اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے لوگو! تم نے وہ آواز سنی جو میں نے سنی؟ لوگوں نے عرض کیا: جی حضور ﷺ! ہم نے بھی سنی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، مجھے اس بات کا اب تک بالکل علم نہیں تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا ادنی فرد بھی اگر کسی کو پناہ دے تو اس کی بات کا احترام لازم ہے، اس کے بعد آپ ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا: بیٹی! ابوالعاص کی ضیافت اور اعزاز میں کوئی کمی نہیں کرنا، لیکن اس کے پاس مت جانا کہ اب تم ان کے لئے حلال نہیں رہیں۔ (اخرجہ الحاکم: ۲۳۶/۳)

آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کردو، پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں، اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لاکر واپس کردیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابوالعاص مکہ مکرمہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لئے یہاں آکر حساب سمجھا کر جاتا ہوں کہ تم یہ نہ کہو کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ کھا کر

تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔(اخرجہ الحاکم:۳/۲۳۷)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کے ایک دستہ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر فلاں فلاں آدمی تمہیں ملیں تو انہیں جلا ڈالنا، پھر جب وہ لوگ چلنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں نے فلاں فلاں لوگوں کو جلانے کا حکم دیا تھا لیکن اب میں یہ کہتا ہوں کہ انہیں جلانا نہیں، کسی اور طرح قتل کرنا، اس لئے کہ آگ کا عذاب دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔(اخرجہ احمد:۲/۳۰۷)

نوٹ: روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جن لوگوں کو مارنے کا حکم دیا تھا ان ہی میں سے ایک ہبار ابن اسود اور دوسرا نافع بن عبد قیس تھا۔

دروس وفوائد : قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ حضرت خدیجہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

شادی کے موقع سے جو ہدیہ یا تحفہ دیا جاتا ہے اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

مقصد تک پہنچنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔

سفر میں مرد کا عورت سے آگے رہنا زیادہ محتاط اور محفوظ طریقہ ہے۔

☆☆☆

سید الاولین والآخرین کے امتیازات عالمی تناظر میں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا فرما کر میری مدد کی گئی، زمین کو میرے لئے جائے نماز اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے، لہٰذا میری امت کا کوئی بھی فرد نماز کا وقت پالے تو نماز پڑھ لے، مجھ سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا، میرے لئے اسے حلال کیا گیا ہے، مجھے شفاعت کا اعزاز بخشا گیا ہے، پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے، مجھے ساری انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالی کی نعمتیں بے شمار ہیں، اگر ان نعمتوں کو شمار کیا جائے تو شمار کرنا مشکل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے 'وان تعدوانعمة الله لاتحصوها' (سورہ ابراہیم) بہت سی نعمتوں میں ساری انسانیت شریک ہے، کسی کے لئے خاص نہیں ہیں، مثلاً ہوا، پانی، زمین، روشنی، آسمان، سیارگان فلک، موسموں کی آمد ورفت، بہار وخزاں کا نشیب وفراز، کوہ ودمن کی رعنائیاں، خیابانوں کی گل افشانیاں، دریاؤں کا تموج، سمندروں کا سکوت سب کے لئے ہیں، آفتاب کی کرنیں اور چاند کی چاندنی سب کے لئے لطف فراواں کا باعث ہیں۔

لیکن کچھ مخصوص نعمتیں ہیں جن سے اللہ عزوجل نے بعض مخصوص بندوں کو نوازا ہے، جس طرح نبوت سے انہیں سرفراز فرمایا ہے، اسی طرح ان نعمتوں سے بھی خاص طور پر بہرہ ور کیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو خاص خاص لطف وانعام سے سرفراز کیا ہے،

حضرت آدم علیہ السلام کو صفوت، انتخاب، اور اسماء کے فہم کا شرف عطا فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام کو جدوجہد اور عزم وارادہ کی روح عطا کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء، عشق توحید، اور خلیل اللہ کے درجہ سے بہرہ ور کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم وتربیت، عمرانیات، معاشرہ کا نظم ونسق اور حسن سلیقہ سے بہرہ ور کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نرمی وشفقت، صبر وتحمل، معاشرہ میں رواداری اور محبت کی نشر واشاعت کے وصف سے سرشار فرمایا، اور سرور کونین حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت کو ارادے، حکمت، اعتدال ومیانہ روی اور تحلیل وترکیب، فہم وفراست جیسی صفات سے نوازا، جو عالمی پیغام کے لئے ضروری ہوتی ہیں، نیز سابقہ انبیاء کرام کی صفات اس پر مستزاد ہیں، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام تمام مذاہب سے زیادہ ذمہ داریوں کا حامل ہونے کے باوجود سب سے زیادہ نرم، بلند مرتبہ، بابرکت اور انسانی صفات سے قریب تر ہے، اس لئے اسلام بجا طور پر عالمی مذہب کہلانے کا مستحق ہے۔

لہٰذا یہ حدیث مبارک اس عالمی اور جامع پیغام رسالت کو انتہائی دلکش انداز میں غور وفکر کے لئے پیش کر رہی ہے، جب اس عالمی دین اور اس کے جامع پیغام کو لے کر اس کے اولین داعیوں نے تگ ودو شروع کی اور اپنے نبی ﷺ کی قیادت میں اسلام کی حقانیت کو بجا طور پر ثابت کرنے کے لئے نکل پڑے، تو ان کے سامنے ہر طاقت لرزاں وترساں نظر آئی، اور دیکھتے دیکھتے صدیوں کے قلعے اسلام کی ضرب سے بکھر کر رہ گئے، اور اس کا رعب ایسا طاری ہوا کہ چند سال کی مدت میں لاکھوں میل مربع پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی، اس لئے 'نصرت بالرعب مسیرة شهر' ایک ماہ کی مسافت تک رعب عطا کر کے میری مدد کی گئی ہے، کا وعدہ مخلص اہل ایمان کا خوفناک اسلحہ اور مضبوط قلعہ ہے، آج دنیا اسی رعب یزدانی سے خائف ہے، اور اس کی آواز کو دبانے کے لئے لاکھوں قسم کے جتن کیے جا رہے ہیں لیکن

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دوسری صفت اس دین کا مزاج عالمی ہے، لہذا اسے زمین وآسمان کے قید وبند سے آزاد کیا گیا ہے، پوری روئے زمین عبادت کا محل ہے، اور ہر فرد اس کی ادائیگی پر قادر ہے، شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہو، مسلمان اور عاقل ہو، یہاں رجال الدین کا وہ تصور نہیں ہے جو دیگر مذاہب میں لازمی عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔

آپ کی رسالت عالمی ہے، علاقہ، رنگ ونسل کی قید کی چھاپ سے وہ آزاد ہے، تمام عالم کے آپ ہادی ہیں، اور سب کی دینی، ایمانی اور روحانی ضرورتوں کا تکفل اب آپ کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔

معاشیات کے میدان میں بھی دیگر قوموں کے مقابلہ میں وسعت دی گئی، دشمن کے مال کو اگر حاصل کیا گیا ہے تو اس کو اپنے استعمال میں لایا جاسکتا ہے، اس پر جو صدیوں سے قدغنیں عائد تھیں وہ یک لخت ختم کردی گئیں، اسلام کے مزاج میں فطرت انسانی سے جو قرب ہے اس کا یہ امتیازی وصف ہے۔

اس طرح آخرت میں آپ ﷺ کو شفاعت کبری سے نوازا گیا ہے، یہ اس امت کے لئے بڑا اعزاز ہے، جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اس وقت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے لوگ شادکام ہوں گے، آسانیاں پیدا ہوں گی، اور بالآخر جنت کے فیصلوں میں اس شفاعت کبری کا اثر نظر آئے گا۔

حدیث شریف سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ نبوت ورسالت ایک عطیہ خداوندی ہے جسے انسانی کدوکاوش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، یہ مذکورہ بالا خصائص دعوت محمدی ﷺ کے امتیازات ہیں، یہ کسی نبی اور رسول کو عطا نہیں کیے گئے۔

☆☆☆

تذکرہ رسول عربی ﷺ ویدوں اور پرانوں میں

نبی آخرالزماں سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنے اپنے دور میں دی ہے جو آج بھی اہل کتاب کی کتابوں میں واضح الفاظ میں موجود ہے، جس کا اعتراف خود یہود مدینہ کو بھی تھا لیکن تعصب نے انھیں اظہار حقیقت سے باز رکھا تھا اور ان آیات کو بھی چھپاتے رہے جس میں بعثت کی خبر مذکور تھی۔ لیکن حقیقت، حقیقت ہے وہ منوالیتی ہے، ہر چند کہ ماننے سے گریز ہی کیا جائے۔

حقیقت مثل مہر و ماہ لوح دل پہ ہے تاباں
وہ منواتی ہے اپنے کو، کبھی مانی نہیں جاتی

توریت، زبور، انجیل اور دیگر صحائف میں جس طرح اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح ویدوں، پرانوں، اپنشدوں میں بھی آپ کی بعثت کی خبر مذکور ہے اور اس پیشین گوئی کو برادرانِ وطن صحیح بھی سمجھتے ہیں، لیکن افسوس کہ آئے ہوئے کو تسلیم نہ کر کے انتظار کی تنگ و تاریک راہ داریوں میں بھٹک رہے ہیں۔ اب اس موضوع پر کئی کتابیں اردو اور ہندی میں آچکی ہیں اور بعض انصاف پسند ہندوؤں نے بہت کھل کر لکھا ہے اور ہندوؤں کو دعوت دی ہے کہ تم جس کلکی بھگوان کی آمد کے منتظر ہو، وہ عرب کی سرزمین ''شالمل دیپ'' میں آج سے چودہ سو سال پیشتر آچکا ہے۔ جس کی دعوت عام ہو چکی ہے۔ جس کی اتباع ہی میں نجات کی راہ مضمر ہے۔ تلسی داس نے اس سچائی کو یوں بیان کیا ہے: ''سنگ رام پران میں ان کی یہ چوپائیاں آج بھی موجود ہیں جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہر انسان کا ایمان لانا ضروری بتایا گیا ہے۔

(۱) یہاں کچھ بات کہوں کچھ راکھوں
وید پران ست ست بھاگوں

(۲) برکھ سہس دس سندرم ہوئے
نہ کے بعد نہ پائے کوئے

(۳) دیس عرب بھرک لتا سہائے
سونہل بھوم گت سوکھگ رائے

(۴) سمبھو سمت ناکر ہوئے
سندرم رام والیس تھتھ سوئے

(۵) وہی سمت بکرم کی دوا لگا
مہا لوک تس چیز پتنیگا

(۶) چتہ سندرم چپ جاری
تنگی نہیں ہوئی بھوبھاری

(۷) نب تک سندرم جبھی کوئے
بنا محمدؐ یار نہ ہوئے

(۸) بن چار بچار دھنشیا
دھنش بھیجیں جات کلیا

(۹) سوسا جج کمٹ ترپاویں
سردور ویداس کو بکھا دیں

(۱۰) پرسندرم تماں نہیں ہوئے
تلسی بچن ست ست کوئے

(منقول سرور عالم جگت گرو۔ص ۵۵۔۵۶)

ترجمہ : (۱) آپ کی طرف داری میں کچھ نہ کہوں گا۔ ویداور پرانوں میں جو کچھ ہے وہی کہوں گا۔

(۲) دس ہزار برس کی ولایت تمام ہوگی پھر اس کے بعد کوئی یہ مرتبہ نہیں پاسکتا۔ (یعنی ختم نبوت)

(۳) دیس عرب میں جمعہ کا خوشنما ستارہ طلوع ہوگا۔ کیا ہی شان کی زمین ہے، اسے فرسودہ خیال کے لوگو اس کی حقیقت سنو۔

(۴) انہونی بات یعنی معجزے اس کے ظہور میں آئیں گے۔ ولایت الٰہی قائم ہوگی۔

(۵) سمت بکر ماجیت کی سمندروں کی تعداد کے موافق یعنی ساتویں صدی میں کیونکہ سمندر سات ہیں، اندھیری رات میں مانند چار آفتاب کے چمکے گا۔

(۶) عاقل اللہ کے بھوک یعنی خلیفے چار ہوں گے ان سے بہت بھاری نسل پیدا ہوگی۔

(۷) اس دین کے جاری رہنے تک جو کوئی خدا تک پہونچنا چاہے بے وسیلہ محمدؐ کے نہیں پہونچے گا۔

(۸) چھوت چھات، پوجا پاٹ چھوڑ کر جو آئے وظیفہ پائے، اس کے نام سے ذات پات دور ہوئیں۔ اس سے دین و دنیا کی فکر کریں۔

(۹) اللہ کی محبت میں مٹ جائیں گے اور وہی نجات پائیں گے۔

(۱۰) ان کے بعد پھر ولایت نہ ہوگی۔ تلسی داس یہ بات بالکل سچ سچ کہتا ہے۔

بھاگوت اور کلکی پران میں لکھا ہے کہ جگت گرو کلکی اوتار کی پیدائش کی جگہ شالمل دیپ ہوگی، شالمل کو بعض لوگوں نے سنبھل سمجھ کر اس پیشین گوئی کو وہاں تلاشنے لگے جو مرادآباد کے مضافات میں مشہور قصبہ ہے۔ اگر شالمل کے بجائے سنبھل بھی مانیں، تب بھی ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیا کی تصریح کے مطابق سنبھل سے مراد مکہ مکرمہ ہے نہ کہ قصبہ سنبھل مرادآباد۔ بھاگوت پران کے اٹھارہویں باب میں مقام پیدائش کا تذکرہ یوں آیا ہے۔

سنبھل گرامکھیں براہمن ایس مہاتمن بھونے ویشنو کلکی پر اور بھوشیش

ڈاکٹر اپادھیا نے لکھا ہے کہ آخری نبی کی بعثت مقام سنبھل میں ہوگی اور سنسکرت میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو مامون ومحفوظ ہو، جہاں خونریزی قطعاً ممنوع ہو۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا ہندوستان میں کوئی ایسا مقام ہے جو سنبھل یعنی محفوظ و مامون ہو۔ لیکن ہمیں کوئی ایسا مقام نہیں ملتا جو ان ساری صفات کا حامل ہو۔ اور پھر وہاں کوئی ایسا عظیم آدمی بھی پیدا ہوا ہو۔ جب یہاں کوئی ایسا مقام نہیں ملتا تو لازمی طور پر ہمارا ذہن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقام بعثت کی طرف جاتا ہے کیونکہ سنبھل کے معنی امن وسلامتی کی جگہ کے ہیں اور مکہ مکرمہ جہاں آپ کی بعثت ہوئی۔ حرم آمن یعنی محترم ومامون کہلاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے : **اَولم نُمکن لَهم حرما آمِنا** (ابراہیم) کیا ہم نے ان کو حرم (مکہ) میں (جہاں ہر طرح کا امن واطمینان ہے) جگہ نہیں دی : **وَاِذ قال اِبراهیم رب اجعل هٰذا البلد آمنا** (ابراہیم) اور جب ابراہیم (خدا سے) دعا کی: اے میرے پروردگار! اس شہر مکہ کو امن کی جگہ بنادے۔ (سورہ ابراہیم)

وہ ایسی جگہ ہے جہاں شکار بھی ممنوع ہے۔ حتی کہ حاجی سر کے جوئیں بھی نہیں مار سکتے اور نہ ہی کسی دوسرے کیڑے مکوڑے کو مار سکتے ہیں اور اس قسم کی بھول چوک ہوجانے پر حالت احرام میں کفارہ (صدقہ یا قربانی کی شکل میں) لازم آتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وید کے اندر مقام بعثت کی جو تعیین سنبھل کے لفظ سے کی گئی ہے وہ مکہ مکرمہ ہی ہے۔

نام کی تعیین :

ویدوں میں آپ کو کلکی (دشمنوں کا صفایا کرنے والا) کہا گیا ہے۔ اس کا مفہوم ایک تو یہی ہے جو مذکور ہوا۔ دوسرا مفہوم کھجور یا انار کثرت سے کھانے والا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ''کلکی'' جس کی آمد کا انتظار ہندو بھائیوں کو ہے، وہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ عرب میں کھجور بکثرت ہوتی ہے اور یہی یہاں کے عوام کا کھانا تھا۔ عربوں کی معیشت کا تمام دارومدار حیوانی

غذاؤں میں اونٹ کے دودھ، گوشت اور نباتاتی غذاؤں میں جو اور کھجور پر تھا۔ حتی کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس کے گھر میں کھجور نہ ہو، اس گھر کے لوگ بھوگے رہیں گے۔ (ترمذی)

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے : **عن عائشة : قالت تو فی النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم وقد شبعنا من الاسودین اتمروالماء** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اس وقت ہم کھجور اور پانی سے آسودہ ہوئے (یعنی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کھجور سے بھی آسودہ نہ ہو سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تب آسودگی ہوئی۔)

اگر اس کے دوسرے معنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی یہ بات اس طرح ثابت ہوجاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے رومن امپائر کا خاتمہ ہوگیا اور ایران کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور یہ دونوں طاقتیں اس دور کی سپر طاقتیں تھیں۔

بشارات :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نہ صرف کلکی پران اور بھاگوت میں ہے بلکہ ویدوں اور اپنیشدوں میں بھی ہے۔ تلسی داس نے شنگرام پران میں تو ذات والا صفات کا تذکرہ آپ کے ذاتی نام سے کیا ہے۔ اسی طرح ویدوں کے رشیوں نے بھی۔ فرق یہ ہے کہ عربی زبان کا لفظ سنسکرت زبان میں جس میں حاء حطی نہیں ہے۔ بدقت حذف دال یا سے ادا کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کسی زبان کا اسم ذات دوسری زبان میں کچھ نہ کچھ بدل ضرور جاتا ہے۔ مثلاً ابراہام عربی میں ابراہیم اور ایزک، اسحاق، جیکب یعقوب ہوگیا اور یوحنا کو یحییٰ سے ادا کیا گیا ہے۔ حق کے متلاشی کے لئے یہ ناموں کی تبدیلی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ وہ ان اوصاف کو تلاش کرتا ہے جس سے اس ذات کا تعارف ہوتا ہے اور حقیقت تک پہونچا جاتا ہے۔

جگت گرو کے مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے : حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کلکی پران اور

بھاگوت پران کے بیان کردہ کل نشانیاں آئینہ کی طرح نظر آتی ہے، وہ نشانیاں حسب ذیل ہیں۔

کلکی اوتار جگت گرو کے ظہور کے زمانہ میں ہندوستان میں سورج بنسی خاندان آپس میں جھگڑ کر تباہ ہوجائیں گے۔ (ایران وخراسان) کا بادشاہ اپنے اطراف رہنے والے سورج بنسی خاندان کو تباہ کردے گا۔ لہٰذا اسی کے مطابق کلیوگ ۳۶۵۸ سال کے بعد ہندوستان کی زبردست حکومت بے دینی کی وجہ سے تباہ ہوگئی اور گنگا پار تک بلخ کے بادشاہوں کی حکومت ہوگئی اور تقریباً تمام چھتری خاندان تباہ ہوئے۔ (جگت گرو۔ ص ۲۴۰)

اتھر وید میں بیت اللہ شریف کا تعارف یوں کرایا گیا ہے :

प्र आजमाना हरिणो

पशसो संपरी व्रनाम

पुर हिरण्यो ब्रहम

विशेशाम्मरा जिताम।।३३।।

روشن آسمانی برکات سے گھری ہوئی بستی کو زندگی بخش نا قابل فتح مقام کیا ابراہیم نے۔
(اتھرن وید کھانڈ۔۱۰۔منتر ۳۳)

سام وید میں آپ کا تذکرہ یوں آیا ہے : ''احمد نے اپنے رب سے پُر حکمت شریعت کو حاصل کیا۔ میں سورج کی طرح اس سے روشن ہو رہا ہوں۔ (سام وید پر پھاٹک۔ ۲۲ دشتی (۲) منتر (۸)

اسی طرح ویدوں میں اکثر مقامات پر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بشارت کا ہونا، اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ برصغیر میں بسنے والی قوموں میں بھی قدیم زمانہ میں رہا ہے اور قرآن پاک کی یہ شہادت (**وان من قریة اِلا خلا فیها نذیر**۔ ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا آیا ہے) اس پر دال ہے۔

اتوپ اپنیشد میں دو جگہ صاف الفاظ میں محمد رسول صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہے۔ شرن لیلا امرت۔ صفحہ ۲۰۹ پر صاف لکھا ہے کہ وہ کتاب تقریباً دکن سے شیواچاری مٹھوں میں موجود ہے۔ ویاس اپنیشد میں ذات احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کو مہارشی ویاس جی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

अ कारो अखं

ह कारो हननू मिती

प कारो भाया ब्रहनाण्ड

द कारो दद यंतित

(الف) سے روح اور جان وجسم کی وحدت قائم ہوئی۔ (ح) سے اس کا مالک بن کر جزاء وسزا دینے والا بنا، (میم) سے کائنات عالم بنا، (دال) سے دینے والا بنا۔ (ویاس اپنیشد)

دکن کی سونار قوم جن کی مذہبی کتابوں میں کلمہ طیبہ کے علاوہ اور بہت سے بزرگوں کے نام ہیں اور ہر سونار کھانے سے پیشتر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر معین الدین کو دوست تیرا ہو دین کہہ کر کھاتے ہیں اور خصوصاً لنگایت کے اکثر کٹھ پنی۔ (مجاور) سبز جھنڈا رکھتے ہیں۔ غرض ہندوؤں کے ویدوں، شاستروں اور پرانوں میں مٹھوں اور تاریخی بت پرستی کا بے ہودہ عمل ہونا کتنی شیریں وسہل زبان میں سمجھایا گیا ہے۔

جو عبادت کے قابل ہے، وہ اللہ کیسا ہے :

سبق ۷ میں جو ''من ربی'' کے عنوان سے ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زبانی معبود حقیقی کی صفات بیان کر کے بچوں کو صفات الٰہی سے واقف کرایا گیا ہے : **قال ابراھیم الاھذا لیس برتی اِنَّ اللّٰہ حتی لایموت اِن اللّٰہ باق لایغیب اِن اللّٰہ قویّ لایغلبہ شَی والکوکب ضعیف یغلبہ الصبح والقمر ضعیف تغلبہ الشمس والشمس**

ضعیفة یغلها اللیل ویغلبها الغیم ..... الخ ص۲۳

پھر صفحہ ۲۷ پر فرماتے ہیں : **الذی خلقنی فھم یھدین والذی ھو یطعمنی و یسقین واذا مرضت فھو یشفین والذین یمیتنی ثم یحین**

ان پیارے الفاظ میں اللہ کا حی ہونا، باقی ہونا، خالق ہونا، رازق ہونا، مرض وشفاء کا مالک ہونا، زندگی وموت دینے والا ہونا سمجھایا گیا ہے اور یہ کہ جس ذات میں یہ صفات ہوں، وہی عبادت کے لائق ہے اور وہی ہمارا خدا ہے۔

نبی اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے :

سبق ۱۰ میں ''امام الملک'' کا عنوان ہے۔ اس میں ذکر فرمایا گیا ہے : **فغضب الملك و طالب ابراھیم و جاء ابراھیم کان ابراھیم لایخاف احداً اِلا اللّٰہ**

کتابوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود ہے اور مرتے وقت حضور کا نام یا جاں کنی میں مبتلا شخص کو ان کہی یعنی کلمہ پڑھایا جاتا ہے اور اس طرح **لیومنن بہ قبل موتہ** (موت سے پہلے ضرور تسلیم کرلیں گے) کا ظہور ہوتا ہے۔

آج برادرانِ وطن کو تعصب نے حقیقت سے دور کردیا ہے۔ ورنہ ہدایت کی شاہ کلید کی طرف رہنمائی خود ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ ذرا توجہ کریں تو حقیقت کو پاسکتے ہیں۔ **ولکن اللّٰہ یھدی من یشآء** (اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) اس لئے ہر مومن کو چاہئے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا خوف نہ رکھے۔

ہر مشرک غبی ہے :

اسی سبق میں حضرت ابراہیمؑ اور بادشاہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا، اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بادشاہ نے کم عقلی کے سبب ایک آدمی کو قتل کیا اور دوسرے کو رہا کردیا اور پھر کہنے لگا کہ ..... **أنا أحیی و أمیت** مولانا نے اس کو ذکر کرکے فرمایا **وکان الملك بلیداً جداً وکذلك کل**

مشرک یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور خود انسانوں کی اپنی ذات میں بے شمار دلائل توحید رکھے ہیں، اس کے باوجود جو آدمی خدا کی وحدانیت کو نہ مان سکے، وہ دنیوی اعتبار سے چاہے جتنا عقلمند ہو، مگر حقیقت میں وہ غبی اور کم فہم شخص ہے۔

خدا سے تعلق رکھنے والا برباد نہیں ہوتا :

سبق ۱۲ ''الی مکۃ'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مکہ کا بے آب وگیاہ ہونا بتایا گیا ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؓ کو اس وادیٔ غیر ذی زرع میں اللہ کے حکم اور بھروسہ پر چھوڑ کر جارہے تھے تو حضرت ہاجرہؓ نے یہ فرمایا : **الی أین یاسیّدی! أتترکنی ھنا؟ أتترکنی و لیس ھنا ماء ولا طعام ھل أمرلك اللّٰہ بھذا ؟ قال ابراھیم نعم ! قالت ھاجرہ اذن لایضیعنا** اس سے سبق دیا گیا کہ دنیا میں جو شخص اللہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اللہ ایسے شخص کو کبھی ضائع نہیں فرماتے۔

اللہ نیک بندوں کا امتحان لیتے ہیں :

سبق ۱۴ ''رویا ابراہیم'' کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے لاڈلے بیٹے کو قربان کرنے تیار ہوگئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اسماعیلؑ کا ذبح کروانا مقصود نہ تھا، صرف امتحان ہے : **ولکن اللّٰہ یحب أن یریٰ ھل یفعل خلیلہ ما یامرہ وھل یحب اللّٰہ أکثر أو یحب ابنہ أکثر؟** اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اپنے برگزیدہ بندوں کا بھی امتحان لیتے ہیں۔

☆☆☆

اسلامیات

دل کی درستگی ایمان کی درستگی ہے

دل آئینہ وجود ہے، اس کا ماحصل اور حقیقی ترجمان ہے، دل کی مثال ایک حکمراں کی ہے، جس کے تابع اعضاء اور جوارح انسانی اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں، دل کی حالت درست ہے تو اعضاء انسانی کے افعال بھی درست ہوتے ہیں، اور اگر دل کی حالت بگڑی ہوئی ہے تو اعضاء انسانی سے صادر ہونے والے اعمال بھی فساد کا موجب بن جاتے ہیں، لہٰذا دل کی فکر سب سے زیادہ کرنی چاہئے، انسانی وجود میں اگر کوئی قیمتی شئے ہے تو وہ زبان اور دل ہے، ان دونوں کی درستگی ایمانی استقامت کی دلیل ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد عالی ہے ' لا یستقیم ایمان احد حتی یستقیم لسانه ولا یستقیم لسانه حتی یستقیم قلبه ' (مسند احمد) کسی شخص کا ایمان درست نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی زبان درست ہو اور زبان کی درستگی دل کی درستگی پر موقوف ہے۔

دل سرچشمۂ خیر ہے :

لہٰذا دل وزبان کی حفاظت کرنی چاہئے، ان دونوں میں دل کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے کہ دل احساسات، تخیلات، انفعالات، تاثرات، شعور ووجدان، جذب وکیفیات، شوق وارفتگی کا سرچشمہ ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے ' الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسدالجسد کله الا وهی القلب ' سن لو بے شک جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوگا تو سارا جسم درست ہوگا اور جب وہ بگڑ جائے گا تو سارا انسانی نظام بگڑ جائے گا، سن لو وہ دل ہے۔

حضرت لقمان بڑے حکیم ودانا تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ حبشی غلام تھے، ان کا تذکرہ قرآن

پاک میں بھی ہے، بلکہ پوری ایک سورہ کا نام لقمان ہے، ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے آقا نے کہا کہ بازار جا کر ایک بکرا خرید لاؤ، اور اسے ذبح کر کے اس کی وہ بوٹی جو سب سے زیادہ پاکیزہ ہو میرے پاس لاؤ، حضرت لقمان بازار جا کر بکرا خرید کر لائے اور ذبح کر کے اس کا دل اور اس کی زبان آقا کی خدمت میں پیش کر دیا، چند دنوں بعد آقا نے پھر کہا بازار جا کر ایک بکرا خرید کر ذبح کرو اور وہ بوٹی جو سب سے زیادہ خراب ہو اس کو پیش کرو، حضرت لقمان نے اس دفعہ بھی آقا کے کہنے کے مطابق وہ بوٹی زبان اور دل بکرا ذبح کر کے پیش کر دی، آقا کو تعجب ہوا کہ جب میں نے پہلے کہا کہ سب سے پاکیزہ بوٹی پیش کرو تو زبان و دل کو پیش کیا اور جب دوسری مرتبہ کہا کہ سب سے خراب بوٹی پیش کرو تو بھی زبان و دل ہی کو پیش کیا، اس کا راز کیا ہے، آقا نے حضرت لقمان سے استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا کہ حقیقت میں جسم میں یہی دو ایسی بوٹیاں ہیں کہ اگر یہ پاک وصاف ہیں تو پورا وجود پاک وصاف ہے اور اگر یہ دو بوٹیاں بگڑ گئیں اور خراب ہو گئیں ہیں تو پورا وجود بگڑ گیا اور خراب ہو گیا، آقا یہ حکیمانہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ (ابن کثیر)

اس پر غور کیجئے، تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج کا سارا فساد دل و زبان کے بگڑنے ہی سے پیدا ہوا ہے، دل فکر و عمل کے باہمی ربط میں قائدانہ کردار ادا کرتا ہے، اگر دل چاہتا ہے تو ہر مشکل کام آسان اور حظ نفس کا باعث ہو جاتا ہے، اور اگر دل نہیں چاہتا تو معمولی کام بھی بار خاطر اور بوجھ بن جاتا ہے۔

دل زنگ آلود ہوتا ہے :

برے اعمال سے دل متاثر ہوتا ہے، دل کا نور دل کی بصیرت ختم ہو جاتی ہے، بار بار گناہ کرنے سے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، اور زنگ اگر لوہے کو لگ جائے تو وہ ازکار رفتہ ہو جاتا ہے، اس کی قدر و قیمت جاتی رہتی ہے، اسی طرح دل کا حال ہے، وہ زنگ آلود ہوتا ہے تو معرفت خداوندی، ذکر الٰہی، اور محبت ایزدی سے محرومی ہو جاتی ہے، دل کے بغیر انسانی وجود سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا

اصابه الماء قالوا ماجلاء ها یارسول اللہ ﷺ قال کثرۃ تلاوۃ القرآن وذکر الموت '(حدیث) بے شک دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ دل کو مانجھنے اور صاف رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت اور موت کو یاد کرنا۔

زنگ آلود دل مردہ دل ہے :

جس میں خیر کے قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، رفتہ رفتہ اس کی تیرگی بڑھتی چلی جاتی ہے، اور بصیرت چھن جاتی ہے، حق کی راہیں تاریک ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' انها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (قرآن) بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے (بے بصیرت) ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ 'کلا بل ران علی قلوبهم ماکانوا یکسبون کلا انهم عن ربهم لمحجوبون' (قرآن) ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دل ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے زنگ آلود ہو گئے ہیں، ہرگز نہیں، بے شک وہ لوگ اپنے رب کی (زیارت) سے اس دن دور مہجور ہوں گے۔

دل کی صفائی اور پاکیزگی قرب خداوندی کا ذریعہ ہے، اور اس کی ناپاکی رحمت الٰہی سے دوری کا سبب ہے، خدا کی یاد تلاوت قرآن پاک اور تنہائی میں اس ذات بے ہمتا کا خیال دل کی پاکیزگی اور طہارت اور بیداری کا سبب ہے، انسان کا دل اگر فولاد ہے تو اللہ کی یاد مقناطیس ہے اور مقناطیس فولاد کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اگر دل میں اللہ سے تعلق اور عشق نہیں تو دل نہیں بلکہ گل (مٹی) سے بھی گیا گزرا ہے، حضرت امیر خسرو کا شعر ہے۔

دل بے عشق را من دل نه گفتم　　تن بے سوز را جزگل نه گفتم

☆☆☆

حقوق اللہ میں دخل اندازی مناسب نہیں

عن جندب ان رسول اللہ ﷺ حدیث ان رجلا قال: واللہ لایغفرن اللہ لفلان وان اللہ قال:من ذا الذی یتالی علی ان لااغفرلفلان ،فانی قدغفرت لفلان واحبطت عملک ،او کماقال'(حدیث ۲۸۹:السلسلة الصحیحة)

(ترجمہ):حضرت جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا:اللہ کی قسم !اللہ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا،اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کون کہتا ہے؟ یہ کون ہوتا ہے جو میرے بارے میں بات کرتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا؟ میں نے فلاں کو بخش دیا اور اس شخص کے عمل کو ضائع کر دیا۔

یہ حدیث ہماری سماجی زندگی کے اس خدوخال کو ظاہر کرتی ہے،جس میں ہم ایک دوسرے سے باہمی ربط کی بنیاد پر ملتے جلتے ہیں،معاملہ کرتے ہیں،خوشی ومسرت کے موقع پر ایک دوسرے کی خوشیوں کو دوبالا کرتے ہیں،اور کبھی کسی بات پر ناراض ہوتے ہیں تو لعن طعن بھی کرنے سے باز نہیں آتے ، بلکہ انتہاء یہ ہوتی ہے کہ اس کے دین وعقیدہ کی نفی کرتے ہوئے برملا اسے جہنمی بھی گردانے لگتے ہیں،یہی نہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اسے ایسا ہی سمجھیں،ایسے لوگوں کے لئے یہ حدیث تنبیہ کرتی ہے کہ یہ خدائی حقوق میں مداخلت کے مترادف ہے،تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ صراحت کے ساتھ کسی کی بخشش کی بھی نفی کردو،آج ہمارے معاشرہ میں یہ بیماری عام ہے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ جو کسی کو کافر کہتا ہے اور وہ بظاہر مسلمان کلمہ گو ہے تو یہ

کلمہ کفر خود اسی پر لوٹ آتا ہے، یعنی خود وہ اس قول کی زد میں آ کر اپنی دینی، ایمانی، روحانی زندگی کو پامال کرنے والا بن جاتا ہے، لہٰذا بہت ڈرتے رہنا چاہئے، سمجھانا اپنا کام ہے، جنت دوزخ کا فیصلہ یہ خالق کون ومکاں کی ذمہ داری ہے، دراصل اس بات کا اس حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دائرہ اختیار میں دخل اندازی نہ کرے، یہ اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کے حکم کی دو قسمیں ہیں، بندوں کے تعلق سے تقاضائے فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے کچھ کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ باتوں سے روکا ہے، اور بعض باتوں میں بندے کو اختیار دیا ہے، اگر نماز کا حکم دیا گیا ہے، فرائض کی ادائیگی لازم کی گئی ہے تو منہیات سے اجتناب کو ضروری قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس میں تو بندے کو اختیار نہیں کہ اس کو طاقت کے بل بوتے پر بدلوادے، یا اس کے برعکس کوئی دوسرا حکم لائے، البتہ اختیاری چیزوں میں بندے کو یہ موقع حاصل ہے کہ کرے تو بہتر ہے، نہ کرنے پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

آج بہت سے اختیاری شرعی امور میں بھی تخریبی تشخص کی بنیاد پر ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی تکفیر تک بات پہنچ جاتی ہے۔ شریعت نے ہر حال میں انابت کی تلقین کی ہے، ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اپنی مغفرت کے ساتھ دوسروں کی مغفرت کی دعا بھی کرنی چاہئے۔

☆☆☆

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ خندق کے موقع پر میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی کہ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑکر دیکھا تو سعدؓ اپنے بھتیجے حارث ابن اوسؓ کے ساتھ ہاتھ میں ڈھال لیے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جارہے تھے اور یہ شعر زبان پر جاری تھا،

البث قليلا يدرك الهيجا حمل

ماحسن الموت اذاحان الاجل

(ذرا ٹھہر جا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے، جب وقت آ گیا تو موت کا جام پینے میں کیا مضائقہ)

حضرت سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہیں آتا دیکھ کر میں نیچے بیٹھ گئی، جب وہ گزر گئے تو پھر کھڑی ہوئی اور چلتی ہوئی ایک باغ میں پہنچی جہاں کچھ صحابہ کرامؓ موجود تھے، حضرت عمرؓ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، مجھ پر نظر پڑی تو بولے، آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟ آپ بہت بے باک اور نڈر ہیں، اگر کچھ ہو گیا تو؟ انہوں نے مجھے اتنی لعنت وملامت کی کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی اے کاش! زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتی، وہیں ایک شخص زرہ پہنے بیٹھا تھا، اس نے سر سے خود اٹھائی تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ ہیں، انہوں نے حضرت عمرؓ کی زبان سے جو یہ سخت سخت باتیں سنیں تو کہنے لگے، اے عمرؓ! بس کرو بہت لعن طعن کر چکے، اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ کے دوران قریش کے ایک آدمی ابن العرقہ نے تاک

کر حضرت سعدؓ کے کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، حضرت سعد نے اس موقع پر دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میں بنوقریظہ کا انجام خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں، یہ قبیلہ جاہلیت میں ان کا حلیف اور حمایتی تھا، اور جنگ خندق میں مسلمانوں کے ساتھ اس نے بڑی غداری کی تھی، چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی، اور زخم اچھا ہونے لگا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تیز وتند یخ بستہ آندھیوں کے ذریعہ مشرکین کے لشکر کو درہم برہم کر دیا اور ان کی متحدہ افواج جو بڑے دنوں کی محنت کے نتیجہ میں تیار ہوئی تھی، بکھر کر اپنے اپنے گھر کو چلی، دوسری طرف بنوقریظہ نے بھی پیچھے ہٹ کر اپنے پرشکوہ اور ناقابل تسخیر قلعوں میں پناہ لی، اللہ کے رسول ﷺ بھی شہر میں واپس آگئے، اور مسجد کے صحن میں حضرت سعدؓ کے علاج معالجہ کے لئے ایک خیمہ نصب کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کر دی، مدینہ پہنچے ابھی آپ ﷺ کو زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپہنچے اور عرض کیا، کیا آپ ﷺ نے ہتھیار کھول دیے، بخدا ملائکہ نے اب تک ہتھیار نہیں رکھے ہیں، فوراً بنوقریظہ کی طرف چل کر ان کی خبر لیجئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فوراً اپنی زرہ پہنی اور لوگوں کو کوچ کا حکم دے دیا، جب آپ ﷺ کا گزر بنوتمیم پر ہوا جو مسجد کے پڑوس میں رہا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کچھ معلوم ہے تمہارے قریب سے ابھی کون گزرا تھا؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں حضرت دحیہ کلبیؓ گزرے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام عموماً حضرت دحیہ کلبیؓ کے حلیہ میں آیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے تقریباً ایک مہینہ تک بنوقریظہ کا محاصرہ کیا، جب محاصرہ سخت ہوا اور ان سے اللہ کے ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم کر کے قلعہ سے باہر آنے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے مشورہ چاہا، ابولبابہ نے اشارہ سے بتادیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فیصلہ تمہارے حق میں قتل ہی ہوگا، چنانچہ انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد ابن معاذؓ جو فیصلہ کریں، ہمیں منظور ہے، انہیں حکم بنادیا جائے، اس لئے کہ حضرت سعدؓ اور ان کا قبیلہ اوس جیسا کہ پہلے تذکرہ ہوا بنوقریظہ

کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا، انہیں ایک گدھے پر جس پر کھجور کی چھال کا پالان تھا، سوار کر کے اس شان کے ساتھ لایا گیا کہ ان کی قوم کے لوگ انہیں گھیرے ہوئے تھے، ان لوگوں نے حضرت سعدؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو بڑی عاجزی سے کہا، ہم آپ کے حلیف اتحادی اور بھائی بند ہیں اور آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہم اس وقت بالکل مقہور و مغلوب ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سعدؓ ذرا بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور یوں ہی بے پرواہی سے آگے بڑھتے رہے حتی کہ جب ان کے گھروں کے قریب پہنچ گئے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اب وقت آ گیا ہے کہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق فیصلہ کروں۔

ایک روایت میں حضرت ابوسعیدؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت سعدؓ گدھے پر سوار محاذ پر پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دیکھ کر صحابہؓ سے فرمایا: کھڑے ہو اور اپنے سردار کو نیچے اتارو، حضرت عمرؓ نے عرض کیا، ہمارا سردار اور آقا تو صرف اللہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں نیچے اتارو، پھر حضرت سعدؓ سے ان کا فیصلہ معلوم کیا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے، یہ فیصلہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم نے بالکل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دعا کی کہ اے میرے اللہ! اگر ابھی قریش کے آنحضرت ﷺ پر حملے اور ہونے ہوں تو مجھے ان کا جواب دینے کے لئے زندہ رکھ اور اگر اب آنحضرت ﷺ اور قریش کا یہ جنگی سلسلہ ختم ہو چکا ہو تو مجھے اپنے پاس بلا لے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس فیصلہ کے بعد ان کے زخم جو تقریباً مندمل ہو چکے تھے، کھل گئے، انہیں ان کے خیمے میں لایا گیا، جو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں کھڑا کروایا تھا اور وہیں ان کی وفات ہوئی، اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کے

آخری دیدار کو پہنچے تو بے اختیار رو پڑے حتی کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے کمرہ میں تھی اور تینوں کے رونے کی آوازوں کو الگ الگ پہنچان سکتی تھی، وہ لوگ ارشاد باری تعالیٰ 'رحماء بینھم' کی سچی تصویر تھے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

دروس وفوائد :

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بڑی باحیا اور باپردہ خاتون تھیں کہ مرد کی آہٹ سن کر فوراً چھپ گئیں، مبادا ان پر نظر پڑ جائے۔ جنگوں اور مہموں میں رجزیہ اشعار مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ شہادت کی تمنا جائز ہے جب کہ یوں ہی مصائب سے گھبرا کر مرنے کی تمنا کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آنا ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔ دشمن کا محاصرہ جائز ہے۔

مسلمانوں کے راز کو ظاہر کرنا خیانت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابولبابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بڑے پشیماں ہوئے اور مسجد نبوی ﷺ کے ستون سے اپنے آپ کو اس وقت تک باندھے رکھا جب تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول نہیں فرمالی۔ رضی اللہ عنہ

فریقین کی باہمی رضامندی سے جسے ثالث اور حکم بنایا گیا ہو، اس کا فیصلہ ہر حال میں قبول کرنا ہوگا۔ کوئی بلند مرتبہ شخص اپنے سے کم درجہ کے آدمی کو حکم بنا سکتا ہے۔

☆☆☆

عدل وانصاف کی بات

کائنات کی ہر چیز موزوں، متوازن اور مناسب ہے، خالق کائنات نے اپنی تخلیق کا یہی طرۂ امتیاز قرار دیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے :

ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت ،فارجع البصر هل تری من فتور، ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وهو حسیر (سورۃ الملک)

(اس مہربان ذات اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تم کوئی نقص نہ دیکھو گے، نگاہ دوڑا کر دیکھو، کیا تم کو کوئی شگاف نظر آتا ہے، پھر دوسری بار نگاہ ڈالو، تمہاری نگاہ ناکام ہو کر تھکی ہوئی تمہاری طرف لوٹ آئے گی۔)

لہٰذا اس مالک کی خواہش یہ ہے کہ جس طرح نظام تکوینی فتور ونقص سے پاک ہے، اسی طرح نظام تشریعی کے ذریعہ انسانی زندگی کو بھی ہر قسم کی کوتاہیوں سے پاک وصاف رکھا جائے، اسی مقصد کے لئے شریعت نازل ہوئی، اور حقائق کی ترازو قائم کی گئی اور آخرت کا تصور پیش کیا گیا، قرب قیامت کا احساس دلایا گیا، تاکہ ان کا ہر کام میزان شریعت کے مطابق ہو، اس عمل کے خیر وشر ہونے میں شریعت ہی کی میزان کو معیار وکسوٹی قرار دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ الذی نزل الکتاب بالحق والمیزان ومایدریک لعل الساعة قریب ' (سورۃ الشوری)

(اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا ہے، اور آپ کو کیا معلوم کہ قیامت قریب ہو)

میزان ایک تو وہ ہے جس سے ہم اشیاء کو تولتے ہیں جو اپنا لطیف یا کثیف کسی قسم کا جسم رکھتی ہے، میزان کی ایک قسم وہ ہے جس سے ان مادی اشیاء کے علاوہ معنوی اور علمی چیزوں کے مفید یا مضر ہونے کی نشاندہی کی جاتی ہے، اس میزان کا نام عقل سلیم ہے، عقل سلیم وہ میزان ہے جو حق و باطل میں امتیاز کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے اور یہ اوصاف نبوت میں سے ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جس بت گر و بت فروش ماحول میں پیدا ہوئے تھے، اس خصوصیت کے ساتھ جس امتیاز سے انہیں نوازا گیا تھا، وہ یہی عقل سلیم ہے جسے قرآن پاک میں 'رشد' سے تعبیر کیا گیا ہے:

ولقد آتینا ابراہیم رشدہ من قبل وکنابہ عالمین (سورۃ الانبیاء)

(اور ہم نے ابراہیم کو ہر کام میں صحیح رہنمائی عطا کی اور اس کو خوب پہنچاننے والے تو ہم ہی ہیں۔)

میزان کی تیسری قسم وہ عدل وانصاف ہے جس سے فرد یا جماعت بلکہ قوموں کے اخلاقیات کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے، قوموں کی زندگی میں اس کا بڑا موثر رول رہا ہے، جو قومیں عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتیں، ظلم وجفا ان کا شیوہ بن جاتا ہے، اور یہ جرثومہ جس فرد یا جماعت میں سرایت کر گیا، تاریخ نے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ہی دم لیا ہے، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، اصحاب ایکہ، اصحاب اخدود، فرعون مصر، اور نمرود کی تاریخ یہی رہی ہے، یہاں تک کہ ان کی زندگی کی شام کو نور سحر کی تنویر نہ مل سکی، اور آخر وقت میں فرعون نے 'الہ موسیٰ' کا دم بھرنا چاہا تو اس کے منہ میں مٹی بھر دی گئی اور خاک چاٹتا وہ دنیا سے اپنے لاؤ لشکر سمیت سدھار گیا:

مابکت علیہم السماء والارض وماکانوا منظرین' (سورۃ الدخان)

(نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین نے آنسو بہایا اور نہ ہی انہیں مہلت ملی)

عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے میں دو چیزیں حائل ہوتی ہیں :

(۱) غایت حب (۲) شدت بغض

اس کی وجہ سے ہر زمانہ میں عدل وانصاف متاثر ہوتا رہا ہے، اور ظلم وجفا کاریوں کے

فروغ کا سبب بھی یہی دو عنصر رہے ہیں، قرآن پاک نے ان دونوں کی نشاندہی کی اور اس سلسلہ میں اعلیٰ تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ساتھ منشا تقوی اسے قرار دیا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

یاایھا الذین آمنو اکونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین (سورۃ المائدہ)

(اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے بنو، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، خواہ وہ اپنے خلاف ہو یا والدین وخویش واقارب کے خلاف ہو)

انسان کو اپنی ذات بہت محبوب ہوتی ہے، اس کے بعد اس کے اصول وفروع، والدین اور اولاد ہوتی ہے، پھر اقارب کا نمبر آتا ہے، ان کی محبت عدل وانصاف کے قائم کرنے میں بارہا حائل ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے حکومت کے ایوانوں میں، مدارس، مکاتب اور خلوص للّٰہیت کے مراکز خانقاہوں میں اس کے اثرات کے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں، اسلام نے اس آیت کے ذریعہ جو ذہنی اور فکری تربیت کی، اس کا اثر یہ ہوا کہ دنیا ہی بدل گئی، فکری انقلاب نے زندگی کا دھارا ہی موڑ دیا۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے عالم محدث اور نامور قاضی گزرے ہیں، ایک دفعہ ان کے صاحبزادے نے عرض کیا کہ ابا جان! فلاں شخص سے میرا فلاں معاملہ میں نزاع ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس مقدمہ کو آپ کے عدالت میں لے جاؤں، لیکن معاملہ کی صورتحال آپ پہلے سن لیں، اور یہ اطمینان دلا دیں کہ مقدمہ میں کامیابی ہمیں ملے گی، تو میں آپ کی عدالت سے رجوع کروں، قاضی نے معاملہ کو بڑی سنجیدگی سے سنا اور فرمایا کہ تم عدالت سے رجوع کرو، بیٹے نے باپ کی عدالت میں تصفیہ پیش کیا اور باپ نے بحیثیت قاضی بیٹے کے خلاف فیصلہ سنایا، بیٹا انگشت بدنداں رہ گیا، عرض کیا ابا جان! صورتحال تو آپ کو پہلے ہی بتلا دیا تھا، آپ اسی وقت فرما دیئے ہوتے تو مجھے عدالت میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔

انصاف کی بات :

قاضی صاحبؒ نے کہا کہ بیٹا تمہیں شرمندگی ہوئی لیکن یہ معاملہ عدل وانصاف کا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اگر میں پہلے بتادیتا تو ہوسکتا تھا تم اس شخص پر دباؤ ڈال کر صلح کر لیتے، اور اس طرح اس کا حق تم دبا لیتے، اس لئے میں نے تم سے یہ کہا کہ عدالت سے رجوع کرو تا کہ حق حق والے تک پہنچ جائے، فیصلہ چاہے اپنی ہی خلاف کیوں نہ ہو۔

عدل وانصاف کی تاثیر :

احمد شاہ ابدالی کا واقعہ بھی ایسا ہی نقل کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ کے خویش (داماد) نے ایک آدمی کو کسی بات پر قتل کر دیا اور دباؤ ڈلوا کر اس قتل کے کیس کو عدالت تک نہ پہنچنے دیا، کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کو کسی طرح اس کی اطلاع ہوگئی، بادشاہ نے فوراً اس معاملہ کو قاضی کی عدالت میں پیش کیے جانے کا حکم دیا، عدالت کا فیصلہ کھلا ہوا تھا، بادشاہ کے داماد کو پھانسی کی سزا سنائی گئی، ملکہ نے سفارش کی اور کہا کہ شہزادی بیوہ ہوجائے گی، رحم کی اپیل کی لیکن بادشاہ نے کہا: اگر غریب کی بیٹی بیوہ کی جاسکتی ہے تو بادشاہ کی بیٹی بھی بیوہ ہوسکتی ہے' داماد کو سولی دے دی گئی اور کئی دن تک لاش سولی پر لٹکتی رہی۔

دوسرا عنصر شدت غضب یا بغض ہے، نفرت، بیزاری، عداوت، شکر رنجی کی وجہ سے عدل و انصاف کا کہاں کہاں اور کس کس انداز میں خون ہوتا رہتا ہے، اور ظلم و بربریت اور سفاکی کے خون آشام مناظر پیش آتے رہتے ہیں، آج انہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آج ہر کام پروفیشنل ہو گیا ہے، اخلاقی حیثیت پہلے ہی مجروح ہو چکی ہے، لیکن جب دین قائم ہوتا ہے اور اخلاقی تقاضوں کی بالادستی ہوتی ہے تو اس قسم کے نمونے سامنے آتے ہیں جس کی عقل توجیہ کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا عہد خلافت ہے، سمرقند کا ایک وفد دارالخلافہ حاضر ہوتا ہے، اور خلیفہ وقت سے شکایت کرتا ہے کہ اسلامی فوج کے سپہ سالار اعظم قتیبہ بن مسلم باہلی نے اہل سمرقند

پر حملہ سے پہلے نہ دین پیش کیا اور نہ ہی صلح و جزیہ کی بات کی، اس طرح انہوں نے اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے، ہم انصاف کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے قاضی جمیع بن حاضر باہلی کو اس مقدمہ کی سماعت پر مامور کیا، قتیبہ بن مسلم 'باہلی' خاندان کے تھے اور قاضی صاحب کا تعلق بھی اسی خانوادہ سے تھا، معاملہ اسلام اور کفر کے درمیان تھا، مسلمانوں کا داخلہ فاتح کی حیثیت سے سمرقند میں ہو چکا ہے، اس کی فتح پر تقریباً سات روز گذر چکے ہیں، انتظامی ذمہ داریاں مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں لے لیں ہیں، حالات اس کے غماز ہیں کہ فیصلہ ہر حال میں مسلمانوں کے حق میں ہوگا، لیکن جب عدل و انصاف کی بالادستی ہوتی ہے تو مظلوم کو اپنی فصل خصومات کے لئے مرافعہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اور اسے انصاف ملتا ہے۔

حضرت قاضی جمیع بن حاضر باہلی نے مقدمہ کی سماعت کی اور فیصلہ سنایا کہ: چونکہ اسلامی فوج نے اسلامی اصول جنگ کی خلاف ورزی کی ہے، لہذا فوج فوراً شہر چھوڑ کر بیرکوں میں واپس آجائے، اس کے بعد اہل شہر کو موقع دیا جائے، وہ دین قبول کرلیں یا جان و مال کے تحفظ کے عوض جزیہ پر راضی ہو جائیں، اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات قبول نہ کریں تو پھر جنگ کی جائے'

اسلامی فوج نے اس فیصلہ کو قبول کیا، لشکر اسلام سمرقند سے باہر کیمپوں میں آگیا، لیکن اہل شہر کو اس واقعہ نے اس درجہ متاثر کیا کہ انہوں نے صرف شہر کو اسلام کے حوالے نہیں کیا بلکہ برضا و رغبت اسلام کو بطور دین قبول کرلیا، اس سے معلوم ہوا کہ عدل کی تاثیر و تیر و تفنگ سے بھی زیادہ ہے۔

مگر اسلام جیت گیا :

اس طرح کا واقعہ ایک دفعہ مظفر نگر کے مردم خیز قصبہ کاندھلہ میں پیش آیا، انگریزوں کی حکومت تھی، کاندھلہ کی جامع مسجد کے قریب زمین کے تعلق سے ہندو مسلمانوں میں نزاع پیدا ہوگیا،

مسلمان کہتے تھے کہ یہ زمین مسجد کی ہے، اور ہندوؤں کا دعوی تھا کہ یہ مندر کی اراضی ہے، موضع ایلم پور جو کاندھلہ کے قریب ہے، وہاں انگریز جج کا کیمپ لگا ہوا تھا، مقدمہ پیش ہوا تو جج نے ہندوؤں سے کہا کہ کوئی مسلمان اس بات کی شہادت دے کہ یہ زمین مندر کی ہے تو تمہارے حق میں فیصلہ ہو جائے گا، اس طرح مسلمانوں سے بھی شہادت پیش کرنے کی بات کہی گئی، مسلمانوں نے کہا کہ کوئی ہندو اس کی شہادت نہیں دے گا کہ یہ زمین جامع مسجد کی ہے، ہم کسی ہندو کو پیش کرنے سے قاصر ہیں، لیکن ہندوؤں نے کہا کہ ہم تیار ہیں، وہ قصبہ کے ایک بزرگ عالم دین مولانا الٰہی بخش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا سنایا، انہوں نے کہا کہ میں شہادت کے لئے تیار ہوں، لیکن مشکل یہ ہے کہ میں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ کسی انگریز کا منہ نہیں دیکھوں گا، اس لئے معذور ہوں، انگریز جج سنجیدہ اور معاملہ فہم تھا، اس نے کہا کہ وہ آجائیں اور پشت میری جانب کر کے اپنی بات کہہ دیں، ہم انہیں عزت کے ساتھ واپس کر دیں گے، اس پر وہ راضی ہو گئے اور حاضر عدالت ہوئے اور انگریز جج کی طرف پشت کر کے کہا 'وہ اراضی درحقیقت مندر کی ہے مسجد کی نہیں' فیصلہ ہندوؤں کے حق میں ہو گیا، مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا، کئی خانوادے اسلام سے قریب ہو گئے اور نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، لہٰذا قرآن پاک کا ارشاد ہے :

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی' (سورۃ المائدۃ)

(اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ قریب ہے تقوی سے)

حضرت عمار ابن یاسرؓ نے فرمایا: ثلاث من جمعھن جمع الایمان الانصاف من نفسک 'بذل السلام للعالم' والانفاق من الاقتار (بخاری شریف) (جس نے تین چیزیں جمع کرلیں اُس نے ایمان کو حاصل کرلیا، اپنی ذات سے

انصاف، سب کو سلام کرنا، اور مفلسی میں بھی خرچ کرنا) 'من نفسک ' کا یہاں دو مفہوم ہوسکتا ہے، وہ یہ کے انصاف دل سے کرے، انصاف کرنے میں حکومت کا خوف، رشوت کی فکر اور دیگر محرکات سے وہ آزاد ہو، نہ دکھاوا ہو نہ ریا، اور ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ، انصاف اپنی ذات میں کرنا' اپنے معاملہ میں کرنا، کیونکہ دوسروں کے معاملہ میں انصاف کرنا بہ نسبت اس کے کچھ آسان ہے، جو شخص خود اپنے معاملہ میں انصاف کرے گا وہ دوسروں کے معاملہ میں بطریق اولی انصاف کرے گا۔

انصاف کی بات بھی یہی ہے کہ ہر معاملہ کو اپنی ذات کے تناظر میں دیکھے اور یہ خیال کرے کہ اس موقع پر وہ خود ہوتا تو اس کی خواہش کیا ہوتی، یہ تصور بھی بہت حد تک عدل وانصاف پر قائم رہنے میں مد ومعاون ہوگا، آج اسی کی کمی ہے، ہر شخص فرد ہو یا جماعت ہر چیز میں اس کی ترجیحات کا محرک انتفاع ہے، سیاست ہو یا تجارت، یا اور کوئی شعبہ، اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر ظلم کرنا، کسی کی عزت وناموس سے کھیلنا، غربت وافلاس کی بناء پر استحصال کرنا، کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا، ایک عام بات ہوگئی ہے اور فساد ہی فساد ہر طرف پھیلتا جارہا ہے، آج قومی سیاست کا المیہ یہی ہے، اور مسلمان بھی اس خودغرضانہ سیاست کے پرفریب جال میں پھنستے اور تعفن خیز کیچڑ میں دھنستے چلے جارہے ہیں، عدل کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیں کسی فرد یا جماعت کو تعاون دیتے وقت بھی اس اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

'تعاونو اعلی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان'

(سورۃ المائدۃ) (نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو، برائی اور زیادتی کے کاموں میں ہاتھ نہ بٹاؤ)

مسلمانوں کے مشترک دشمن :

لہٰذا کسی پارٹی، جماعت، تنظیم کا ساتھ دیتے وقت اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، سیاسی پارٹیوں میں سے بھی اس پارٹی کا انتخاب عدل سے زیادہ قریب ہوگا جس کی سیاست خودغرضانہ

سیاست سے کچھ بلند ہو، حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے مشترک دشمن تین تھے، اور تینوں سے مسلمانوں کو بڑی تکلیفیں پہنچیں، ایک طرف مدینہ میں یہودی تھے، جو ہر آن کسی افتاد کے متمنی رہے اور زیر زمین مسلمانوں کے خلاف سازشیں ان کی برابر جاری رہتیں۔

دوسری طرف قریش مکہ تھے جو اپنی سیادت وقیادت کے زعم میں اہل اسلام اور داعی اسلام کے شدید مخالف تھے، اور مرنے مارنے کے درپے تھے، نتیجتاً غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق اور دیگر غزوات وسرایا اسی شدت مخالفت کی وجہ سے پیش آئے، لیکن غزوہ خندق کے بعد جب کفار قریش کچھ نروس ہوئے اور قحط سالی کی وجہ سے معاشی اور اقتصادی زبوں حالی کا شکار ہوئے تو اس وقت ان سے مصالحت کی کوشش مفید ہو سکتی تھی۔

تیسری طرف غطفان وفزارہ کے قبائل تھے جن کا پیشہ رہزنی تھا، اور وہ اس طرح اہل مدینہ کے لئے سوہان روح بنے ہوئے تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان تینوں میں قریش کو صلح کی دعوت دی، اس لئے کہ بہر کیف ان میں شرافت تھی، اور بہت سے ایسی خوبیاں تھیں جو دوسروں میں نہیں تھیں، اور اس طرح یہود کے لئے آپ فارغ ہو گئے، اور غطفان وفزارہ کی متحدہ کوئی طاقت نہیں تھی، اس لئے وہ جلد ہی سرنگوں ہو گئے، لہٰذا کمزوری کے زمانے میں مسلمانوں کو ایسی جماعت اور اوچھے پن، سفلہ خصلت جماعتوں کا زور کم کیا جا سکے، آج کی سیاست کا بھی یہی تقاضہ ہے، ہندوستان کی جو صورتحال ہے اس میں مسلمانوں کو اسی سیاست پر گامزن رہ کر اپنے دین وایمان کا تحفظ کرنا ہوگا۔

☆☆☆

دل میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف

مسلمانوں کی فتح ونصرت وترقی و بہبود کا سب سے بڑا سبب ان کا تعلق مع اللہ اور نصرت خداوندی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بات صرف نظری وفکری نہیں، بار بار اور پیہم تجربوں نے اس کو ایسا بدیہی بنادیا تھا کہ اس حقیقت سے وہ مسلمان جو عملی کوتاہیوں میں مبتلا تھے انکار نہیں کرسکتے تھے، بلکہ اس کو سب اول اور ضروری امر کے درجہ میں سمجھتے تھے، اسلامی فرمانرواؤں میں سب سے بڑا ظالم اور خون آشام شخص حجاج بن یوسف ثقفی کو سمجھا جاتا ہے، جس نے بہت سے معصوم انسانوں کو بے دریغ قتل کرادیا، جس میں اس دور کے بہت سے نامور علماء، مشائخ، اور ارباب صلاح بھی تھے، اس وقت جب محمد بن قاسم ثقفی نے راجہ داہر کے مقابلہ میں سندھ میں محاذ آرائی کی ہے، جو اُس کو خط لکھا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے، راجہ داہر کی زبردست ہاتھیوں والی فوج سے اسلامی فوجوں کا مقابلہ ہے، اس وقت اس مضمون کا خط حجاج ابن یوسف نے محمد بن قاسم کو تحریر کیا ہے۔

کامیابی کی روح :

''پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر وقرأت، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کیا کرو، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہوسکتی، اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہوں گے۔'' (حیاۃ المسلمین ص ۲۲)

پھر راجہ داہر کے مارے جانے کا حال محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو لکھا تو قاصد حجاج کی طرف سے یہ خط لے کر آیا۔ ''تمہارا اہتمام وانتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے، مگر ہر عام وخاص کو امان دینے اور دوست ودشمن میں تمیز نہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ کام بگڑ جائے۔'' (حیاۃ المسلمین ص ۲۳)

اس میں آخر کون سی حقیقت ہے جس پر اہتمام سے زور دے کر اس پر عمل کرنے کی بات کہی جارہی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات کسی مسجد کے امام، کسی مدرسہ کے مولوی کی طرف سے نہیں کہی جارہی ہے بلکہ ایک ایسے شخص کی طرف سے کہی جارہی ہے جو رعب وداب میں کسی وائسرائے یا گورنر سے کم نہیں ہے، اور وہ حاکم ایسا بھی نہیں جو خلفائے راشدین میں سے ہو، بڑا ظالم اور خودسر ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ جذبہ خداترسی سے نہ سہی دنیا طلبی اور حکومت وسلطنت کی وسعت وجاہ وجلال کی خاطر ہی سہی، اس کو وہ سمجھتا ہے کہ :

''یہ ہماری عبادات نماز روزہ اور دیگر احکام قرآنیہ کی اطاعت ہی ہمارے فتح وظفر کی روح ہے، اور ہماری ہر کامیابی دنیوی بھی اسی میں مضمر ہے۔''

اور دوسرے خط کے جواب میں اس کا یہ لکھنا کہ ''تمہارا اہتمام وانتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے'' گویا اس کا اظہار ہے کہ اعمال شرعیہ کا فتح وظفر میں اور نصرت خداوندی میں اثر ہے، اور استحکام واستقرار بھی اعمال شرعیہ کی رعایت کے بغیر حکومت وسلطنت کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

تقریباً اسی مضمون کا خط حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں تمام مسلم حکام کے نام جاری فرمایا تھا، جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں بالفاظ ذیل روایت کیا ہے۔

'ان اھم امرکم عندی الصلوٰۃ 'فمن ضیعھا فھو لما سوا ہا اضیع' 'میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے جس نے اس کو ضائع کردیا وہ دوسرے کام کو اور بھی زیادہ ضائع کرے گا۔

یہ حکم امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کا کوئی خانقاہی تلقین کا نہیں ہے، جس کو کوئی دانشور، روشن خیال، مغرب زدہ یہ کہہ کر نظر انداز کردے کہ یہ سیاست سے ناآشنا خلوت نشینوں کے خیالات ہیں، بلکہ امت اسلامیہ کا ایک باوقار خلیفہ رمز آشنائے سیاست حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے، جن کی سیاسی بصیرت کا اعتراف خود گاندھی جی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''صرف صدیقؓ وفاروقؓ ہی کی سیاست قابل تقلید ہے۔'' (حیاۃ المسلمین مقدمہ)

فتح میں تاخیر کی وجہ :

فاتح مصر حضرت عمرو ابن العاصؓ نے اسکندریہ کا جب محاصرہ کیا تو محاصرہ گزشتہ اور شہروں کے محاصرے کے برعکس طویل رہا، محاصرہ کو تقریباً ایک ماہ ہی ہوئے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اس محاصرہ کی خبر اس طویل مدت کے تعلق سے پہنچی تو اس وقت حضرت عمرو ابن العاصؓ کو جو خط لکھا اس میں امیر المؤمنین نے اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے اور تاخیر فتح کے مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی تجویز یہ فرمائی کہ: ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں مصر وقاہرہ کے اموال عظیمہ کی طمع آگئی، اور اخلاص عمل میں کمی آگئی، یہی سبب تاخیر فتح کا ہو رہا ہے، جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد اپنے ان خیالات سے توبہ اور نصرت الٰہی کے لئے دعا کر کے یکبارگی حملہ کرو'' (حیاۃ المسلمین ص ۲۴)

عمرو ابن العاصؓ نے حکم کی تعمیل اسی انداز میں فرمائی، اور اسکندریہ فتح ہو گیا، آج کا مسلمان اپنی کامیابی وفلاح کی دوا کبھی جرمن اور کبھی جاپان وامریکہ کے کارخانوں میں تلاش کرتا ہے، اور نت نئے طریقے، آئیڈیالوجی اور نظریات سے استفادہ کرنے میں ترقی کی شاہ کلید دریافت سمجھتا ہے، اصل حقیقت اس کے گھر میں موجود ہے، لیکن غفلت سے بے شعوری کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہمارا کارواں ترقی کی شاہراہ سے جس قدر ہٹا ہوا معلوم ہوتا ہے اس کی اصل وجہ اتباع طریقہ نبویؐ سے دور ہونا نہ کہ جدید وسائل کی کمی اور ٹکنالوجی کی قلت۔

گذارش والتماس :

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ہم امت مسلمہ خاص طور پر اس دانشور طبقہ سے جو دن رات امت کی اصلاح کی فکر میں پڑا ہوا ہے، اور یک طرفہ طور پر ملت کی پسماندگی محض عصری تعلیم سے دوری کو قرار دیتا ہے، اس کے لئے وسیع تر تعلیمی کارواں کی تشکیل کرتا ہے، بڑے بڑے منصوبے پیش کرتا ہے، دینی بیداری کے لئے اس موضوع پر کثرت سے مضامین لکھتا ہے، مجلس مذاکرہ کا انعقاد کرتا ہے، اور اس موضوع پر چھان پھٹک اور داد تحسین دیتا ہے، لیکن اگر توجہ نہیں دیتا تو صرف اس حقیقت کی

طرف جس کے بغیر کوئی ترقی ترقی نہیں، بلکہ وہ ایک دانشور طبقہ بزعم خویش دین کو ایک محض پرائیویٹ معاملہ تصور کرتا ہے، چنانچہ اس پہلو سے خود اپنی زندگی کی بھی اصلاح کی کوشش نہیں کرتا، حالانکہ عقیدہ کا معاملہ، عبادات کی اہمیت وآخرت کے تصور کے بغیر ملت کا وجود ہی کیسے باقی رہ سکتا ہے کہ ملت کا نام لے کر اس کو پکارا جائے اور ملی اقبال کی فکر نہ کی جائے، حالانکہ تعلیم کا مقصد سب سے اہم یہی ہے کہ وہ اپنے تشخص کو صرف قائم نہ رکھے، بلکہ اس کو فروغ دینے کی فکر کرے، اور یہ بات کیا دل میں 'لاالٰہ' کی حقیقت جاگزیں ہوئے بغیر ممکن ہوسکتی ہے، ہاں اگر اس حقیقت کو دل میں بٹھا دیا جائے تو پھر دانہ فرنگ کی تب وتاب اسے اسیر نہیں کرسکتی۔ علامہ اقبالؒ جو میخانہ حجاز اور میکدہ فرنگ دونوں کے رند بلانوش تھے، بہت پہلے اس حقیقت کو شعری پیکر دے کر دلآویز بنادیا تھا کہ

دل میں ہو لا الہ تو کیا خوف　　تعلیم ہو گو فرنگیانہ

یہی شرط مفقود ہے :

مگر افسوس کہ اس طرف سنجیدگی سے غور نہیں کیا جارہا ہے، دین کا معاملہ ایک ایسی بے کس شخص اور حرماں نصیب کا معاملہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جب دل میں جذبہ ترحم بیدار ہو یا نام ونمود کی ہوس انگڑائی لے تو چند سکے اس کی طرف بھی ڈال دیے جائیں، یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے باوجود بہت سی نوجوان نسلیں الحاد ودہریت کا شکار ہوگئیں اور ملت کے لیے بلائے بے درماں ثابت ہوئیں، اور ہورہی ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ علوم حاصل نہ کیے جائیں، اس لئے کہ ملت کو ڈاکٹر، انجینئر، کارپینٹر، آرکیٹکٹ اور دیگر مادی علوم وفنون میں ماہرین کی ضرورت ہے، لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ وہ مسلمان ہوں، اور آج یہی شرط عملاً مفقود ہے، جس کا نتیجہ آج پوری امت بھگت رہی ہے۔

اسکول کالج قائم کرکے سیاسی مناصب سرکاری عہدوں اور دیگر مادی فوائد کا حصول کافی نہیں، بلکہ یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ملت کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ اور انہیں کیسے پورا کیا جائے، ہمارے رہبران سیاست کی نظر تو ادھر جاتی ہی نہیں، رہ گیا دانشور طبقہ تو تعلیم کی حقیقی روح سے

نہ صرف اغماض برتتا ہے بلکہ اس کے نزدیک عملاً وہ شئے لایعنی کے مترادف ہے۔ ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں اسکول کالج مسلمانوں کے چل رہے ہیں، جن پر ملت کا کروڑوں روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے، مگر اس سے وہ فائدہ نہیں حاصل ہو رہا ہے جو حقیقتاً مطلوب ہے، یعنی ایک طرف ہمارا طالب علم بہترین گریجویٹ 'ڈاکٹر اور انجینئر بن کر نکلے، تو دوسری طرف بہترین مسلمان بھی ہوتا کہ اس کی اسلامی فکر کی روشنی سے گردوپیش کے الحادی اندھیرے دور ہوں، اور اس کے عمل سے سماج کو تسکین خاطر اور تقویت ملے، افسوس اس کا یہ ہے کہ دوسری اقلیتیں اور خصوصیت سے عیسائی مشنریاں اس دستوری حق سے پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں، اور اپنے اداروں میں بائبل وعیسائیت کی تعلیم دیتی ہیں، مگر مسلمان اپنے احساس کمتری یا دانشور طبقہ کی ایسی ہی سطحی رہنمائی کی وجہ سے اب تک اس طرف متوجہ نہیں ہو سکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بے پردگی عام ہو رہی ہے، جنسی بے راہ روی کی گرفت بڑھتی چلی جا رہی ہے، اسلامی معاشرہ کی تصویر بگڑتی چلی جا رہی ہے، اس لئے کہ غالب طبقہ تو وہی ہے، جو ان اداروں میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، جن کی کوئی دینی بنیاد نہیں ہے، جہاں دین ومذہب بازیچہ اطفال تصور کیا جاتا ہے، اسلام کے تعلق سے انتہائی بھونڈی تصویر پیش کی جاتی ہے، جہاں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام ایک دہشت گرد مذہب ہے۔ ان اداروں سے جو نسل پروان چڑھ رہی ہے، اس کے اندر جب اسلامی حمیت بیدار ہوتی ہے، اور غیرت اسلامی کے شرارے بھڑکتے ہیں تو پھر اس کا سوچنا حقوق کی بازیابی کے لیے انہیں خطوط پر ہوتا ہے جو رائج الوقت اور مغربی طرز فکر کی دین ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ طبقہ اصلاح کے نام پر اٹھتا ہے، اور اسلام پسندی کا لیبل لگاتا ہے تو اس کے لئے وہ طریقہ کار اپناتا ہے جو کارل مارکس 'اسٹالن کا تو ہو سکتا ہے، داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نہیں ہو سکتا، اور پھر ان پر انتہا پسندی کا لیبل لگ جاتا ہے، آج عام طور پر اسلامی وغیر اسلامی ملکوں میں اٹھنے والی اصلاحی تحریکوں کا حال یہی ہے کہ اعتدال وتوسط کی راہ سے وہ ہٹی ہوئی ہیں۔ کاش نوجوان طبقہ جو اصلاح کی فکر میں بڑا متحمس معلوم ہوتا ہے اس کو اسلامی دعوت واصلاح کی تاریخ کا کچھ علم ہوتا، اور وہ

انہیں خطوط پر اپنی کوششیں جاری رکھتا، جہاں پر یہ طریقہ اس دور میں بھی اپنایا گیا، الحمدللہ نتائج اچھے رہے ہیں، اور جہاں اس سے اغماض برتا گیا وہاں اگر کچھ رعایت کا معاملہ تھا تو اس سے بھی محروم ہونا پڑا۔

آج ہم دشمنوں کے نرغے میں ہیں :

لہٰذا ہم یہی گذارش کریں گے کہ آج ہم دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ہیں، طرح طرح کی مشکلات کا ہمیں سامنا ہے، ان مشکلات سے نکلنے کے لئے جو قسم قسم کی تدبیریں کی جارہی ہیں، ان سب کی کامیابی کا راز اطاعت الٰہی میں مضمر ہے، افسوس کہ ہم اس کی طرف نہیں آتے جو تمام کامیابیوں کی کفیل اور تجربہ سے صحیح اور یقینی ثابت ہوچکی ہے، آج ضرورت ہے کہ معاشی، تکنیکی، تعلیمی اور معاشرتی سطح پر جو بھی ہماری کوشش ہو اس میں عملا اولیت دین کو دی جائے، اور اس کو پرائیویٹ مسئلہ نہ بنایا جائے، بلکہ اس کو ترجیحی بنیاد کی حیثیت دی جائے، جب صحیح دینی روح پیدا ہوگی تو خودنمائی اور جاہ پسندی کی وجہ سے ہم میں جو پھوٹ اور انتشار پیدا ہورہا ہے، اس کا دائرہ بھی آہستہ آہستہ تنگ ہوتا چلا جائے گا اور 'واعتصموا بحبل اللہ' کی کیفیت پیدا ہوجائے گی۔ ورنہ حشر وہی ہوگا جو اب تک ان محاذوں پر تھوڑی بہت کوشش اس سے پہلو کی رعایت کے بغیر کرنے سے ہوا ہے۔ اور اس کا نتیجہ جو ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ روز بروز دشمنوں کی سازشوں اور فریب کے دلدل میں پھنستے ہی چلے گئے اور ہماری تھوڑی بہت جو کوشش تھی، وہ ہمارے کام نہیں آئی، لیکن اپنی بساط کے مطابق کوشش کے ساتھ اگر صبر وتقویٰ خداترسی اور استقامت کی زندگی اختیار کی جائے تو اس معرکہ میں بھی کامیاب ہم ہی ہوں گے 'ان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا' اگر تم صبر کرو اور خداترسی کی راہ اختیار کرو تو ان کی سازش تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس حقیقت کو ہمیں نہیں بھولنا چاہئے۔

نہ ہرگز ان پہ غالب کسب مال وجاہ سے ہوں گے — نہ جب تک حملہ آور ان پہ دینی راہ سے ہوں گے
نہ ہرگز کامراں سعی گہ وبے گاہ سے ہوں گے — نہ جب تک مل کے سب وابستہ حبل اللہ سے ہوں گے

☆☆☆

خوداعتمادی یا خدااعتمادی

خوداعتمادی انسان کا وہ جوہر ہے جس کے ذریعہ وہ بہت سے اہم امور کی انجام دہی اور زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دینے کے قابل سمجھا جاتا ہے، اگر انسان کو اپنی ذات، اپنے علم، اپنے فن اور اپنی مہارت نیز اولوالعزمی، حمیت وغیرت اور اپنی جرأت وجسارت پر اعتماد نہ ہو تو زندگی کی شاہراہ پر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی قابل ذکر خدمات انجام دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرسکتا ہے، اسی خوداعتمادی کے جوہر کو پروان چڑھانے اور اس کی قوت کو فروغ دینے کا حکم قرآن پاک میں یوں دیا گیا ہے 'اعدوا لھم مااستطعتم من قوۃ' اور تم مقابل کو سامنے رکھتے ہوئے حتی الامکان اپنی قوت بڑھاؤ۔ (الانفال)

خوداعتمادی کے جوہر کو نمایاں کرنے کے لئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اس کے اسباب ومحرکات کو اختیار کرنا پڑتا ہے، وہ کوئی جنس نہیں جس کو کسی دکان سے خرید کر حاصل کرلیا جاتا ہے، وہ ایک کردار ہے جس سے انسان باکردار بنتا ہے، وہ ایک وصف ہے جس سے متصف ہوتے ہی ایک امتیازی شان پیدا ہوجاتی ہے، خوداعتمادی کو 'خودی' بھی کہا جاتا ہے، علامہ اقبالؒ نے خودی کے اسرار ورموز کو اسرار خودی میں خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی یا خوداعتمادی :

خودی یا خوداعتمادی کی سرحد غرور وتکبر اور فریب نفس کی کھائی سے بھی ملتی ہے، اس لئے

اسلام نے وہ خود اعتمادی جو خدا اعتمادی کی معرفت سے نا آشنا ہو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے، بلکہ اس کو مہلک قرار دیا ہے، اپنی ذات پر اعتماد کی بنیاد پر دوسروں کی حق تلفی اور کبھی تحقیر بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ 'بحسب امرىء من الشران يحقر اخاه المسلم' کسی عظیم فرد کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ اس لئے اہم امور میں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے تا کہ وحدت رائے کی بنیاد پر فریب نفس کا گمان بھی پیدا نہ ہو، لیکن جب مشورہ سے کوئی بات طے ہو جائے تو پھر پورے عزم وارادہ کے ساتھ اسے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، لیکن نتائج کے مقابلہ میں اللہ عزوجل پر کامل اعتماد کی بات کہی گئی ہے 'وشاورهم فى الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين' معاملہ میں ان کے ہمراہ مشورہ کرلیں' تو جب عزم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کریں' بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے'۔

شریعت کی اصطلاح میں اسی خود اعتمادی کو توکلی سے تعبیر کیا جاتا ہے' توکل کے معنی ترک عمل کے نہیں ہیں' اور نہ ہی دوسروں پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو میدان عمل سے ہٹا لینے کا نام ہے بلکہ حقیقت میں توکل سراپا عمل ہے، اور عمل کے نتائج اپنے عزم وارادہ اور آرزو کے مطابق ہونے میں اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ کرنا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے' اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا 'اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی) علامہ سید سلیمان ندویؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ ''اس حدیث سے بھی مقصود ترک عمل اور ترک تدبیر نہیں کیونکہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں بیٹھ کر یہ روزی نہیں پہنچائی جاتی ہے بلکہ ان کو بھی اڑ کر کھیتوں اور باغوں میں جانے اور رزق تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے'' اس سلسلہ میں وہ اپنی قوت بازو پر اعتماد کرتے

ہیں اللہ کے سہارے دور دراز خطوں تک پرواز بھرتے رہتے ہیں اسی طرح مومن فضائے لامحدود میں اپنی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے خدا کے سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے' علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو یوں پیش کیا ہے کہ۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی — کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے — جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے' اور جو کوئی اللہ سے ڈرے وہ اس کے لئے مشکل سے نکلنے کا راستہ کردے گا اور اس کو وہاں سے روزی سے دے گا جہاں سے اس کو گمان نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کو بس ہے بیشک اللہ اپنے ارادہ کو پہنچ کر رہتا ہے' اس نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کردیا ہے۔ (سورۃ طلاق)

خوداعتمادی توکل ہے :

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے توکل کی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ ''اوپر کی تفصیلوں سے ہویدا ہے کہ توکل جس قلبی یقین کا نام ہے اسی کے قریب قریب آج کل کے اخلاقیات میں 'خوداعتمادی' کا لفظ بولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کامیاب افراد وہی ہوتے ہیں جن میں یہ جوہر پایا جاتا ہے۔'' (سیرۃ النبی ج ۵ ص ۲۴۶)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (اور اس سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب کوئی چیز مانگنا چاہے تو بس اللہ ہی سے مانگ اور جب تو کسی مدد کا محتاج ہو تو اللہ ہی سے امداد طلب کر اور اچھی طرح جان لے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر چاہے کہ تجھے کسی شئے سے فائدہ پہنچائے تو صرف اسی شئے سے تجھے فائدہ پہنچا سکے گی، جو اللہ تعالیٰ نے تیرے

لیے مقدر کردی ہے، اور اسی طرح اگر ساری انسانی برادری جمع ہوکر تجھے کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، قلم اٹھ چکے اور صحیفے خشک ہو چکے۔' (ترمذی)

حق کبھی تنہا نہیں رہتا :

سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جب ایک مرتبہ آپ ﷺ آپ کے عزیز اور خود چچا ابوطالب نے بھی آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ اپنی تبلیغ اسلام کا کام چھوڑ دیں تو آپ نے جواب میں فرمایا 'عم محترم' میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے' حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا' عرب وعجم ایک دن اسی کے ساتھ ہوگا۔

ایک دن کچھ کفار نے حرم میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ جوں ہی حضور ﷺ حرم میں قدم رکھیں 'نعوذ باللہ' آپ کی بوٹی بوٹی اڑادی جائے' حضرت فاطمہؓ نے یہ بات سن لی وہ روتی ہوئی آئیں اور آپ ﷺ کو اس بات کی خبر دی، آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور وضو کے لئے پانی مانگا وضو کر کے صحن حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ پر پڑی تو خود بخود ان کی نگاہیں جھک گئیں۔

جب حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور میں پناہ گزین تھے تو تعاقب کرنے والوں میں سے کچھ لوگ غار کے قریب آپہنچے' حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

آج کے ماحول میں خود اعتمادی کے ساتھ اسی خدا اعتمادی کی ضرورت ہے، اس کے ذریعہ ماحول کی برہمی اور حالات کی سنگینی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اور وقت کے طاغوت کو زیر کیا جا سکتا ہے۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے :

غزنی حکمراں سبکتگین کی وفات کے بعد محمود نے غزنی کی سلطنت کا بار اٹھایا، ابھی یہ نوآموز

بادشاہ باپ کی وفات کی وجہ سے دلگیر ورنجور تھا، کہ اچانک خبر ملی کہ پنجاب کا مہاراجہ جئے پال (جو اس کے باپ سبکتگین کے عہد سلطانی میں بھی دو بار غزنی پر حملہ کر چکا تھا) غزنی کی طرف ڈیڑھ لاکھ پیادہ اور تین سو ہاتھیوں کی ٹڈی دل فوج کے ساتھ کوچ کرنے جارہا ہے، محمود ابھی نظم سلطنت سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس بلائے ناگہانی کی اطلاع ملی، لیکن وہ اللہ کا بندہ بجائے ہراساں ہونے کے صرف دس ہزار فوج لے کر جئے پال کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے، محمود جے پال کی فوج کی کثرت سے مرعوب نہ ہوا، لڑائی شروع ہوئی دونوں فوجوں میں کوئی تناسب نہیں تھا، ایک طرف زبردست فوج کا دستہ اور دوسری طرف مٹھی بھر جانباز، ایک طرف انتہائی حریص وغاصب بادشاہ جے پال، دوسری طرف ایک کم سن بالکل نیا سلطان جو خود سالار کارواں ہے، جہاد کے جذبہ سے سرشار اللہ کی ذات پر کامل اعتماد کے ساتھ آگے بڑھتا ہے، اور جے پال کی فوج کے کشتے کے پشتے لگا دیتا ہے، پیشاور کے میدان میں پانچ ہزار لاشیں چھوڑ کر جئے پال کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی، جے پال گرفتار ہوا، اس کی شکست کا یہ معرکہ اپنی مثال نہیں رکھتا، آٹھ ماہ غزنی میں رکھنے کے بعد محمود نے جے پال کو رہا کر دیا، جے پال اس شکست سے اس قدر دلگیر ہوا کہ زندگی پر موت کو ترجیح دی، آگ کا الاؤ تیار کیا اپنی ساری ذمہ داریاں اپنے بیٹے آنند پال کو سونپ دیں اور خود آگ میں جل کر مر گیا، یہ معرکہ ۵/اگست ۱۰۰۱ء میں پیش آیا۔

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

☆☆☆

زندگی کی شاہراہ میں قرآنی تعلیمات کی حیثیت

کسی قوم سے عملی میدان میں کوئی امید اسی وقت قائم کی جاسکتی ہے، جب وہ زندہ ہو، متحرک ہو، اور علم کی روشنی میں رواں دواں ہو، ان تینوں قوتوں کا سرچشمہ درحقیقت قرآن پاک ہے، قرآن میں اس حقیقت کو کہیں روح اور کہیں حیات اور کہیں نور سے تعبیر کیا گیا ہے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: جو شخص پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ بنادیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔ (الانعام آیت ۲۳)

اور کہیں یہ فرمایا گیا کہ:۔ اور اسی طرح ہم نے روح (یعنی وحی) بھیجی ہے اپنے حکم سے۔ (شوریٰ آیت ۵۲) کہیں یہ دعوت دی گئی:۔ اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو زندگی بخش چیزوں کی طرف بلاتے ہوں۔ (الانفال آیت ۲۴)

کہیں یہ بشارت سنائی گئی : ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کردیا اور ان کو اپنی روح (یعنی اپنے فیض) سے قوت دی۔

مذکورہ قرآنی آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات بمنزلہ حیات وروح کے ہیں، جس سے مراد اخروی اور دائمی زندگی کا ہونا تو یقینی ہے ہی، لیکن حیات دنیوی بھی اس سے خارج نہیں ہے، حضرت عروہ ابن زبیرؓ کے نزدیک حیات دنیوی کو بھی شامل ہے۔ (روح المعانی۔ ابن کثیر) لہٰذا اگر دنیاوی زندگی کی شاہراہ میں قرآنی تعلیمات کا نور نہ ہو تو زندگی تاریک ہے، اس کی رونق وتازگی باقی نہیں رہ سکتی، فروغ پانا تو دور کی بات ہے، اسباب ووسائل کی فراوانی کے باوجود الم و

اندوہ وغم کی ارزانی اس کے سکون کو غارت کردے گی، اور پاکیزہ زندگی عطر بیزی سے مشام جاں کی محرومی اس کے لیے موت کے مترادف ہوگی، اس حقیقت کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: جو کوئی نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو دنیا میں بالطف زندگی دیں گے، اور آخرت میں ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کو بدلہ دیں گے۔

(النحل آیت ۹۷)

محققین ائمہ تفسیر کے نزدیک ''حیات طیبہ'' سے مراد دنیاوی زندگی کا نور وسرور ہی مراد ہے، اس کی تازگی اور شگفتگی کا انحصار اس قناعت پر ہے جو اللہ کے بندوں کو حاصل ہوتی ہے، اور پھر وہ ہر حال میں خوش اور راضی بہ رضا ہوتے ہیں۔ نظر جن کی رہتی ہے ان کی رضا پر وہ لا میں بھی لطف نعم دیکھتے ہیں مطیعان حق حرص وطمع سے آزاد ہوتے ہیں، جبکہ باغی اور نافرمان بندے اس لطف فراواں سے محروم ہوتے ہیں، اسباب ووسائل کی فراوانی کے باوجود ان چہروں پر کرب کے آثار دل کی کیفیات کی غمازی کرتے ہیں، ان کا حرص انھیں کہیں دم نہیں لینے دیتا، وہ برابر دولت بڑھانے کی فکر میں سرگرداں، افتاں وخیزاں نظر آتے ہیں، اور جب کوئی بات ان کے مجوزہ منصوبوں میں سد آہن بنتی ہے تو وہ لرز جاتے ہیں، اور بسا اوقات ایسے ذہنی اور اعصابی انتشار وتشنج کا شکار ہوتے ہیں کہ اپنی قیمتی جان خود ضائع کردیتے ہیں، آج سرمایہ دار ملکوں میں یہ کثرت سے ہورہا ہے، جہاں خودکشی کا تناسب ترقی پزیر ملکوں سے کہیں زیادہ ہے، اور حرص وطمع کی ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ پورا معاشرہ اس میں بھسم ہورہا ہے، خانگی زندگی کی بساط الٹ چکی ہے، سکون کی تلاش میں یہ قوم در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، یا غریبوں پر ظلم کرکے اپنے خون آشام جذبہ کو تسکین دینے کی کوشش کررہی ہے، معاشرتی بندھن ڈھیلا پڑجانے سے ہر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، باپ، بیٹا، بیوی شوہر، جو تسکین جان کے باعث تھے آج کا نوجوان سکون کی تلاش میں انھیں سے فرار اختیار کررہا ہے، جس کی طرف قرآن پاک نے یوں اشارہ کیا ہے:۔ جو شخص میری نصیحت (قرآن پاک) سے اعراض کرے گا تو اس کے

لیے (قیامت سے پہلے دنیا وقبر میں) تنگی کا جینا ہوگا، اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کر کے (قبر) سے اٹھائیں گے۔ (سورئ طٰہٰ آیت ۱۲۴) تنگ زندگی افلاس کی علامت قرار دی جاتی ہے، لیکن اس آیت میں تنگ زندگی کو نصیحت ربانی سے اعراض کی سزا قرار دی گئی ہے، اور ان پر اعتراض کرنے والے لوگوں کو یہ وعید سنائی گئی ہے، حضرت عطاءؒ اور حضرت جبیرؒ جیسے ائمہ مفسرین کی رائے میں تنگ زندگی کا تعلق عالم برزخ کے بجائے اسی فانی زندگی سے ہے، معلوم ہوا کہ وسائل راحت اور چیز، اور راحت وسکون اور چیز، اللہ تبارک وتعالی کے حکم سے انحراف ایسی زندگی کو دعوت دیتا ہے جس میں زندگی کا کوئی لطف ہے اور نہ موت کا ظاہری سکون، بلکہ ایک ایسا اندرونی کرب جس پر ظاہرا سکون کا غازہ چڑھا ہوا ہے، اور وہ اس کرب میں زندگی اور موت کے کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے، ارشاد ہے: نہ اس میں وہ مرے گا اور نہ ہی اس میں زندگی کا اسے لطف حاصل ہوگا۔ (الاعلی آیت ۱۳)

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مذکورہ بالا آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی زندگی جو لذت آشنا ہو، جس میں زندگی کی حلاوتیں رس گھول رہی ہوں، جس میں رشتوں کی چاشنی ہو، جس میں تعلقات کی خوشگواری ہو، جس میں روحانی سرور اور ذہنی اور فکری بلندی کا نور ہو، اور ہر قسم کی سطحیت، خود غرضی، اور جذبہ منفعیت سے دور ہو، وہ زندگی مطیعان بارگاہ حق کا حصہ ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تنگ زندگی کی وعید کے مصداق جب خدا کے نافرمان بندے ہیں تو پھر ان پر اس قدر انعام کیوں ہے، مصاف زندگی میں وہ بہت آگے کیوں ہیں؟ دولت کی فراوانی کا عالم یہ ہے کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، تجارتی منڈیاں، اسٹاک ایکسچینج پر ہولڈ، اور دیگر چشمہائے حیات پر ان کا کنٹرول ہے، بڑی بڑی حکومتیں ان کی خادم ہیں، لیکن تنگ زندگی کا وہ مفہوم جس کا تذکرہ گذر چکا ہے، اگر پیش نظر ہو تو یہ اشکال قطعاً نہیں پیدا ہو سکتا، اور رہی یہ بات کہ ان کو یہ چیزیں کیوں حاصل ہیں، تو حقیقت میں یہ بھی ایک ڈھیل ہے، جسے شریعت کی اصطلاح میں ''استدراج'' کہا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالی نے ان کا حساب یہیں

چکتا فرمانے کا اعلان کر دیا ہے، ان کی جو کچھ بھی نیکیاں ہوسکتی ہیں ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں، اور دنیا کی زندگی میں ان اسباب تعیش کے باوجود تنگ داماں ہونا نہلے پر دہلے کے مترادف ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص بندے سرور انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو اور پھر آپ کے واسطے ساری امت مسلمہ کو تنبیہ کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان ''مذکورہ،، چیزوں سے دنیوی زندگی میں بھی ان کو عذاب میں رکھیں، اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔ (توبہ آیت ۵۵) اس بات کا حاصل یہی ہے کہ اہل ایمان کو کفار ومشرکین کی چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہئے، بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ اس کے مضمرات ان کے حق میں بہت خطرناک ہیں، جس کی وجہ سے وہ دو قسم کے عذاب میں مبتلا ہیں، ایک یہ کہ اسباب ووسائل کے باوجود زندگی کے بہت سے ایسے مسائل ومشکلات سے دوچار ہیں جن سے ان کی زندگی تلخ ہے، اور آرام وسکون حرام اور نیند اڑ چکی ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان اسباب تعیش اور مال ودولت کی فراوانی نے ابدی زندگی کا شعور ان سے چھین لیا ہے، اور وہ آہستہ آہستہ تباہی کی مہیب وادی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اس کے برعکس اہل ایمان کو ان کی فروگذاشتوں پر بار بار متنبہ کیا جاتا ہے، کبھی اسباب و وسائل کی کمی، کبھی دشمن کی طرف سے خوف وخطر اور کبھی جانوں کے اتلاف سے ان کی آزمائش ہوتی ہے، تاکہ وہ اپنے مالک رب دوجہاں کی طرف متوجہ ہوں، اور انابت وخشیت کی زندگی گذاریں، اور صبر وشکیبائی سے کام لیں۔ زندگی کی شاہراہ میں وہی لوگ کامیاب ہیں، اور ہر لحہ زندگی ان کے لیے کامیابی کی ضمانت ہے۔

☆☆☆

موجودہ حالات، حقیقی اسباب اور

قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا علاج

آج ہم مسلمانوں کی حالت بہت دگرگوں ہے۔ کہیں فسادات ہیں تو کہیں آپس کی رقابتیں ہیں، کہیں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی فکر ہے۔ گاؤں گاؤں شہر شہر میں یہی حالت ہے۔ دین سے غفلت و لاپرواہی کا عالم یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کلمہ اور نماز سے ناواقف ہے۔ قرآن پاک سے نابلد ہے، اسلامی اخلاق سے ناآشنا ہے، دین کی ضروری باتوں سے بے خبر ہے۔ آج مختلف قسم کی آفات اور مصائب کی اصل وجہ حقیقت میں یہی وہ غفلت ولاپرواہی کی زندگی ہے جو ہماری زندگی میں عام ہے اور یہ ہم بھول گئے ہیں کہ برائیوں کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی نہیں آتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَآاَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيْرٍ

''تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو بہت سی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' (شوریٰ)

لہٰذا ہر مصیبت کے وقت ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم سے کوئی چوک تو نہیں ہو رہی ہے۔ نماز میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے، معاملات ہمارے صحیح ہیں کہ نہیں۔ یعنی دین میں تو کوئی غلطی نہیں ہو رہی ہے۔ لہٰذا کثرت سے استغفار کریں، توبہ کریں تاکہ مصیبتوں کا شکار نہ ہوں۔ حقیقی علاج یہی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ رومیوں سے مقابلہ تھا۔ لشکر کے سپہ سالار کو آپ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کی مدد و نصرت اللہ کی طاعت کی وجہ سے آتی ہے،

ورنہ تمہارا مقابلہ ایک ایسے دشمن سے ہے جو تعداد اور اسلحے کے اعتبار سے تم سے فائق ہے۔لہٰذا خیال رکھنا لشکر میں کوئی گناہ نہ ہونے پائے۔اگر ایسا ہوگا تو پھر دونوں نافرمانی میں برابر ہو جائیں گے اور پھر مقابلہ تعداد کا تعداد میں ہوگا اور اسلحوں کا اسلحوں سے ہوگا اور اس میں دشمن فائق ہے، لہٰذا وہی غالب ہوگا۔

لہٰذا سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز گناہ، غفلت اور لاپرواہی کی زندگی ہے۔وہی قوم زندہ رہتی ہے جو غفلت سے اپنے آپ کو نکال لے اور تلافیٔ مافات کی فکر کرے۔اس سلسلہ میں کرنے کی چیز یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا کی جائے جس کی بدولت اللہ کی رحمت و نصرت حاصل ہوتی ہے۔اس کے لئے اجتماعی اور انفرادی طور پر ہمیں یہ کرنا چاہئے۔

(۱) اللہ کی طرف توجہ، اس پر اعتماد اور تضرع والحاح وزاری کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام، نیکیوں کی دعوت اور برائیوں سے خود رکنے اور روکنے کی فکر، نجی زندگی کی اصلاح، نمازوں کی پابندی، اپنے گھر میں بھی اس کی تاکید، جھوٹ، بدگوئی، غیبت، ناشکری، ناامیدی سے پرہیز، خدا کی ذات پر کلی اعتماد۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اُنُھلِكُ وفینا الصالحون قال نعم اِذاکثرالخبث (ترمذی)

حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! جب برائیوں کی کثرت ہو جائے گی تو ایسا ہی ہوگا۔(ترمذی)

ایسے حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی بہت سی دعائیں ہیں جن کی پابندی سے بڑا نفع ہوتا ہے۔انہی میں سے وہ دعا بھی ہے جسے دعائے حضرت یونس یا آیت کریمہ کہا جاتا ہے۔جہاں تک ممکن ہو، اس کا اہتمام کیا جائے۔اس دعا کی بڑی تاثیر ہے۔حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب آپ کو سمندر کی ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔مچھلی کے پیٹ

میں انتہائی بے بسی کی حالت میں آپ نے یہ دعا کی۔فرشتوں نے عرض کیا :

يَـارَبَّـنَـا انَّا نَسْمَعُ صَوْتًا ضَعِيفًا اَرْض غَرِيبَةٍ ، قَالَ ذَلكَ عَبْدِيْ يُوْنُسُ عَـصَـانـيْ فَحَبَسْتُهُ فى بَطْنِ الْحُوت فى البَحر نَشَفَعُوْالَه عِند ذالِكَ فَاَمَرَالحُوْتَ فَقَذفَه فِى السَّاحِلِ (ابن کثیر)

اے ہمارے پروردگار! ایک نامانوس سرزمین سے ایک کمزوری سی آواز سنائی پڑ رہی ہے، فرمایا: ہاں! وہ میرے بندے یونسؑ ہیں۔ان سے میرے حضور میں تسامح ہوا ہے۔لہٰذا مچھلی کے پیٹ میں ان کو میں نے قید کر دیا ہے۔یہ سن کر فرشتوں نے ان کی شفاعت کی اور اللہ رب العزت کے حکم سے مچھلی نے ساحل پر انھیں ڈال دیا۔اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

فلولا أنه كان مَن المسبحين للبث فى بطنه الى يوم يبعثون

''اگر وہ پاکی بیان کرنے والے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک پڑے رہتے۔'' (صافات)

حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ میں اس دعا کو جانتا ہوں'' کہ نہیں کرتا اسے کوئی مصیبت زدہ مگر اس دعا کی بدولت حق سبحانہ اس کو اس مصیبت سے نجات عطا فرماتا ہے۔وہ دعا میرے بھائی یونس علیہ السلام کی ہے۔انھوں نے تاریکیوں میں یہ دعا کی تھی۔اس دعا کی برکت سے اللہ رب العزت نے ان کو نجات عطا فرمائی اور ساتھ ساتھ یہ وعدہ بھی فرمایا کہ اس طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

فاستجبناله ونجيناه من الغم وكذلك ننجى المومنين

''تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو مصیبت سے نجات دی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں۔'' (الانبیاء)

لہٰذا چاہئے کہ اس دعا کا خصوصاً اہتمام کیا جائے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ : **اِسۡمُ اللّٰہ الذی اذادُعِیَ به اُجابَ واذا سُئِل به اعُطَی دَعُوَۃُ یُولُس بن مَتّٰی ۔** اللہ کا وہ نام جس کے ذریعہ جب دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے، جب اس کے واسطے سے مانگا جاتا ہے تو وہ عطا کرتا ہے، وہ اسم اعظم حضرت یونس بن متی کی دعا ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم **ھی لیونس خاصة ام لجماعة المسلمين** یہ دعا حضرت یونس کے لئے مخصوص ہے یا عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ آپ نے فرمایا: **ھی لجماعة المسلمين عامة** تمام مسلمانوں کے لئے اس دعا کی عام اجازت ہے۔ کیا تم نے اللہ عزوجل کے ارشاد کو نہیں سنا کہ **فنادی فی الظلمات أن الخ** تو حضرت یونس نے تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا یہ کہتے ہوئے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ گنہگار تو میں ہی ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا اور مصیبت سے ان کو نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔ مشکلات و مصائب میں اس دعا کے ذریعہ نجات کو اللہ رب العزت نے لازم کر دیا ہے۔ (ابن کثیر)

مشائخ کے یہاں بھی اس کا بڑا اہتمام رہا ہے۔ معمولات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے "**القول الجميل**" میں اس دعا کے پڑھنے کے دو طریقے تحریر فرمائے ہیں۔

(۱) بارہ ہزار مرتبہ، روزانہ یہ دعا بارہ روز تک پڑھی جائے۔

(۲) ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ۔ اجتماعی طور پر ایک ہی دفعہ پڑھی جائے۔ اول و آخر گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھا جائے۔ پھر دعا کی جائے۔ اگر یہ مشکل ہو تو انفرادی طور پر چالیس مرتبہ اس دعا کو پڑھ کر دعا کی جائے تو مقبول ہوتی ہے۔ (نزل الابرار)

لہٰذا ہر شخص کو اپنے اپنے طور پر اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد چالیس مرتبہ **لااله الاانت سبحانك انی كنت من الظالمين** پڑھ کر پورے حضور قلبی کے ساتھ پریشانیوں سے نجات کی دعا کرے۔ بیماری سے شفاء کے لئے قرض کی ادائیگی، عزت و آبرو کی

حفاظت اور دشمنوں کی مغلوبیت وشکست کے لئے اور جو دعا بھی کر سکے ضرور کرے۔ دعا کی ابتداء بھی درود شریف سے کرے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول کس دعا کی قبولیت کی سب سے زیادہ امید ہے۔ فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نماز کے بعد۔ (ترمذی) اور فرمایا :

اذاصلی أحدکم فلیبدأ بحمدلله والثناء علیه ثم لیصل علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم لیدع بعد ماشاء جب کوئی نماز پڑھ لے تو چاہئے کہ اللہ کی حمد وثناء بیان کرے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر جو چاہے دعا کرے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : **أیهاالمصلی أدعُ تُجبْ** ''اے نمازی دعا کر تجھے نوازا جائے گا۔'' (ترمذی)

لہٰذا ہمیں اپنی نجی زندگی کی درستگی اور اصلاح کے ساتھ اللہ کے حضور میں خوب دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے۔ نمازوں کا اہتمام، نیکیوں میں سبقت ہی وہ چیزیں ہیں جس کے ذریعہ اللہ کی نصرت آتی ہے۔ اس کا وعدہ ہے : **انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیاة الدنیا و یوم یقوم الاشهاد** بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے یقیناً مدد کریں گے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں جس دن شہادتیں قائم ہوں گی۔

☆☆☆

موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں
قرآن وحدیث کی روشنی میں

ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ وہی ہمارا پروردگار ہے۔ ساری امیدوں، آرزوؤں، تمناؤں کا مرکز اسی کی بے مثل ذات ہے۔ وہ بڑا مہربان اور کریم ہے، اس کی عطا اور نوازش کی کوئی حد ہی نہیں۔ سارے خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ وقدرت اور اختیار میں ہیں۔ اس کا ارشاد ہے : لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (زمر۔۶۳) ''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اس کے اختیار میں ہیں اور جنھوں نے اللہ کے حکموں کو نہیں مانا وہی گھاٹا اٹھانے والے۔''

وہ ایسا رحیم ہے کہ بندوں پر مہربانیوں، کرم فرمائیوں اور نوازشوں کی بارش ان کی نافرمانیوں اور ہٹ دھرمیوں کے باوجود کرتا رہتا ہے، کیونکہ اس نے اپنی ذات پر رحمت ومہربانی کو لازم کرلیا ہے۔ كَتَبَ عَلٰى نفسه الرَّحْمَةَ تاکہ دنیا میں حجت تمام ہوجائے اور آخرت میں حق و باطل کا فیصلہ کردیا جائے۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ (اعراف) تاکہ وہ جمع کرے تم سب کو قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ پھر معلوم ہوجائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، غم کیا ہے خوشی کیا ہے، کامیابی اور سرفرازی کیا ہے اور ذلت ورسوائی کسے کہتے ہیں۔ وہ دن بڑا اہم ہوگا، اس دن وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنھوں نے اس کے حکموں کو مانا ہے، اس کے راستہ پر چلے ہیں اور غم وخوشی میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہیں، جن کا شعار ہر حال میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'' رہا ہوگا۔ ان کے لئے وعدہ ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

یَقُوْمُ الْاَشْهَاد ہم یقیناً اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد کریں گے۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت کے دن بھی۔ لہٰذا اس ذات وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے والا کبھی مایوس نہیں ہوتا، اندیشوں میں مبتلا نہیں ہوتا، ظاہری چیزوں سے مرعوب نہیں ہوتا، بلکہ اپنے بندوں کو اس معبود برحق سے ناامیدی کی حالت میں بھی اسی ذات سے امید رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اور ناامیدی کو کفر بتایا ہے۔

لَاتَايئَسُوامِن رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَايَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُون

(یوسف۔۸۷) ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔''

لہٰذا ایک مومن ہر حال میں خوش رہتا ہے، اس لئے غم وخوشی کی ہر حالت اس کے لئے ترقی کا ایک زینہ ہے۔ اس کا شیوہ یہ ہے : اِذَا اَصَابَتْه سَراء شَكَرَ وَاِذَا اَصابَتهٗ ضَراًء صَبَرَ "جب خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اور جب غم واندوہ کی بدلیوں میں گھر جاتا ہے تو صبر کرتا ہے۔'' اپنے مالک کے حکم کو نہیں توڑتا ہے، اس کے دامن سے اور زیادہ چمٹ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ کہیں اس کی نافرمانی تو نہیں ہوئی۔ کیونکہ حالات کی ناسازگاری حقیقت میں رب العزت کی طرف سے ایک تنبیہ ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں پر توجہ فرمانا چاہتا ہے بشرطیکہ بندہ اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے احکام کو مانے اور اس پر عمل کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

يَاغُلَامُ اِنّی اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتِ اِحْفَظِ اللّٰه يَحفَظُكَ اِحْفَظِ اللّٰه تَجِدْه تُجَاهَكل ، اِذَا سَاَلْتَ فَاسالِ اللّٰه وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتِعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمَ اَنَّ الْاُمَّة لَواجْتَمَعَتْ عَلىٰ اَنْ يَّنْفعك بِشَيئٍ لَمْ يُنفعُوكَ بِشَئٍ اِلَا قَدْ كَتَبَهُ اللّٰه لَكَ وَاِنْ اجْتَمعُوا عَلىٰ اَنْ يَضُرُّوكَ بِشئٍ لَمْ يَضُرُّوكَ اِلّا بِشَئٍ قَدْ كُتبهُ اللّٰه عَلَيْكَ رُفِعتِ الْاَقلام وَجَفتِ الصُّحُفف (رواہ الترمذی۔ج۲۔ص۷۳)

عزیزم میں تمھیں چند باتیں بتاتا ہوں، یادرکھو اللہ تعالیٰ کے حقوق (احکام) کی حفاظت کرتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اس کے حق کی حفاظت کرو، تم سب اللہ رب العزت کو اپنے سامنے پاؤ گے (اللہ تعالیٰ کا حق یادرکھو یہ ہے) جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو اور یادرکھو اگر سارے لوگ مل کر تمھیں کچھ فائدہ پہونچانا چاہیں تو وہ تمھیں اسی قدر فائدہ پہونچا سکتے ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تمھیں کچھ نقصان پہونچانا چاہیں تو تمھیں اتنا ہی نقصان پہونچے گا جتنا تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کتابیں خشک ہو گئیں، اب لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا اور نہ گھٹ بڑھ سکتا ہے۔

مومن کی زندگی اسی ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں گذرتی ہے۔ وہ حالات سے قطعاً ہراساں نہیں ہوتا۔ تحفظات کی خاطر سیاسی بازیگروں کے دروں پر دہائی نہیں دیتا اور نہ ہی غیر ضروری چیزوں میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے، بلکہ اسے تنبہ ہوتا ہے کہ مالک حقیقی کی شان میں کوئی چوک تو نہیں ہوئی، کیونکہ کسی ادنیٰ گناہ کا خیال بھی پہاڑوں کے نیچے دب جانے سے زیادہ اسے تڑپاتا ہے۔ مومن کی یہی شان ہے ارشاد رسول صلعم ہے : **اِنَّ الْمُومِنَ یَرَیٰ ذُنُوْبَهٗ کَاَنَّهٗ فِی اَصْلِ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ یَرَیٰ ذُنُوبَهٗ کَذُبَابٍ وَقَعَ عَلیٰ اَنْفِهٖ قَالَ بِهٖ هٰکَذَا فَطَارَ** ''مومن اپنے گناہوں کو ایسا خیال کرتا ہے جیسے کہ پہاڑ، کہ اندیشہ ہے کہ اس پر گر پڑے گا اور فاجر شخص گناہوں کو سمجھتا ہے کہ ناک پر بیٹھی ہوئی ایک مکھی ہے، ذرا سی حرکت سے اڑا دے گا۔'' (ترمذی) دیندار اور بے دین کے درمیان یہی فرق ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ جس کو میں نے ہدایت دی، تو تم ہدایت مجھ ہی سے طلب کرو، میں تمھیں ہدایت دوں گا، تم سب فقیر محتاج ہو، مگر جس کو میں نے غنی کیا وہ غنی ہے تو تم مجھ سے روزی طلب کرو، میں روزی دوں گا..... (میری عطا کا معاملہ یہ ہے)

کہ اگر اگلے پچھلے، مردہ زندہ، خشک وتر سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ہر ایک تم میں سے اپنی خواہش کے مطابق مانگے تو میں ہر ایک کو اس کی خواہش کے مطابق دے دوں اور پھر بھی میری عطاو کرم کے خزانے میں ذرا بھی کمی نہیں آسکتی۔ (ترمذی)

یہ اس مالک کا اعلان ہے جو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ جس کے قبصہ وقدرت میں سارے اختیارات ہیں جو اپنوں کو آزماتا ہے اور پھر نوازتا ہے : **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یَقُولُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَایُفْتَنُوْنَ ط وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ** (عنکبوت) ''لوگوں نے کیا یہ گمان کر رکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد آزمائش نہیں ہوگی۔ تحقیق کہ ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا ہے تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون ایمان کے دعویٰ میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔'' اور اس آزمائش کے سلسلہ میں ایک جگہ یوں ارشاد ہے :

فَلَوْلَا اِذْجَاءَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ''تو جب ان کو ہماری سزا پہونچی تھی، وہ ڈھیلے کیوں نہیں پڑے، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان ان کے اعمال کو آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔'' (الانعام)

لہٰذا اگر ایسا موقع آجائے اور آزمائشوں کا طوفان شروع ہو تو ہمیں سمجھنا چاہئے کہ ہماری آزمائش ہو رہی ہے۔ اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ ہمیں اس آزمائش میں ثابت قدم رکھ، تو ہی بہترین کارساز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو: **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ** ''ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبان مبارک پر یہی کلمہ تھا : **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ**

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا جو بندہ کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے:
اَللّٰھُمَّ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اکْفِنِی کُلَّ مُھِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ مِنْ اَیْنَ شِئْتَ (معارف الحدیث۔ج۵) ''اے میرے اللہ ساتوں آسمان پر عرش عظیم کے مالک، میری مشکلات حل کرنے کے لئے تو کافی ہوجا اور حل کردے۔'' جس طرح چاہے اور جہاں سے تو چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کرکے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرمادے گا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فکر لاحق ہوتی تو آپ دست مبارک داڑھی پر پھیرتے ہوئے ٹھنڈی سانس لیتے اور فرماتے: **حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الوکِیل**۔

الغرض مومن ہر حال میں اللہ کا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہوجاتے ہیں اور بادشاہوں، حاکموں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور اگر طاعت سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے تو دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے جاتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ ان کے حاکموں کا معاملہ بہت سخت ہوتا ہے۔ بدترین سزائیں دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی پکار و دعا بھی کارگر نہیں ہوتی مگر یہ کہ اپنی حالت سدھاری جائے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے حکموں پر چلنے کی کوشش کی جائے۔

دعا کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دل کھوٹ، عداوت، بغض، کینہ اور آپسی اختلاف سے پاک ہوں، لڑائی جھگڑے آپس میں نہ ہوں، نزاع باہمی سے حتی الامکان بچا جارہا ہو، کیونکہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز روزہ اور صدقہ سے بھی بڑھا ہوا عمل نہ بتاؤں، وہ باہمی اتفاق ہے بے شک باہمی اختلاف دلوں کا بگاڑ دین کو مونڈنے والا ہے۔ (ترمذی)

لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِین ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، تو ہر عیب سے پاک ہے، بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔'' انہی الفاظ کے ساتھ یہ دعا پڑھی

جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام چالیس روز تک مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا پڑھتے رہے اور اسی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے انھیں نجات دی اور پہلے سے زیادہ ان پر نوازش فرمائی۔ یہ دعا آج بھی وہی تاثیر رکھتی ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسے شدید حالات میں ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ "تو ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور مصیبت سے نجات دی اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔"

مشائخ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام رہا ہے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب نے کتاب ''القول الجمیل'' مصنف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ ''شفاء العلیل'' میں اجتماعی طور پر پڑھنے کے اس کے دو طریقے مشائخ سے منقول لکھے ہیں :

(۱) سوا لاکھ مرتبہ اول وآخر گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ ایک ہی نشست میں۔

(۲) بارہ دن مسلسل بارہ ہزار مرتبہ پڑھی جائے، اول وآخر گیارہ مرتبہ درود شریف کے اہتمام کے ساتھ۔

اس کے علاوہ ''ظفر الامانی'' جو حصن حصین کی شرح ہے، اس میں اور بھی طریقے درج ہیں۔ بہرکیف تجربات شاہد ہیں کہ اس طرح یہ دعا بہت مؤثر ہوتی ہے اور جس مقصد کے لئے دعا پڑھی گئی۔ اللہ رب العزت نے اس میں ضرور کامیابی عطا کی ہے۔ نفس دعا چونکہ قرآن پاک سے ثابت ہے۔ حدیث میں اس کے پڑھنے کی ترغیب آئی ہے۔ لہٰذا اس نسخۂ شفا کے استعمال کا یہ طریقہ جلیل القدر علماء سے منقول ہے اور اس پر تعامل بھی ہے۔ اس لئے اس طرح پڑھنا اگر ممکن ہو تو موجودہ حالات میں ضرور اہتمام کریں، ورنہ پھر جتنا ہو سکے روزانہ پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت کھلے طور پر ظاہر فرمادے گا اور مصائب کی بھٹی سے کندن بنا کر نکالے گا۔ لہٰذا آخر میں پھر گذارش کی جاتی ہے کہ درج بالا دعائیں جو بہت مختصر ہیں لیکن تاثیر کے اعتبار سے بہت جامع ہیں، انھیں اہتمام سے پڑھ کر یاد کر لیں اور پورے استحضار کے ساتھ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار ہی میں ساری توفیق ہے۔ ☆☆☆

حج بدل کب اور کیسے؟

حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں "حج" اشہر حج، حج کے مہینوں (شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ کے دس دن) میں مخصوص ارکان کی ادائیگی کی نیت سے مخصوص طریقہ پر کعبۃ اللہ کے قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ حج اسلام کا چوتھا رکن ہے۔ ۹ھ میں مدینہ منورہ میں حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار دفعہ عمرہ فرمایا اور حج ۱۰ھ میں لاکھوں صحابہ کرام کی معیت میں ادا فرمایا۔ زمانہ اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج تھا۔ اسی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو حجۃ الوداع یعنی آخری حج کہا جاتا ہے۔ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں وہ تاریخی خطبہ دیا تھا جسے خطبۃ الوداع کہا جاتا ہے جو اسلامی شریعت کا اہم منشور ہے۔ حج کی ادائیگی کعبۃ اللہ شریف میں حاضری کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے عالم اسلام کے ہر خطہ سے مسلمان جوق در جوق سوئے حرم روانہ ہوتے ہیں۔ اس حاضری کے شوق میں کلفتیں برداشت کرتے ہیں۔ زندگی کا اہم اندوختہ اس سفر میں صرف کر کے ایک روحانی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر گوشہ سے سوئے حرم کشاں کشاں بڑھتے ہوئے قافلے اس آیت کی عملی تصویر نظر آتے ہیں :

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بالحج یَاْتُوكَ رِجَالًا وَعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَاْتِینَ مِنْ كُلِّ فجٍّ عَمِیق

"اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہیں (سوار ہو کر) چلے آئیں گے۔"

ایک پہاڑی پر چڑھ کر حضرات ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز لگائی تھی۔ وہ آواز کیسی

طاقتور تھی، کس بلا کی تاثیر رکھتی تھی۔ اس آواز پر لبیک کہنے والوں میں ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے بھی تھے اور وہ روحیں بھی جو تخلیق کے عمل سے نہیں گذری تھیں اور آج لاکھوں کا مجمع اس موقع پر امڈا ہوا چلا آتا ہے۔ اگر حکومت انتظامی دشواریوں کی وجہ سے روک نہ لگائے تو یہ لاکھوں کا مجمع کروڑوں تک پہونچ جائے۔ یہ آواز اخلاص کی تھی۔ امر الٰہی کی اتباع میں تھی۔ لہٰذا وہ تاثیر میں لافانی اثرات کی حامل تھی۔

آج ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس پاک سرزمین ''حرمین شریفین'' کی حاضری کا اسے کسی طرح شرف حاصل ہو جائے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جو اپنی زندگی میں اس شرف سے مشرف ہوئے اور کتنے با چشم نم محرومی کا احساس لئے استطاعت کے باوجود رخصت ہو گئے۔

لیکن اس مالک رحیم و کریم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ایسے لوگوں کی طرف سے اس فریضہ کی ادائیگی کی سبیل پیدا فرمادی ہے جو خود تو حاضر نہ ہو سکے لیکن ان کی طرف سے کوئی اور مناسک حج ادا کر لے تو اس شرف کو حاصل کرنے والے ہو جائیں گے۔ عام اصطلاح میں اسی عمل کو حج بدل کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

عن عبداللّٰہ ابن بریدہ عن ابیہ قال بیننا انا جالس عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاتتہ امرأۃ فقالت انّی تصدقت علی أمی بجاریۃ وانھا ماتت قال فقال وجب اجرک قالت انھالم تحج قط أنَا حج عنھا قال حجی عنھا

(مسلم ص ۳۶۴) ''حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک ایک خاتون خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: حضور! میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ میں نے ان کی طرف سے ایک باندی آزاد کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا اجر و ثواب (ان کے لئے) لازم ہو گیا۔ پھر انھوں نے

سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے حج نہیں کیا تھا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں۔ فرمایا :ہاں! ان کی طرف سے تم حج کرو۔''

حج کب فرض ہوتا ہے :

زندگی میں ایک بار ہر عاقل، بالغ، صاحب استطاعت مسلمان پر حج فرض ہوتا ہے۔ صاحب استطاعت سے مراد وہ مالی گنجائش ہے جو اپنے حوائج اصلیہ (ضروریات زندگی) اور اپنے متعلقین کے مصارف کے لئے (جو سفر حج کے زمانہ میں ہوں گے) اس کے پاس موجود ہو، اس کے علاوہ اس کے پاس اتنی رقم باقی رہ جاتی ہے کہ سفر حج کے مصارف وہ برداشت کر سکے، ایسی صورت میں اس شخص پر حج فرض ہوگا۔

اسی طرح راستہ کا مامون ہونا اور خواتین کے لئے محرم کا پایا جانا بھی حج کی فرضیت کے لئے ضروری ہے۔ مذکورہ بالا شرطیں اگر کسی شخص میں پائی جائیں تو اس پر اسی سال حج فرض ہو جائے گا، جس سال اسے یہ استطاعت حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا اب اسے تاخیر نہیں کرنی چاہئے، ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ایسا کرنے والے کے حق میں بڑی سخت وعید آئی ہے اور اگر اسی حال میں موت واقع ہوگئی اور اس نے حج ادا نہیں کیا تو اس کے لئے بڑی محرومی کی بات ہوگی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من ملك زادًا و راحلةً تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه ان يموت يهودياً أو نصرانياً جس کے پاس زاد و راحلہ (خورا کی اور سواری کا خرچ) مہیا ہو گیا (جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا سکے) پھر بھی اس نے حج نہ کیا تو عجب نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے۔ (ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے تھے :

ماهم مسلمين ماهم مسلمين ''ایسے لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے۔'' اور فرماتے ہیں :

لاتجوز الصلوٰۃ علی المیت المستطیع الذی لم یحج

''ایسی میت کی جس نے باوجود استطاعت کے حج نہ ادا کیا ہو نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔''

حضرت سعید بن زبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت طاؤس وغیرہ بہت سے محدثین اور بزرگوں کا یہی فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ لہٰذا جس پر حج فرض ہوگیا ہو وہ ادائیگی میں عجلت کرے کہ مبادا سستی سے موت کا وقت قریب آجائے یا مفلسی و قلاش ہوجائے اور فریضہ حج سر پر رہ جائے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے :

من ارادالحج فلیتعجل (بوداؤد)

''جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے حج کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہئے۔''

الغرض بلا عذر شرعی حج کے فرض ہوتے ہی حج کے لئے نہیں گیا تو سخت گناہگار ہوگا۔ اس سلسلے میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ متمول حضرات حج کے لئے جانے میں مختلف بہانوں سے کام لیتے ہیں، کبھی اولاد کی شادی (جو ابھی نابالغ ہے) بھی ٹال مٹول کا باعث بن جاتی ہے۔ حالانکہ اس سلسلے میں اصل مسئلہ یہ ہے۔

حج فرض ہوگیا تو حج کے لئے جانا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں کہ اولاد کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، نہ جانے پر گنہگار ہوگا۔ اولاد کی شادی کرائے بغیر حج فرض نہیں ہوتا اور حج کے لئے نہیں جاسکتا۔ یہ اعتقاد درست نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ۔ ج ۲۔ ص ۶۲)

البتہ وہ اعذار شرعیہ جن کی وجہ سے حج کو ملتوی کیا جاسکتا ہے، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) مفلس ہوجانا۔ (۲) ظالم حاکم کا خوف (۳) قید خانہ میں جانا۔ (۴) راستہ کا غیر مامون ہونا۔ (۵) مرض کی وجہ سے سفر نہ کرسکے۔ (۶) عورت کے ساتھ شوہر یا محرم نہ ہو۔ (۷) عورت عدت میں ہو۔ ان اعذار کے دور ہوجانے پر خود حج کو جانا ضروری ہے ورنہ حج بدل کی وصیت لازم ہے۔

حج بدل کی فضیلت اور اس کا ثواب :

موقع اور محل کی مناسبت سے حج بدل کی فضیلت سے متعلق چند حدیثوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک حج (بدل) کے عوض تین آدمی جنت میں جائیں گے: (i) مردہ (جس کی طرف سے حج کیا جائے۔(ii) حج کرنے والا۔(iii) حج بدل کرانے والا۔

(۲) جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے اس کو اور جس کی طرف سے حج کر رہا ہے دونوں کو برابر ثواب ملتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی میت کی طرف سے حج (بدل) کیا تو میت کے لئے ایک حج (کا ثواب) لکھا جائے گا اور حج کرنے والے کے لئے سات حج کا۔

(۴) جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے والدین کے لئے حج کیا تو اس کے دس حج شمار ہوں گے۔

(۵) جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کی طرف سے فرض ادا کیا تو وہ قیامت کے دن نیک لوگوں کے ساتھ اٹھے گا۔

ان بیان کردہ حدیثوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ حج بدل کا بہت زیادہ ثواب ہے اور ثواب کی زیادتی کا دارومدار حج کرانے اور کرنے والوں کی نیت وخلوص پر ہے۔ اس لئے اگر کوئی سعادت مند بیٹا اپنے والدین کی طرف سے کسی کو حج (بدل) کرادے یا ان کی طرف سے خود حج کرے تو بڑا ثواب کا کام ہے اور جب کہ والدین میں سے کسی ایک پر حج بھی فرض ہو چکا ہو اور انھوں نے مرنے سے پہلے وصیت نہ کی ہو تو ایسی صورت میں اولاد پر ان کی طرف سے حج کرادینا مستحب ہے۔

آمر و مامور :

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حج بدل میں ایک آمر ہوتا ہے اور دوسرا مامور۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جو حج کراتا ہے اس کو آمر کہتے ہیں اور جو کسی کی طرف سے حج کرتا ہے، اس کو مامور کہتے ہیں۔ حج جس طرح فرض و نفل دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے، اسی طرح حج بدل فرض بھی ہوتا ہے اور نفل بھی۔ حج نفل اور اسی طرح عمرہ نفل اس شخص کی طرف سے کرنا جائز ہے جو اس فریضہ کو ادا کر چکا ہو اور دوبارہ مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکتا ہو۔ نفلی حج میں اس قید کا لحاظ بھی ضروری نہیں ہے۔

حج بدل کب فرض ہوتا ہے :

کسی شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور اسے حج کا زمانہ بھی ملا، لیکن اس وقت قدرت کے باوجود اس نے حج نہیں کیا، بعد میں یہ قدرت جاتی رہی اور وہ عاجز ہو گیا تو اس پر کسی دوسرے سے حج کرانا فرض ہے۔ خواہ اپنی زندگی میں کرائے یا مرنے کے بعد حج کرانے کی وصیت کر جائے۔ اس پر وصیت واجب ہے اور اگر شرائط وجوب حج تو پائے گئے لیکن ادا کرنے کا وقت نہیں ملا یا حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا تو اس کے اوپر سے حج ساقط ہو گیا اور اس پر حج کرانے کی وصیت واجب نہیں۔ لیکن جس سال حج واجب ہوا، اس سال نہ جا کر بعد میں گیا ہو اور راستہ میں انتقال ہو گیا ہو تو وصیت واجب ہوگی۔

اسباب عجز :

موت، قید، ایسا مرض کہ جس کے دور ہونے کی امید نہ ہو، جیسے فالج، اندھا ہونا، لنگڑا ہونا، اتنا بوڑھا ہونا کہ سواری پر بیٹھنے کی قدرت نہ رہے۔ ان تمام اعذار کا موت تک باقی رہنا تحقیق عجز کے لئے شرط ہے۔

حج بدل کے شرائط :

(۱) حج نفل میں تو حج کرنے والے کے اندر اہلیت یعنی عقل و تمیز اور اسلام کا ہونا کافی ہے البتہ

حج فرض ہوتو جو شخص کرائے اس پر حج فرض ہو۔ صحیح وتندرست بھی ہو، اگر کسی نے حج فرض ہونے سے پہلے حج کرادیا اور بعد میں مالدار ہوگیا تو پھر دوبارہ حج کرانا فرض ہے۔ پہلا حج نفل ہوگا فرض نہ ہوگا۔

(۲) موت کے وقت تک عاجز رہنا، اگر مرنے سے پہلے عذر جاتا رہا اور خود قادر ہوگیا تو خود کرنا واجب ہوگا۔

(۳) احرام کے وقت آمر کی طرف سے حج کی نیت کرنا۔ اگر افعال حج شروع کرنے سے آمر کی طرف سے نیت نہیں کی تو حج فرض آمر کا ادا نہ ہوگا۔ مصارف واپس کرنا مامور پر لازم ہوگا۔

(۴) حج یا عمرہ جس چیز کا حکم آیا ہے اس کے لئے سفر کرنا۔ اگر حج کا حکم کیا لیکن مامور نے اول عمرہ کیا پھر میقات پر لوٹ کر اسی سال یا آئندہ سال حج کا احرام باندھا تو آمر کا حج نہ ہوگا۔

(۵) آمر کی میقات سے احرام باندھنا۔ اگر مامور نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ جا کر حج کا احرام باندھا اور حج کیا تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

(۶) آمر کی مخالفت نہ کرنا۔ یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان دینا واجب ہوگا اور حج مامور کا ہوگا۔ اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان دینا ہوگا۔ البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے۔ لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا۔ آمر کے روپئے سے دینا جائز نہیں اور تمتع کرنا تو اجازت سے بھی جائز نہیں۔

مفتی سعید صاحب نے اپنے ایک فتویٰ میں اس موقع پر لکھا ہے :

''حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تو تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو

آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں۔ اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ ملا علی قاریؒ نے ''شرح لباب'' میں اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد بھی عدم جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس لئے حج بدل والوں کو محض سہولت اور آسانی کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے اور آمر کو چاہئے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے۔ (سعید احمد غفرلہ)

جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا، اگر وہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرے تو حج ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تو مکہ مکرمہ پہونچتے ہی اس پر اپنا حج فرض ہو جائے گا اور اس کو وہاں ٹھہر کر آئندہ سال اپنا حج کرنا واجب ہوگا اور یہ مشکل ہے، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج نہ کرایا جائے۔

ایسے شخص سے حج کرانا افضل ہے جو عالم باعمل ہو اور مسائل سے خوب واقف ہو اور اپنا حج فرض پہلے کر چکا ہو۔ اس لئے کہ جس پر حج فرض ہو چکا ہو، اس کو حج بدل کے لئے بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اور جانے والے کے لئے مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے فریضۂ حج کو اپنے ذمہ رکھ کر دوسرے کی طرف سے حج بدل کو جاتا ہے۔ اولاً اس کو اپنے فریضۂ حج سے سبکدوش ہونا چاہئے تھا۔

☆☆☆

مسلمانوں کا شیوہ شیوۂ طاعت گذاری ہے

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں :جنگ حنین میں کافی مال غنیمت ہاتھ آیا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان مقام جعرانہ میں تقسیم فرمایا، جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی، عموماً اہل مکہ اور اکثر نو مسلم حضرات تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا حتی کہ کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ حضرت سعد ابن عبادہؓ یہ دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ !انصار آپ ﷺ سے کچھ ناراض ہیں، آپ نے وجہ دریافت فرمائی، تو انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے اپنی قوم یعنی قریش مکہ اور عرب کے دیگر قبائل پر تو خوب فیاضی اور دریا دلی کے ساتھ انعامات اور نوازشات کی بارش کی اور انصار کا جنہوں نے ہر مشکل گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا کچھ بھی خیال نہ کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے دریافت فرمایا: سعد! یہ بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے ادب سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں بھی تو اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم اپنی قوم کے لوگوں کو اس خیمہ میں جمع کرو، جب وہ جمع ہو جائیں تو مجھے خبر کر دینا، حضرت سعدؓ نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق لوگوں میں اعلان کر کے سارے انصاریوں کو اس خیمہ میں جمع کیا، جب سب جمع ہوگئے ،تو آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ تشریف لائے اور ایسا مؤثر اور پرسوز خطبہ دیا کہ ان کے دل کے تار جھنجھنا اٹھے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور محبت وشوق کا چشمہ ان کے دلوں میں ابل پڑا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے ،خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے ،خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت سے نوازا، ان

سب نے بیک زبان جواب دیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بالکل درست فرماتے ہیں؛ جب وہ خاموش ہوئے تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا: اے جماعت انصار کے لوگو! تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے ادب سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم اس بات کا آپ ﷺ کو کیا جواب دے سکتے ہیں، سارا فضل واحسان تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمہیں یہ کہنے کا حق بھی ہے، میں خود بھی تمہاری تائید کروں گا کہ: آپ جب ہمارے پاس آئے تھے تو کوئی آپ کی بات سننے کو تیار نہیں تھا، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، آپ ﷺ بے خانماں تھے، ہم نے آپ ﷺ کو ٹھکانہ دیا، بے یارومددگار تھے ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی، بے آسرا و بے سہارا تھے ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ ہمدردی کی، خوفزدہ اور غیر مامون تھے، ہم نے آپ ﷺ کو امان دی، انصار نے عرض کی، خدا اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ان سے جو بات فرمائی، اس میں ناز و اعتماد بھی تھا اور اس تقسیم و بخشش کے فرق کی حکمت کی وضاحت بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت انصار! کیا دنیا کی چند روزہ متاع حقیر کے لئے جو میں نے نومسلموں کی دلجوئی اور دلداری کے لئے انہیں دی تا کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں تم مجھ سے ناراض ہوتے ہو حالانکہ میں نے تمہیں تمہارے اسلام پر اعتماد کر کے چھوڑا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو لے کر اپنے گھر جاؤ، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر سب لوگ ایک طرف چل دیں، اور انصار دوسری طرف چلیں تو میں انصار ہی کے ساتھ چلنے کو ترجیح دوں گا، اگر ہجرت مقدر نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، انصار تو شعار ہیں (شعار استر کو کہتے ہیں یعنی وہ کپڑا جو جسم پر براہ راست ہوتا ہے) اور دوسرے لوگ دثار ہیں (یعنی وہ کپڑے جو اوپر ہوتے ہیں اور جسم سے ان کا تعلق براہ راست نہیں ہوتا) اے اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کی اولاد پر رحم فرما، اور ان کی نسلوں پر رحم اور اپنا خاص فضل فرما۔

یہ سن کر تمام انصاری صحابہ کرامؓ بے ساختہ رو پڑے حتی کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں، وہ کہنے لگے ہم نے سچے دل سے اللہ کو رب مانا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی تقسیم پر ہم ہر طور راضی ہیں، رضی اللہ عنھم اجمعین (اخرجہ احمد: ۳/۷۶۔۷۷)

دروس وفوائد :

مدمقابل پر حجت قائم کر کے اسے خاموش کیا جاسکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بڑے باادب و سعادت مند تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے نہ کوئی مباحثہ فرمایا نہ کوئی خلاف ادب بات کی، بلکہ ندامت وشرمندگی کے ساتھ کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

اس واقعہ سے انصارؓ کے فضائل ومناقب اور اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک ان کے مقام پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لئے ایسے زبردست تعریفی کلمات کہے اور ان کے تعاون وتعلق کا برملا اظہار کیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں کی غفلت پر انہیں تنبیہ کرتے رہنا نیز ان کی صحیح رہنمائی کرتے رہنا چاہئے۔

☆☆☆

طاقت کا توازن اور سنت الٰہی

امریکہ دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے، اس وقت اس کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جنھوں نے دنیا کو ایک منڈی بنا رکھا ہے، ان کے پیش نظر صرف تجارت ہے، نفع اندوزی، اور نخوت وغرور اور انا کی تسکین ہے، سوویت یونین کے زوال کے بعد دنیا ایک قطبی ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے، امریکہ نے اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے پوری دنیا کا نگہبان سمجھ رکھا ہے، طاقت کے نشے میں پوری دنیا میں جہاں چاہتا ہے دہشت وبربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے خون آشامی، انسانی اقدار کی پامالی، عزت وناموس کے ساتھ کھلواڑ، انسانیت کی تضحیک اس کا شعار بنتا جا رہا ہے، اس کا غیظ وغضب بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرح قوموں اور ملکوں کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے، حالات ایسے ہیں کہ اس کے خلاف تصور سردست ممکن نظر نہیں آ رہا ہے۔

مغربی طاقتوں کے اتحاد نے امریکہ کی سرپرستی میں عالم اسلام کے خلاف ایک طویل جنگ چھیڑ رکھی ہے انہوں نے یہ باور کر لیا ہے کہ اگر ان کے مدمقابل آنے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے تو وہ اسلام اور مسلمان ہی ہیں، تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے، لہٰذا آج کے حالات نہ کوئی نئے ہیں اور نہ ہی باجبروت طاقتوں کے پیدا کردہ حالات سے مختلف آج یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شتر بے مہار کو نکیل کون دے سکتا ہے، اس کے ویٹو کو کون ویٹو کر سکتا ہے۔

وہ زندہ جاوید ہے :

ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ جب بھی دنیا میں ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہے تو وہ ذات بے ہمتا جو سب کا خالق ومالک ہے، اقتدار کی شاہ کلید جس کے قبضہ میں ہے، وہ زندہ جاوید ہے،

سب اس کے بس میں ہیں، اس پر کسی کا بس نہیں چلتا ہے، ایسی صورت میں طاقت کے توازن کو قائم کرنے کے لئے دو طرح سے اس کی قدرت کام کرتی ہے، ایک انسانی اور دوسری صورت غیر انسانی ہوتی ہے۔

ابرہہ یمن کا گورنر تھا، اپنی طاقت کے زعم میں ایک لشکر جرار کے ساتھ خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا، اہل مکہ کو اس کے مقابلے کی تاب نہ تھی، انہوں نے پہاڑوں، غاروں اور کھائیوں میں ابرہہ کے غیظ وغضب سے بچنے کے لئے پناہ لے رکھی تھی، اللہ عزوجل نے اہل مکہ کو ابرہہ کے مقابلہ میں بے دست وپا دیکھا تو اس مالک کل نے ابابیل پرندوں کے ذریعہ ابرہہ کے لشکر کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، انسانی قوت مقابلہ میں آنے سے قاصر رہی تو غیر انسانی قوتوں سے خدا نے نخوت وتکبر کے سر کو کچل کر رکھ دیا۔

قرآن پاک کی رہنمائی :

قرآن پاک ہمارے لیے یہ بھی رہنمائی کرتا ہے کہ دو عظیم طاقتوں میں جب کشمکش ہوئی، ایران کی ساسانی حکومت نے روم کی بازنطینی حکومت کی ایشیائے کوچک اور اطراف کی ریاستوں پر قبضہ کرلیا تو اس وقت ہرقل جو روم کا بادشاہ تھا، افسردہ قسطنطنیہ میں پڑا ہوا تھا، اس کے اندر سکت نہیں تھی، کہ وہ ایرانیوں کا مقابلہ کر سکے، لیکن چند سال کے اندر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ قیصر نے نہ صرف اپنے علاقہ کو واپس لے لیا بلکہ ایرانیوں سے ان کا ترقی یافتہ علاقہ مدائن بھی چھین لیا، اور ایسی دہشت بٹھادی کہ ایران پھر رومیوں سے الجھنے کی ہمت نہ کر سکے، یہ انسانی طاقت تھی جو انسانی طاقت کے مقابلہ میں اٹھی۔

قوم عاد وثمود، قوم لوط، اپنے دور کی باجبروت قومیں تھیں، خدا کے حکم سے سرتابی میں بہت آگے بڑھ چکی تھیں، اللہ نے ان کی قوت کو توڑنے کے لئے غیر انسانی قوتوں کو استعمال کیا اور وہ قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ فرعون کے مقابلہ کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے پیدا کیا، اس کے محل

میں آپ کی پرورش ہوئی، تیس سال تک اس کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان میں رہے، بنی اسرائیل اس اثناء میں طرح طرح کی ذلتوں کا شکار رہے، بالآخر فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں رسوائی ہوئی اور پھر اسے غرق دریا کر دیا گیا۔

برطانیہ عظمیٰ کا زوال، سوویت یونین کا بکھراؤ آخر کیسے ہوا؟ یہ وہ سنت اللہ ہے جو ہمیشہ اپنا اثر دکھاتی رہی ہے، آج بھی یہ سنت قائم ہے، امریکہ ہو یا دیگر طاقتیں ان کا ظلم جس قدر بڑھتا جا رہا ہے، اللہ کی یہ سنت بتدریج انہیں اپنی گرفت میں لیتی جا رہی ہے، لہٰذا نہ ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت ہے نہ مایوس، اپنے رب کے حکم پر عمل اور کارگاہ ہستی میں اپنی افادیت ثابت کر دینے کا جذبہ وہ سرمایہ ہے جس کی حفاظت ہمیں کرنی چاہئے، طاقت کا توازن جب بھی بگڑا ہے تو اسے درست کیا گیا ہے وہ مالک آج بھی زندہ اور طاقت ور ہے۔

☆☆☆

علم اور اخلاقیات

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ انصاری صحابہ کرامؓ کو ابو رافع نامی ایک یہودی کے قتل پر مامور کیا جو اللہ کے رسول ﷺ کو بڑی تکلیفیں دیا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے خلاف ہر قسم کی سرگرمی اور مہم میں دامے، درمے، سخنے شریک رہا کرتا تھا، اس وقت وہ حجاز میں میں اپنے پرشکوہ قلعہ میں مقیم تھا، صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت جس کے امیر حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ تھے، جب قلعہ کے نزدیک پہنچی تو اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا، اور لوگ اپنے مویشیوں کو لے کر گھر واپس جا چکے تھے، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: تم لوگ یہیں بیٹھے رہو میں جا کر کسی تدبیر سے اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور کچھ لوگ ایک گدھے کو جو کہیں کھو گیا تھا، تلاش کرنے کے لئے نکلے، جب وہ لوگ اندر جانے لگے، میں وہیں چہرہ پر ڈھاٹا باندھ کر قضائے حاجت کے لئے بیٹھ گیا، دربان نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی قلعہ کے اندر کا آدمی ہے، مجھے پکارا کہ اے اللہ کے بندہ! جلدی کرو، میں دروازہ بند کرنے جا رہا ہوں، لہٰذا میں جلدی سے فارغ ہو کر قلعہ کے اندر آیا اور ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا، جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کر کے چابیاں ایک طاقچہ میں رکھ دیں، اس کے جانے کے بعد میں نے وہاں سے چابیاں اٹھا کر دروازہ کھول دیا، اس وقت ابو رافع بالائی منزل میں اپنے مصاحبوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا، جب اس کی مجلس برخاست ہوئی اور سب لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو میں اوپر چڑھا، راستہ میں جتنے دروازوں سے میرا گذر ہوا، سب کو اندر سے بند کرتا چلا گیا تا کہ اگر ان لوگوں کو اطلاع بھی ہو جائے تب بھی وہ ابو رافع کے قتل سے پہلے مجھ تک نہ پہنچ سکیں، کئی دروازوں

سے گزر کر میں ابورافع تک پہنچ گیا، وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایک تاریک کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، تاریکی کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس طرف ہے، لہٰذا میں نے اسے آواز دی، وہ سن کر چونک پڑا اور پوچھا کون ہے؟ میں تیزی سے آواز کی طرف لپکا اور حواس باختگی کے عالم میں اس پر تلوار کا ایک زوردار وار کیا، جس سے اسے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا، بس اس کی زبان سے ایک چیخ نکلی، میں فوراً باہر نکل آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد پھر اندر پہنچا اور آواز بدل کر پوچھا ابورافع کیا ہوا، یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا: ارے تمہارا برا ہو، گھر کے اندر کوئی آدمی ہے، جس نے مجھ پر تلوار سے وار کیا ہے، میں نے پھر ایک زوردار وار کیا، جس نے اسے ڈھیر کر دیا، لیکن یہ وار بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہوا، اس کے منہ سے پھر ایک دہلا دینے والی چیخ نکلی، جسے سن کر اس کے گھر والے اٹھ گئے، میں نے پھر وہی طریقہ اختیار کیا کہ کچھ دیر باہر کھڑا ہو کر اندر آیا اور آواز بدل کر اس کی خیریت دریافت کی گویا مدد کے لئے آیا ہوں، میں نے دیکھا کہ وہ پیٹھ کے بل سیدھا زمین پر پڑا ہے، یہ دیکھ کر میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھ اس زور سے اسے دبایا کہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز آنے لگی، میں سمجھ گیا کہ کام ہو گیا، گھبرایا ہوا واپس آیا، جب سیڑھی کے پاس پہنچا تو پیر پھسل گیا، اور میں نیچے آگرا جس سے میرا پیر ٹوٹ گیا، میں نے اپنا عمامہ کھول کر پیر پر باندھ لیا اور لنگڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا، اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو خوشخبری دو، میں اس کی موت کا اعلان ہونے تک یہیں رہوں گا، جب صبح ہوئی تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر ایک شخص نے اس کی موت کا اعلان کیا، میں یہ اعلان سن کر فوراً دوڑا دوڑا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ الحمدللہ اللہ نے اس ظالم کو ہلاک کر دیا، پھر ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر آپ کو پورا واقعہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا پیر پھیلاؤ، میں نے اپنا پیر پھیلا دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ ایسا اچھا ہو گیا جیسے کبھی کوئی چوٹ ہی نہ لگی ہو، صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین (بخاری ۷/۳۴۰، ۳۴۲)

درج بالا واقعہ سے مستفاد فوائد ونتائج :

یہودی بڑے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں، ہمیشہ قلعوں میں مکمل حفاظتی انتظامات کے ساتھ رہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

احتیاط اور چوکسی کسی بھی مہم کی انجام دہی میں بڑی مفید ہے۔

اظہار ہمدردی سے لوگوں کے دلوں کو جیتا جاسکتا ہے۔

مشرکین کے خلاف مقابلہ آرائی میں شدت وسنگدلی کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

مصلحۃً غیر مفہوم اور گول مول بات کی جاسکتی ہے۔

اگر ہمت وحوصلہ اور دانائی وبینائی کے ساتھ کام کیا جائے تو تھوڑے سے مسلمان کفار کی بڑی تعداد کو شکست دے سکتے ہیں۔

کسی دلیل اور قرینہ کی بنیاد ہی پر فیصلہ کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ نے ابورافع کی موت کے اعلان پر ہی اس کے مرنے کا یقین کیا۔

معاہدہ اور صلح کر کے دارالاسلام میں رہنے والے کافر کو عہد شکنی پر قتل کیا جاسکتا ہے۔

دشمنوں کے خلاف جاسوسی کرنا اور موقع پا کر انہیں قتل کر دینا جائز ہے۔

☆☆☆

زبان عطیہ ربانی اس کی حفاظت لازم

قال النبی ﷺ املک علی لسانک، ولیسعک بیتک، وابک علی خطیئتک (جامع ترمذی)

[اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے 'اپنی زبان پر قابو رکھو، تمہارا گھر تمہارے لئے کشادہ ہو اور فراخ ہو اور اپنی خطا پر رولیا کرو۔]

مذکورہ حدیث سماجی زندگی کا آئیڈیل اور رہنما اصول فراہم کرتی ہے، زبان انسانی زندگی کا امتیاز ہے، وہ زندگی کا درشاہوار ہے جس کی تابندگی سپہرہ زیست کو تابندگی عطا کرتی ہے اور اس کی بے راہ روی سے انسانی زندگی شرمسار ہوتی ہے، حضرت سفیان ابن عبداللہ الثقفیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ میری زندگی میں خوفناک چیزیں کیا ہیں، ان میں جو سب سے زیادہ خوفناک ہو، اس کی نشاندہی فرمادیں، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ ہے۔

زبان، دل ونگاہ کی ترجمان ہے اور عقل وخرد کا پاسبان ہے اور قوت سامعہ کی بانگ مسلسل ہے، اور یہ وہ نعمتیں ہیں جو اللہ عزوجل کے عطا کرنے سے ہمیں ملی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

'واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لاتعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ماتشکرون'

(اور اللہ تعالی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان بنائے، نگاہیں دیں اور دل ودماغ عطا کیے (تاکہ تم شکر ادا کرو) لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لئے دی ہیں تاکہ ہم ان کو صحیح استعمال کریں، اور ان سے حاصل شدہ معلومات سے صحیح نتائج اخذ کریں، ہماری یہ کمزوری ہے کہ ہم تمام خبروں اور واقع ہونے والے

حالات سے از خود واقف نہیں ہو سکتے، اس لئے ہمیں دوسروں پر بھی بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اس سلسلے میں آنے والی خبروں کی پوری تحقیق کے بعد ہی ہمیں کوئی فیصلہ لینا چاہئے اور تحقیق احوال کے بعد پشیمانی بھی اٹھانی پڑسکتی ہے، اس لئے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے 'اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی ناقابل اعتبار شخص کوئی اہم خبر لے کر آئے تو تم اسے پرکھ لو، وضاحت کرلو، ایسا نہ ہو کہ ناواقفیت میں کسی کو متہم قرار دو اور پھر تمہیں شرمساری ہو۔

ایک غلط فہمی :

بنی المصطلق کے پاس اللہ کے رسول ﷺ نے زکوۃ وصول کرنے کے لئے ایک صحابی کو بھیجا، وہ جب بنی المصطلق کے قریب پہنچے تو وہ ان کے استقبال کے لئے اپنے نوجوانوں کو لے کر نکلے، ان کے ہاتھوں میں تیر وتفنگ بھی تھی، یہ منظر دیکھ کر حضور اکرم ﷺ کے فرستادہ الٹے پاؤں واپس آگئے اور حضور اکرم ﷺ کو آکر خبر دی کہ وہ تو باغی ہوگئے ہیں' مجھے مبادا وہ قتل کردیتے، اس لئے ہم واپس چلے آئے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ بنوالمصطلق کی سرکوبی کی تیاری میں لگ گئے، اسی اثناء میں بنوالمصطلق کا ایک وفد حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچا اور اس نے عرض کیا کہ حضور! ﷺ آپ کے فرستادہ کی آمد کی خبر پاکر ہم لوگ ان کے استقبال کے لئے مسلح ہوکر اپنی روایت کے مطابق نکلے تھے ،لیکن وہ ہمیں دیکھتے ہی واپس ہوگئے، لہٰذا ہمیں شبہ ہوا کہ انہیں غلط فہمی ہوگئی، اس کے ازالہ کے لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی:

'یاایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم نادمین'

لوگ غلط فہمیوں کی بنیاد پر بھی ہفوات کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لئے خود بھی غلط فہمیوں سے بچنا چاہئے، اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنی چاہئے، ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ جب اعتکاف میں تھے، حضرت صفیہ بنت حیی ام المؤمنین حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کے لئے مسجد نبوی تشریف لائیں، دیر تک گفتگو کرنے کے بعد واپس ہونے لگیں تو حضور ﷺ انہیں رخصت کرنے کے

لئے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، اسی اثناء میں دو حضرات سامنے کی گلی سے گذر رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں روکا اور فرمایا کہ: یہ ام المومنین صفیہ بنت حیی ہیں، میری زوجہ ہیں، ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ حضور! آپ کے بارے میں ہم کچھ سوچ سکتے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں، شیطان غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے، وہ انسان کی رگوں میں خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے، اس لئے ہمیشہ شیطانی وسوسوں سے بچنا اور بچانا چاہئے، شیطان انسان کو کب اور کیسے دھوکہ دیتا ہے، اس کو دھیان میں رکھنا چاہئے۔

ابلیسی کھیل :

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ ایک دفعہ مراقبہ میں تھے، استغراقی کیفیت طاری تھی، اسی اثناء میں انہیں پیاس کا احساس ہوا، دیکھا کہ بازو میں کوئی سونے کے پیالے میں پانی لے کر کھڑا ہے، اور پینے کے لئے پیش کر رہا ہے، پیاس کی شدت تھی، پانی لے کر پینا چاہا تو دیکھا کہ پیالہ تو سونے کا ہے، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے پینے سے انکار کر دیا یہ کہتے ہوئے کے جناب محمد ﷺ نے سونے کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر دل میں خیال آیا کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے انعام ہے، بلا طلب اللہ تعالی کی طرف سے گویا پیش کش ہے، پی لینا چاہئے لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم' پڑھتے ہی وہ شخص اور پیالہ غائب ہو گیا، جاتے ہوئے اس نے کہا عبدالقادر! اپنے علم سے بچ گئے، فوراً متنبہ ہوا اور فرمایا کہ نہیں بلکہ فضل الٰہی کی وجہ سے بچا، معلوم ہوا کہ وہ ابلیس شیطان تھا، کس کس رنگ اور آہنگ میں وسوسہ اندازی اور کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ لہٰذا اپنی دانائی اور علم پر بھروسہ کر کے زبان و بیان کے واسطے کسی امر کی تشکیل سے پہلے سوچنا چاہئے کہ کہیں اغوائے شیطانی کے ہم شکار تو نہیں ہو رہے ہیں، اگر ایسا ہوگا تو ساری محنتیں اکارت ہو جائیں گی اور ذلت و رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آسکتا ہے۔

زبان کی حفاظت لازم :

حدیث شریف میں آیا ہے : عن بلال بن الحارث المزنی ان رسول

اللہ ﷺ قال:ان الرجل لیتکلم بالکلمة من رضوان اللہ ماکان یظن ان تبلغ مابلغت ،یکتب اللہ لہ بھا رضوانہ الی یوم یلقاہ' وان الرجل لیتکلم بالکلمة من سخط اللہ ماکان یظن ان تبلغ مابلغت،یکتب اللہ بھا سخطہ الی یوم یلقاہ (الحدیث)

(ترجمہ) ''حضرت بلال ابن حارثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ بلند درجے تک پہنچ جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک کے لئے اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے اور کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک بھی نہیں ہوتا کہ انتہائی نچلے درجہ کی ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لئے اس کے لئے اس بات کی وجہ سے ناراضگی لکھ دیتا ہے۔''

انسان کو اللہ عزوجل نے صاحب زبان بنایا ہے، اس زبان کو استعمال کی اسے قدرت دی ہے، اس کو وہ صحیح اور غلط دونوں طرح سے استعمال کرسکتا ہے، لیکن اسے اس حدیث کے ذریعہ باور کرایا گیا ہے کہ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اس کی زندگی کو کس حد تک متاثر کرسکتے ہیں، بسا اوقات معمولی بات جو اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی تو اس کا درجہ قیامت کے دن بلند کرنے کا ذریعہ ہوگی، اور رضائے الٰہی اور خوشنودی کا ذریعہ ہوگی، اور بہت چھوٹی بات لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو تو اس کی حیثیت کو گرادے گی، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہوگی۔

اس لئے زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، ایک ایک لفظ اللہ عزوجل کے ہاں کاؤنٹ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید' بات جو زبان پر آتی ہے، اس کی حفاظت ہوتی ہے، اس کے اثرات اور اکتسابات کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ روزآنہ زبان کے حضور میں سارے اعضائے انسانی دست بستہ پیش ہوتے ہیں اور عرض گذار ہوتے ہیں کہ تو اگر ٹھیک رہے گی تو ہم سب کی خیر ہے، اس

لئے کہ زبان کی غلطی کا خمیازہ جسم کے دیگر اعضاء کو اٹھانا پڑتا ہے، زبان تو اپنے حدود وحصار میں رہتے ہوئے محفوظ رہتی ہے۔

نطق یعنی بامفہوم بولنا انسانی زندگی کا امتیاز ہے، ساری مخلوق میں یہ وصف صرف اور صرف انسان کو حاصل ہے، اس لئے اس کو بڑا احتاط رہنا چاہئے، ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ: جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے' دراصل زبان سے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں، ان کے پیچھے انسان کا ایمان، اس کے جذبات و احساسات اور اس کی پوری شخصیت ہوا کرتی ہے، زبان ان سب کا مظہر ہے، لہٰذا ہمیں ہنسی مذاق میں دلداری کو ملحوظ رکھنا چاہئے، اور دلآزاری سے پرہیز کرنا چاہئے۔

دلآزاری انسان کی قبیح صفات میں سے ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سچے اور اچھے مسلمان کا یہ وصف بیان کیا ہے 'المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده' یعنی اچھا مسلمان وہ ہے جس کی دست درازیوں اور زبان درازیوں (یعنی دلآزاریوں) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اس حدیث میں مسلم کی قید سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ غیر مسلم کے ساتھ اس کی اجازت ہے، نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ عام طور پر ایک مسلمان کا اپنوں ہی کے ساتھ زیادہ تر رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، اور معاملات باہمی کا تصفیہ ہونا ہوتا ہے، تلخیاں اسی میں پیدا ہوتی ہیں، شکر رنجیوں کے ظہور کا یہی موقع ہوتا ہے، لہٰذا خاص طور پر یہ حدیث ہمیں اس طرف متوجہ کر رہی ہے، اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اس پر خصوصی زور دیا ہے کہ یہ شیوہ آذری ہے شیوہ انسانی وایمانی ہرگز نہیں ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، تمام اعضاء انسانی کا وہ امتیاز ہے، کونین میں حسن وتجمل کا وہ آئینہ دار ہے، تمام مخلوقات میں انسانی عظمت کا شاہکار ہے، بلکہ وہ درشاہوار ہے، جس سے انسان معاشرہ میں باوزن ہوتا ہے اور اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں ہر حال میں زبان کی خاص فکر رکھنی چاہئے، اور اس کی معنویت کی اہمیت وقدر و قیمت کو پہنچاننا چاہئے۔ ☆☆☆

علم عطیہ ربانی ہے

علم خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، علم کے ذریعہ انسان کو تمام مخلوق پر برتری اور فوقیت دی گئی ہے، علم سے اگر انسان عاری ہے تو اس کی ذات کا نہ کوئی وزن ہے اور نہ ہی کوئی اعتبار، نہ وہ خدا کی مخلوق میں عزت ومقام کے قابل سمجھا جائے گا اور نہ ہی خالق کائنات اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ اس کے صحیح معنوں میں تعلقات استوار ہوسکیں گے، عقل وفہم ادراک وشعور کی تمام تر صلاحیتیں علم کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں، اگر علم نہیں ہے تو یہ تمام تر اللہ کی عطا کردہ صلاحیتیں معدوم ہوجاتی ہیں، اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن پاک کا ارشاد ہے 'ان شر الدواب عنداللہ الصم البکم الذی لا یعقلون (الانفال) بے شک جانداروں میں سب سے بدتر خدا کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے عقل سے کام نہیں لیتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور حرماں نصیبی اور شقاوت وبدبختی ان کا مقدر بن جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے 'ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم' (الانفال) خدا ان میں نیکی کا مادہ دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کو حاصل کرنے کے جو ذرائع عطا فرمائے ہیں اور جو صلاحیتیں دی ہیں ان کا قرآن پاک میں بطور نعمت کے بار بار تذکرہ فرمایا ہے، کہیں ارشاد ہے 'اللہ الذی جعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون' اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے کان آنکھ اور دل بنائے تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

کان، آنکھ، ناک اور دیگر اعضاء کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی بنیاد پر ہماری عقل جو فیصلہ کرتی ہے اس میں بار بار دھوکہ ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر بات میں عقل کو حاکم

نہیں قرار دیا، ورنہ خیر وشر اچھائی وبرائی کے پیمانے مختلف ہوجاتے، اس مالک نے علم کا ایک ایسا ذریعہ عطا فرمایا جو بے داغ ہے، اس میں کوئی فریب اور غلطی کا امکان نہیں، اور وہ وحی الٰہی ہے جو حضور ﷺ پر اتری، اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے، وحی کی صورت میں اللہ کا کلام نازل ہوا اور بندوں کی ابدی ہدایت کا دروازہ کھلا' وانه لكتاب عزيز لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد (حم سجده) اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، دانا اور خوبیوں والے خدا کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔

قرآن پاک میں علم حاصل کرنے پر جتنا زور دیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے اس دنیا میں ترقی اور کامیابی کو علم کے ساتھ وابستہ کیا ہے، حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے اور آپ سے یہ کہا جاتا ہے 'قل رب زدنی علما' آپ کہئے اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما، حضور ﷺ نے اپنی بعثت کے مقصد کی ایک موقع پر یوں وضاحت فرمائی، بعثت معلما' مجھے تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا گیا۔

اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی بعثت ہوئی، دعا ایسے وقت میں اور ایسی جگہ آپ نے کی ہے جہاں سب سے زیادہ ضرورت پانی کی تھی، غذا اور رسد کی تھی، امن وامان کے قیام کی تھی، زندگی کو درپیش خطروں سے حفاظت کی تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعاؤں میں اولیت اس بات کو دی اور اپنے رب کے حضور میں یوں گویا ہوئے 'ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوعليهم آياتك ويُعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم' اے پروردگار ان لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر کو مبعوث کیجیو جو ان کی تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب و دانائی سکھایا کرے، اور ان کے دلوں کو پاک وصاف کرے بیشک تو غالب اور صاحب

حکمت ہے۔

اس طرح حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد تلاوت آیات تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفوس قرار پاتا ہے، ان میں مقدم پڑھنے اور پڑھانے کو قرار دیا گیا ہے اسی لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے 'خیرکم من تعلم القرآن وعلمه' تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

علم فضل عظیم ہے :

علم انسان کی بنیادی ضرورت ہے، پانی، ہوا، روشنی جس طرح انسانی زندگی کی بقا کے لئے بنیادی عنصر ہیں ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح علم انسانی زندگی کے لئے وہ بنیادی پتھر ہے جس کے بغیر اس کی عملی زندگی کو ثبات ودوام حاصل نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اس کی روحانی زندگی قائم رہ سکتی ہے، انسان اور چوپائے کا فرق ہی مٹ جائے گا، اسی لیے قرآن پاک میں علم کو فضل عظیم قرار دیا گیا ہے 'وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما' اور آپ کو اس بات کی تعلیم دی جس سے آپ واقف نہیں تھے، اور اس طرح آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ پہلی وحی نازل ہوئی تو اس میں ماحول کی پراگندگی، شرک وبت پرستی، زنا، فحاشی، بداخلاقی، چور بازاری، رشوت ستانی، ظلم وزیادتی، خونریزی وسفاکی، آمریت وانارکی، بیہودگی وبے راہ روی (جو اس دور کا طرہ امتیاز بن چکا تھا) کے تذکرے کے بجائے پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا :

'اقرا باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم'

''اے محمد! اپنے رب کا نام لے کر پڑھو جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ سب باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔''

ان آیتوں پر غور کیجئے تو حکم پڑھنے کا ہے، تذکرہ انسان کی تخلیق کا ہے، اس کریم مالک کے

کرم کا تذکرہ، لفظ اقرا یعنی پڑھو کے ساتھ کیا گیا، اس کی کرم فرمائی یہ ہے کہ اس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی، اور جس سے وہ واقف نہیں تھا، اس سے اس نے محض اپنے فضل سے واقف کروایا، البتہ ان آیتوں میں ایک بات اور کہی گئی ہے اور اس کے ذریعہ اسلامی وغیر اسلامی تعلیم کا فرق سمجھا جاسکتا ہے اور علم رحمانی وعلم شیطانی کے مابین امتیاز قائم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس مالک نے اپنے نام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے 'اقرا باسم ربک الذی خلق' پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

لہٰذا یہ رشتہ جب جب ٹوٹا ہے، دنیا میں تباہی آئی ہے، علم بڑھتا ہوا نظر آیا ہے، لیکن انسانیت کی نبض ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی ہے، اس رشتہ کو باقی رکھنے، فروغ دینے اور ہر لحہ شگفتہ اور تروتازہ رکھنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم بھی دیا ہے :

'فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون'

تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو متنبہ کرتے تاکہ وہ چوکنا رہتے۔

اہل علم کی فضیلت :

یہی وہ رشتہ اور تعلق ہے جو مخلوق کو خالق کے حضور تک پہنچاتا ہے، یہ رشتہ کمزور نہ پڑنے پائے، اس کو مضبوط رکھنے کے لئے ایک جماعت پر لازم ہے کہ اس کے لئے جنگی پیمانہ پر کوشش کرے اور علم حقیقی کی روشنی کو دور دور تک پہنچائے تاکہ لوگ حق وباطل کی تمیز کرسکیں، خیر وشر کو سمجھ سکیں، دوست و دشمن کے مابین فرق کرسکیں، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے 'من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله' جو علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

اس کے لئے مچھلیاں پانی میں اور چونٹیاں اپنے بلوں میں دعا کرتی ہیں، کائنات کا ذرہ

ذرہ اپنی بقاء کی جدوجہد میں اس جماعت کا مرہون منت ہے، عالم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا 'جس طرح ہمیں تم میں سے ایک ادنی شخص پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح ایک عالم کو سارے انسانوں پر برتری وفضیلت ثابت ہے۔

لہٰذا جس طرح زندگی کو باقی رکھنے کے لئے غذا اور پانی کی ضرورت ہے، اسی طرح کائنات کی بقاء کے لئے اس علم کی ضرورت ہے، جس پر اس دنیا کی بقاء موقوف ہے، اسی لیے علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے 'طلب العلم فریضة علی کل مسلم' علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (احیاء العلوم ۱:۴) اور اہل علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے 'هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انمایتذکر اولوالالباب' کہو بھلا جاننے اور نہ جاننے والے کہیں برابر ہو سکتے ہیں اور نصیحت تو بلاشبہ عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔ (الزمر)

اللہ عزوجل کے نزدیک علماء کا مقام اتنا اونچا ہے کہ ان کی شہادت کو اپنی اور فرشتوں کی شہادت کے ضمن میں ذکر فرمایا 'شهدالله انه لااله الاهو والملئكة واولوالعلم قائما بالقسط' اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ اور اہل علم جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی یہ گواہی دیتے ہیں (آل عمران) کہیں ان کے تعلق سے رفع درجات کی بات کہی گئی ہے 'یرفع الله الذین آمنوامنکم والذین اوتوالعلم درجات' تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لائے اور علم سے نوازے گئے 'اللہ تعالیٰ ان کے درجات 'مراتب' بلند فرمائے گا' حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں 'علماء کو عام مسلمانوں پر سات سو درجے زیادہ فضیلت دی گئی ہے اور ان درجوں کے باہمی فرق کے لئے ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مدت کی دوری ہے لہٰذا اہل علم اور بے علم فضیلت، عقل، قوت، نور اور تقوی کسی اعتبار سے بھی ایک جیسے نہیں ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں۔

اہل علم کی شان تو یہ ہے کہ علم وحکمت اور حق وصداقت کی باتیں تو ان کے سینوں میں لکھی ہوتی ہیں، اس لئے وہ انہیں جہاں دیکھتے ہیں پہنچان لیتے ہیں، اور ان کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن جو لوگ ان کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے جہل کی تاریکی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں (العنکبوت) اسلام کے نزدیک بہترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو مومن ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اور اس کی جزاء جنت کی ابدی زندگی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں رضائے الٰہی حاصل ہوگی لیکن یہ نعمتیں انہیں خشیت الٰہی کی وجہ سے ملتی ہیں (البینہ) قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں (فاطر)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بہترین مخلوق اہل علم ہیں اور وہی وارث جنت ہیں اور رضائے الٰہی ان کے لئے مقدر ہے، لہذا حضور اکرم ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا 'اے عائشہ! علم قرآنی کو اپنا شعار بنالو (مسند اعظم) ایک جگہ فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں سمجھ عطا کردیتے ہیں (صحیح بخاری)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کا ردیف (سواری پر آپ کے ساتھ سوار) تھا، اس وقت آپ نے ہمیں چند باتوں کی نصیحت فرمائی اور علم حاصل کرنے کی تاکید کی اور وہ یہ ہیں 'تم علم کو مضبوطی سے پکڑو، اس لئے کہ علم مومن کا دوست اور ان کا خیر خواہ ہے، نیز علم مومن کے وزیر کے قائم مقام ہے اور عقل اس کا رہبر ہے جو ہر وقت کام آتا ہے (نوادر الاصول) ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: جس نے علم کا ایک باب پڑھا تا کہ لوگوں کو تعلیم دے تو ستر صدیقین کا اسے ثواب ملتا ہے، قیامت کے دن تین گروہ کے لوگ شفاعت کریں گے، انبیاء' علماء اور شہداء' کیا ہی عمدہ تحفہ اور ہدیہ ہے، حکمت کا ایک کلمہ جسے تم نے سنا اور محفوظ رکھا اور اسے اپنے بھائی تک پہنچایا، اس کا سکھانا مسنون عبادت کے برابر ہے، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا قول ہے 'مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو علم تو حاصل نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو قابل احترام سمجھتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا: میرے جانشینوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو آپ کی خدمت میں

عرض کیا گیا، آپ کے جانشین کون ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔ (احیاء العلوم مختصر جامع البیان العلم)

علم کی فضیلت میں آثار واقوال :

حضرت علیؓ نے حضرت کمیلؓ سے فرمایا' اے کمیل علم دولت سے بہتر ہے، علم تمہاری پاسبانی کرتا ہے، اور دولت کی پاسبانی تمہیں کرنی پڑتی ہے، علم حکمراں ہوتا ہے، اور دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے، دولت خرچ ہونے سے کم ہوتی ہے اور علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے، حضرت معاذ ابن جبلؓ نے فرمایا: علم سکھاؤ کہ علم کا سکھانا نیکی ہے، اور اس کی طلب وتحصیل کرنا عبادت ہے، اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح اس سے بحث کرنا جہاد، اس کا خرچ کرنا تقرب الٰہی کا ذریعہ اور نہ جاننے والوں کو بتانا صدقہ جاریہ ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوذرؓ کا ارشاد ہے: 'علم کا ایک باب جو ہم پڑھتے ہیں وہ میرے نزدیک نفل کی ایک ہزار رکعتوں سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے اور علم کے ایسے باب کا پڑھنا جس پر ہم عمل بھی کر سکیں، سو رکعتوں کے پڑھنے سے افضل ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے: فقہ کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے (دار قطنی کنز العمال) حضرت ابن عباسؓ نے علم کا مقام یوں ظاہر فرمایا: حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کو علم دولت اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا، انہوں نے علم کو منتخب کیا تو دولت وسلطنت بھی علم کے ساتھ ہاتھ آئی' حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے: علم کی تحصیل نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے' امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد علم کی طلب سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں ہے۔

وہ علم مفید ہے جو علم الٰہی کے تابع ہو :

مندرجہ بالا آیات واحادیث' آثار اور اقوال ائمہ کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام میں علم کو غیر معمولی فضیلت واہمیت حاصل ہے، اور اسے حقائق اشیاء کے ادراک وعرفان کا

ناگزیر ذریعہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود اسے علم الٰہی کے تابع رکھا گیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان صاحب ارادہ واختیار ہے اور اسے عقل وفکر کو صحیح یا غلط جہتوں میں لگانے کی آزادی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ابلیس جو اس کا دشمن ازلی ہے اسے سبز باغ دکھا دکھا کر فریب دیتا رہتا ہے، وہ انسان کی قبیح خواہشات کو مزین کر کے پیش کرتا رہتا ہے، چونکہ انسان فطرتاً حسن پسند ہے، اس لیے علم رکھنے کے باوجود شیطان کے فریب سے مات کھا جانے کا ہمیشہ امکان رہتا ہے، جس سے کسی حال میں بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ عصبیت، وتعصب وحسد وبغض، عناد وتمرد اور ظلم وزیادتی ایسے عوامل ہیں جو عقل وفکر کو مسحور ومغلوب کر کے گمراہ کر دیتے ہیں، لہٰذا اگر علم صرف معلومات کی حد تک ہے اس کا رشتہ اللہ کی رضا وخشیت سے منسلک نہیں ہے، تو وہ علم جسمانی حد تک اپنی افادیت کے باوجود نوع انسانی کی بقاء وتحفظ اور سلامتی کا ضامن نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ علم ایک سانپ ہے جو نوع انسانی کو برابر ڈستا رہے گا 'علم را بر تن زنے مارے بود' کا مصداق ہوگا۔

علم کی تعریف :

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے علم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا 'علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے، اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا، محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ گناہ کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا، بلکہ کفر کے ساتھ بھی، بس معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں ہے۔ حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن پاک میں ہے 'قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین' تحقیق کہ اللہ کی جانب سے نور اور کھلی ہوئی کتاب تمہارے پاس آ گئی' اسی کو روح بھی فرمایا گیا ہے 'وایدھم بروح منہ' اور ان کی تائید کی اپنی طرف سے ایک روح کے ذریعہ۔ بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے، علم سے مراد یہ نہیں کہ قال اصل میں قول تھا، بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت قران پاک میں یوں آیا ہے 'وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس' اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنا دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے

کہ اگر چاروں طرف سے اسے تلواروں سے گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کسی سفر میں تھے، دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لئے اترے آپ نے اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے، ایک دشمن نے موقع غنیمت سمجھا اور اس نے دبے پاؤں آکر تلوار پر قبضہ کیا، اس کے بعد اس کو نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا، اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا آپ کو بیدار کیا اور پوچھا 'من یعصمک منی' اس وقت آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے، آپ نے اس کی ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں فرمائی، اور اس کے سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ 'اللہ' یعنی مجھے اللہ بچائے گا، بھلا کوئی ایسا کر کے تو دکھا دے، بغیر خدا کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا، تو علم اس کا نام ہے، ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی جانتا ہے، یہی وہ حقیقت علم ہے جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے، اور یہی وہ فقہ ہے جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے 'فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد' ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لئے اسلاف نے طویل طویل اسفار کیے' مشقتیں اٹھائیں' تکلیفیں برداشت کیں (العلم والعلماء)

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ جو جلیل القدر محدث ہیں ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب سفر سے واپس آتے تو اپنے کپڑے اتار کر جھاڑتے اور جو ذرات گرد و غبار کے کپڑے سے جھڑتے اس کو محفوظ کر لیتے اسی طرح جس قلم سے حدیث شریف لکھتے اس کو جب بناتے تو اس کا تراشا محفوظ فرما لیتے 'جب آخری وقت ہوا تو وصیت فرمائی کہ گرد و غبار کا مجموعہ (مٹی کا ڈلا) جو موجود ہے اس کو میری قبر میں رکھ دینا اور قلم کے تراشے سے میرے غسل کا پانی گرم کرنا، مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کی راہ میں میری یہ کاوشیں بھی قبول فرمائے گا، اور میری مغفرت میں یہ چیزیں معاون ہوں گی۔ اس سے اندازہ لگائیے علم کی اہمیت و فضیلت کا، اور یہ کہ اہل علم نے علم کو حاصل کیا ہے تو کس جذبہ اور شوق سے علم حاصل کیا ہے، اور آج اس کی کس قدر ضرورت ہے۔

علم ایک ہی ہے :

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ علم دنیا ہے اور یہ علم دین ہے۔اور پھر اسی بنیاد پر دونوں میں تفریق کی جاتی ہے، اور دونوں کے ساتھ معاملہ جداگانہ کیا جاتا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اسلام میں علم دین ودنیا کی قطعاً تفریق نہیں، علم ایک ہے، علم خدا کی ازلی وابدی صفت ہے، علم ایک نور ہے جس سے ظلمتیں دور ہوتی ہیں، علم ایک طاقت ہے جس سے حکمرانی، قیادت اور تسخیر کائنات کا عمل مکمل ہوتا ہے، علم عنایت ربانی ونعمت یزدانی کا مظہر ہے، وہ علم ایک ہی ہے، البتہ اس کی دو قسمیں نافع اور ضار ہونے کی حیثیت سے ہیں، علم نافع علم دین سے جڑا ہوا ہے، اور وہ علم جس کا مقصد نقصان پہنچانا ہے وہ علم شیطانی اور گھاٹے اور خسارے کا سرچشمہ ہے' الا ان حزب الشیطان ہم الخاسرون' یاد رکھو شیطان کا گروہ ہی خسارے اور ٹوٹے میں ہے، لہذا دنیا کا ہر علم اسلام کی نظر میں مطلوب ومستحسن ہے، بس رضائے الٰہی شرط ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرے اور مقصد اس سے اللہ کی رضا نہ ہو تو جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکتا۔(ترمذی)

اللہ کی رضا علم نبوت سے حاصل ہوگی :

علم نبوت کے بغیر اللہ کی رضا کا تصور نہیں کیا جاسکتا، آج بے دینی کا جو ماحول ہے اس میں بچوں کی پرورش کا جو نظام ہے اور خارجی عوامل، ٹیلی ویژن، وی سی آر، ریڈیو اور فحش ناولیں اور اخلاق سوز لٹریچر کی وجہ سے علم کی وہ افادیت جو مقصود ہے ختم ہوتی جارہی ہے، مشرکانہ، ملحدانہ، بلکہ اخلاقی قدروں کے خلاف باغیانہ ماحول بنتا جارہا ہے، اسکول، کالجز، یونیورسٹیاں بڑھتی جارہی ہیں لیکن قدریں گھٹتی چلی جارہی ہیں، آج ضرورت ہے کہ اس کے خلاف ایک مضبوط بند قائم کیا جائے، اور اس کے لئے لازم ہے کہ مدارس ومکاتب جو حقیقت میں علم نبوت کی اشاعت وترسیل کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ان کو مضبوط اور ان کا دائرہ وسیع کیا جائے، اور ہر مسلمان بچہ مکتب کی تعلیم کے بعد ہی عصری تعلیم حاصل کرے اور جن لوگوں کو یہ موقع نہ ملے وہ الگ سے اس کا نظم کریں، جو پختہ عمر کو پہنچ

گئے ہیں ان کے مسجدوں اور مکاتب میں شبینہ یا صباحی درجات قائم کیے جائیں، بلکہ یہ تجربہ ان بچوں کے حق میں بھی بہت مفید ہوگا جو مقامی کالجوں میں پڑھتے ہیں، اور دینی تعلیم سے محروم ہیں ان کے لئے ایک دو گھنٹہ کی تعلیم مقصد کے حصول میں ممد ومعاون ثابت ہوگی، لیکن یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب خود سرپرست حضرات بھی اس طرف توجہ فرمائیں، بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت والدین کا فرض ہے، بچے حقیقت میں امانت ہیں جن کی نگہداشت صحیح نہیں کی گئی تو خیانت کا جرم عائد ہوسکتا ہے اور ایسے بچے اپنے والدین کے لئے آخرت میں بھی آزمائش کا سبب بنیں گے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: مانحل والدولده من نحل افضل من ادب حسن 'باپ کی طرف سے بیٹے کے لئے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں کہ وہ اس کو اچھے آداب سکھائے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ تعلیم وتربیت کی ذمہ داری صرف والد کی ہے لیکن حقیقت میں والد اور والدہ دونوں ہی اس میں مراد لیے گئے ہیں، عورت اور مرد کو فطری طور پر اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس محبت کا بہترین استعمال کیا ہے؟ وہ استعمال یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کو آداب زندگی سکھائیں اور یہ بغیر اچھی تعلیم وتربیت کے ممکن نہیں ہے۔

☆☆☆

مظلوم عورت کو اسلام نے کیا عزت بخشی

یورپ جس کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہاں کی تہذیب وتمدن کی صبح نو نمودار ہوئی، اور آج بھی تہذیب وثقافت کا اسے مرکز سمجھا جاتا ہے، وہاں عورت کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا، چنانچہ عین اس وقت جب اسلام نے عورت کو نوع انسانی کا نصف حصہ قرار دیکر مرد کے برابر حقوق عطا کیے تو یورپ میں ایک مجلس منعقد ہوئی، جس میں زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ عورت آیا بے روح کی جسم ہے یا اس میں روح ہے؟ بہت بحث وتحقیق کے بعد یہ تجویز پاس ہوئی کہ عورت عذاب جہنم سے نجات پانے والی روح سے خالی ہے سوائے حضرت مریم کی ماں کے؟

پھر یورپی اقوام جب عیسائیت میں داخل ہونا شروع ہوئیں اور مذہبی اثر ان میں پیدا ہوا تو ۵۸۶ء میں ایک عظیم کانفرنس اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے منعقد ہوئی کہ عورت کو انسان شمار کیا جائے یا غیر انسان؟ کانفرنس نے بہت فیاضی سے کام لے کر اس قدر تسلیم کیا کہ عورت انسان ہے، لیکن اس کو پیدا کئے جانے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے۔

اسی طرح مسیحیت کے اولین پادریوں اور پیشواؤں کا نظریہ عورت کے حق میں یہ تھا کہ عورت گناہوں اور برائیوں کا سرچشمہ ہے، فسق وفجور کی جڑ ہے اور مرد کے لئے جہنم کا دروازہ ہے، اسی کی وجہ سے تمام انسانی مصیبتوں کے سرچشمے پھوٹے ہیں، یہ انتہائی گندی مخلوق ہے وغیرہ۔

یہودیوں کے یہاں نکاح درحقیقت عورت کو خریدنے کا ہم معنیٰ تھا اور اس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی ہے، عرب جو اسلام کا سرچشمہ تھا وہاں یہ حالت تھی کہ لڑکیاں زندہ دفن کردی جاتی تھیں، عورت کو کوئی حصہ وراثت میں نہیں ملتا تھا، باپ مرتا تھا تو اس کی بیویاں بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں۔

ہندوؤں کے یہاں عورت نکاح کے بعد خاوند کی غلام ہوجاتی تھی، اس کو کسی قسم کا آزادانہ معاملہ ومعاہدہ کرنے کا حق حاصل نہیں تھا، شوہر کے مرجانے کے بعد خود بھی جیتے جی آگ میں شوہر کے ساتھ جل مرجانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، بیٹی، ماں، بیوی کو بجز حق پرورش، میراث کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا ہندوستان میں عین تہذیب وتمدن کے وقت بھی کثرت سے دختر کشی کی رسم جاری تھی۔

الغرض اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد ہر دور میں دنیا کی تمام قومیں اور مذہبی طبقے، عورت کو اپنے جاہلانہ نظریے اور ظالمانہ سلوک کا ہدف بنا کر عورت کی شخصیت اور اس کے حقوق کو برابر پامال کرتے رہے ہیں، متمدن قوموں نے نوع انسانی کے اس نصف حصہ کے متعلق مختلف پہلو بدلے اور حقوق کے سلسلے میں سینکڑوں قوانین بنائے لیکن ان سب کے باوجود اس صنف نے اپنے مرتبہ و حقوق کی داد اگر پائی تو اسلام ہی سے پائی۔

آج بظاہر تہذیب کے اجالے میں عورت کی قیمت وعزت بہت اونچی نظر آرہی ہے اس کا مقام مردوں کے مقابلے میں کافی بلند دکھائی دیتا ہے، اس کے حقوق کی فہرست اس قدر طویل ہوتی جارہی ہے کہ کسی منزل پر ٹھہرنے کا نام ہی نہیں لیتی، لیکن اس روشن تہذیب کا پس منظر پہلی جاہلی تہذیب سے کہیں زیادہ تاریک ہے، پہلے عورت کا دائرہ عمل گھر کی چہار دیواری تھی، اس کی خوراک' پوشاک اور تمام ضروریات کا کفیل مرد تھا، بچوں کی نشوونما اور تربیت میں عورت کی مامتا اور اس کی رحمت وشفقت کارفرما تھی، اب تہذیب نو کے علمبرداروں نے عورت کے حقوق کا مطالبہ کرتے کرتے اس کو گھر کی چہار دیواری سے نکال کر میدان عمل میں ڈال دیا، اس کی خوراک وغیرہ کی ذمہ داری سے چھٹکارا حاصل کرلیا، بچوں کو ماں کی رحمت وشفقت سے محروم کردیا۔

آج کی تہذیب ومعاشرت میں عورت کی بلند ترین شخصیت اور خوشنما مقام یہ ہے کہ وہ مردوں کی کمائی وآمدنی کا وسیلہ ہے، ان کی نگاہ غلط انداز کا مرکز اور خواہشات وشہوات کی تسکین کے لئے بیگار کے طور پر استعمال کئے جانے کا سامان ہے، کارخانوں، دوکانوں، دفتروں، رقص گاہوں،

ہوٹلوں اور فلموں کو فروغ دینے کا دلکش ٹائٹل اور خوبصورت سین ہے، یہ حقوق نسواں کے متعلق ماضی کی تفریط اور موجودہ دور کے افراط کا حال ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کا اتار چڑھاؤ کبھی بھی معاشرت میں اصلاح وسدھار نہیں پیدا کرسکتا بلکہ اس قابل بھی نہیں کہ ان پر تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھی جاسکے، یہ عجیب بات ہے کہ تہذیب کے دعویدار تفریط حق کو ظلم وخیانت کہتے ہیں، اور افراط حق کو تہذیب و تمدن کا احسان قرار دیتے ہیں، حالانکہ حقوق میں تفریط وافراط دونوں ہی خیانت ہیں۔

اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا کیے ہیں وہ تفریط وافراط دونوں سے پاک ہونے کے ساتھ اعتدال سنجیدگی اور نکتہ سنجی کے آئینہ دار اور حق بحقدار رسید کے مصداق ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر اسلام کے عطا کردہ جملہ حقوق چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود وہ اب تک بعینہ محفوظ اور باقی ہیں، جبکہ اس طویل عرصہ میں دنیا کی مختلف قوموں اور مذہبوں نے عورت کو سینکڑوں انقلابات اور اتار چڑھاؤ کا تختہ مشق بنایا۔ (آداب ازواج ۸۸۔۸۷)

اسلام کا عورت پر عظیم احسان ہے کہ سب سے پہلے اس نے بتایا کہ عورت کی حیثیت کیا ہے، اور مرد کے ساتھ اس کا فطری تعلق کس قسم کا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے 'خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (روم)' اللہ نے تمہاری ذاتوں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کیے تاکہ ان سے سکون پاؤ اور تمہارے درمیان محبت و پیار ڈالا۔ بیوی پر شوہر کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے 'ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ' (بقرۃ) جس طرح دستور کے مطابق مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے 'المقسطون یوم القیامۃ علی منابر من نور علی یمین الرحمن وکلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وماولوا (مسلم) جو لوگ انصاف کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ کے

دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، یہ انصاف والے وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں اور اہل وعیال اور ماتحتوں کے معاملے میں انصاف کرتے ہیں۔

بیوی کے حقوق :

بیوی کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا 'ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف' عورتوں کی خوراک وپوشک دستور کے مطابق مردوں پر لازم ہے۔(حدیث) رسول خدا ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی 'الا وحقھن علیکم ان تحسنو االیھن فی کسوتھن وطعامھن' (ترمذی) سنو! مردوں پر عورتوں کا حق یہ ہے کہ ان کے نان ونفقہ اور پوشاک کی اچھی طرح خیال کریں۔ایک سائل کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا 'قال رجل من الصحابۃ یارسول اللہ ﷺ ماحق درجۃ احدنا علیھا؟ قال ان تطعمھا اذا طعمت' وتکسوھا اذا اکتسبت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الافی البیت' ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ خاوند پر بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:(۱) جب کھاؤ بیوی کو کھلاؤ' (۲) جب اپنے لئے پوشاک بناؤ تو اس کے لئے بھی بناؤ' (۳) اس کے چہرے پر نہ مارو' (۴) اس کو برا بھلا نہ کہو' (۵) اس سے کنارہ کشی نہ اختیار کرو مگر گھر میں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ جو کھائے وہ کھلائے اور جس قیمت کا کپڑا وہ استعمال کرے بیوی کے لئے بھی اسی قیمت کی پوشاک تیار کرے، کبھی بیوی کی طرف سے کوئی ناگواری کا اظہار ہو اور تنبیہ کی ضرورت ہو تو چہرے پر ہرگز نہ مارے اور اس کے خاندان کو لگا کر برا بھلا نہ کہے، اور نہ گالی دے، اس کو گھر سے نہ نکالے، اپنی ناگواری کے اظہار کے لئے اگر بستر الگ کرلے تو کافی ہے۔

حضور اکرم ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو اتنا خیال فرماتے کہ داخل ہونے کی

آہٹ سے حضرت عائشہؓ اگر سو رہی ہوں تو بیدار نہ ہو جائیں، اسی طرح تہجد کے لئے اٹھتے تو بہت احتیاط برتتے، گھر کا کام خود کر لیتے، بکری کا دودھ نکالنا ہوتا تو خود نکال لیتے، کپڑے کی صفائی اور اپنے ذاتی کام امہات المؤمنین پر ڈالنے کے بجائے خود انجام دیتے۔

عورت کی پیدائش مرد کی پسلی سے ہوئی ہے، لہٰذا مرد کی ذات میں اس کی دلچسپی بے انتہا بڑھی ہوئی ہے، وہ سوتے اٹھتے، بیٹھتے اپنے خاوند کے بارے میں سوچتی رہتی ہے، اگر مرد گھر میں ذرا تاخیر سے آتا ہے تو بیوی پر گراں گزرتا ہے، اور اگر کچھ دن اس سے دور رہتا ہے تو خاوند کی دوری اس کے لئے سوہان روح بن جاتی ہے، لہٰذا مرد کو چاہئے کہ بیوی کی نفسیات کا خیال رکھے، طویل غیبوبت بہت سے مفاسد پیدا کرتی ہے، اور آج کل کے آزادانہ ماحول نے اختلاط کے مواقع بہت پیدا کر دیے ہیں، جس کی وجہ سے اور بھی فتنے پیدا ہو رہے ہیں، خاوند کی دوری سے کسی عصمت مآب خاتون پر کیا گزرتی ہے ذیل کا واقعہ اس امر پر شاہد ہے، حالانکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، عصمت کی دہلیز پر کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا، لیکن سویدائے قلب سے اٹھتی ہوئی بے تابیوں کا مداوا کون کر سکتا ہے، تنہائی ایک ناگن ہے جو ڈستی رہتی ہے اس کے زہر کا تریاق خاوند ہے، جس سے بیوی کو تسلی ملتی ہے جس کے خاطر اس نے اپنے والدین، خویش واقارب اور وطن کو چھوڑا ہے وہ صرف اس کی قربت اور محبت چاہتی ہے، اسی لئے بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو بھی صدقہ قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ خدا کے نزدیک محبوب عمل ہے، بلکہ ایک روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ میاں بیوی جب ایک ساتھ خلوت میں ہوتے ہیں تو ان کی قربت خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے، لہٰذا اسلام نے بیوی کے تمام حقوق کا احترام کرتے ہوئے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ خاوند بیوی سے طویل مدت تک علیحدہ غیر حاضر رہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ رات کے وقت مدینہ منورہ کی نگرانی کرتے ہوئے ایک مکان کے پاس پہنچے جس کے اندر سے ایک عورت کی آواز آ رہی تھی جو اپنے قلبی جذبات کے

طوفان میں ڈوبی ہوئی اپنی نامرادی کا مرثیہ گا رہی تھی جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

لطاول هذاالليل وازورجانبه ارقنی ان لاضجيع الا عبه

اس شب دراز کا کنارہ مائل ہو چکا ہے اور ابھی تک مجھے نیند نہیں آئی' کیونکہ میری چارپائی پر ساتھ سونے والا موجود نہیں یہ جس سے میں ہمکنار ہو سکوں۔

فوالله لولاالله لاشئی غيره تحرك من هذا السرير جو انبه

خدا کی قسم اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس چارپائی کے بازو حرکت کرتے۔

ولٰكننی اخشی رقيبا موكلا بانفسنا لايفتر الدهر كاتبه

لیکن مجھے اس ذات سے ڈر لگتا ہے جو ہماری جانوں کا نگراں ہے اور اس کا منشی رپورٹ لکھنے میں کبھی سستی نہیں کرتا۔

مخافة ربی والحياء يصدنی واكرام بعلی ان تنال مراتبه

میرے رب کا خوف اور شرم وحیاء نیز شوہر کی بے عزتی کا احساس مجھے روکے ہوئے ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس عورت کے متعلق تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا خاوند موجود نہیں ہے، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے گیا ہے، آپ نے فوراً اس کے خاوند کو جہاد سے واپس بلایا، پھر اپنی بیٹی حفصہؓ سے دریافت کیا کہ 'یا بنية كم تصبر المرأة على زوجها' بیٹی بتاؤ عورت بغیر خاوند کے کتنے عرصہ تک صبر کر سکتی ہے، حضرت حفصہؓ نے کہا 'سبحان الله مثلك يسال مثلی عن هذا' سبحان الله' آپ جیسے مرد (باپ) مجھ جیسی عورت (بیٹی) سے اس قسم کا سوال کرتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مسلمانوں کی بہی خواہی اور ان کے حالات پر نظر رکھنا مقصد نہ ہوتا تو تم سے اس قسم کا سوال نہ کرتا، حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ پانچ ماہ تک عورت بغیر خاوند کے رہ سکتی ہے، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے لئے چھ مہینے کی مدت اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمادی کہ جہاد میں جانے کی مدت ایک ماہ، جہاد میں کسی چوکی یا محاذ پر چار ماہ اور واپسی پر ایک ماہ اس طرح

کل چھ ماہ۔

بیوی کے معاشرتی حقوق میں یہ بھی ہے کہ خاوند جب گھر میں داخل ہو یا باہر جائے تو بیوی اور تمام گھر والوں کو سلام کرے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس طرح راستے کے نشانات وعلامات ہیں اسی طرح اسلام کے بھی نشانات وعلامات ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں اللہ پر ایمان لانا، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اچھی بات کا حکم دینا، بری بات سے منع کرنا، گھر میں داخل ہوتے وقت اہل وعیال سے سلام کرنا، اور اپنی قوم کے پاس سے گزرتے وقت سلام کرنا، جس نے ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز چھوڑی اس نے اسلام کا ایک حصہ چھوڑ دیا، اور جس نے ان تمام کو چھوڑ دیا تو اس نے پورے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ (حاکم)

اس حدیث میں اہل وعیال پر سلام کو ارکان خمسہ کے ضمن میں لایا گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک زن وشوہر کے تعلقات کی استواری کا کیا درجہ ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ۔

☆☆☆

عصر حاضر میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی اہمیت اور اس کے طریقے

ہر مسلمان شخص کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت دینی تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے، سلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اسلامی تعلیمات سے کماحقہ واقفیت ہو، یہی وجہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کو بہت اہم قرار دیا گیا ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کی اہمیت وافادیت کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے حصول کی ترغیب بھی دی ہے، بہت سی حدیثیں اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

حضرت عبداللہؓ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اس اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا، مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا، چنانچہ میں نے پیاس کی تراوٹ کو اپنے ناخنوں سے نکلتے ہوئے دیکھا، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر ابن خطابؓ کو دے دیا، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اس خواب کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علم (بخاری شریف)

اگر چہ متعدد علوم وفنون کا حاصل کرنا اہم ہے تاہم دینی علم سیکھا جائے تو نسبتاً یہ زیادہ مفید اور اللہ کے نزدیک اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ علم دین کے سیکھنے کے بعد اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جاننا آسان ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید جو آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا اور بنی نوع انساں کے لئے ایک انتہائی جامع دستور حیات ہے، اس کے سیکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے، جو شخص قرآن کا علم رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں

تک اس کو پہنچائے' فرمایا گیا: بلغوا عنی ولو آیۃ' علم کو دوسروں تک پہنچانے کے بابت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ تمہاری جانیں اور تمہارے اموال (اور محمد ابن سیرینؒ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا) تمہاری آبروئیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے کہ آج کے دن اس مہینہ میں ہیں، خبردار! حاضر غائب تک یہ بات پہنچادے، محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے سچ ارشاد فرمایا: ایسا ہی ہوا، آگاہ رہو یعنی پورے طور پر میری طرف متوجہ ہوجاؤ اور جواب دو کیا میں نے فریضہ تبلیغ ادا کردیا؟ آپ ﷺ نے دوبار یہ ارشاد فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

علم دین سیکھنے کے سلسلے میں واضح آیات واحادیث کے بعد ہر مسلمان کو چاہئے کہ سیکھنے پر توجہ مرکوز کرے اور اگر وہ علم دین رکھتا ہے تو دوسروں تک بھی اسے پہنچائے اب سوال یہ ہے کہ دینی تعلیم کو باضابطہ کیسے حاصل کیا جائے، جب کہ دور جدید میں انسان مختلف طرح کی مصروفیات میں الجھا ہوا ہے، دور جدید کے تعلیمی اداروں میں بھی علم دین پڑھانے کا خاص اہتمام نہیں کیا جاتا، اسی طرح وہ لوگ جو اچھی خاصی عمر رکھتے ہیں اور باضابطہ کسی مدرسہ یا اسکول میں تعلیم حاصل نہیں کرسکتے ،وہ کیسے دینی تعلیم حاصل کریں؟

علم کیسے حاصل کریں :

دینی تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی طور پر دو طریقے ہوسکتے ہیں' ایک تو یہ کہ اس کے لئے باقاعدہ ادارے قائم کے جائیں جہاں دینی تعلیم کا پورا بندوبست ہو جیسا کہ ہندوستان اور دنیا کے بہت سے ملکوں میں یہ طریقہ رائج ہے، ان اداروں میں بہت سے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ طریقہ تعلیم یقیناً ایک مستحکم نظام پر مبنی ہے۔

دوسرا طریقہ تعلیم یہ ہے کہ خارجی وقت میں تعلیم کا بندوبست کیا جائے یہ طریقہ ہر جگہ رائج نہیں ہے، تاہم تعلیم بالغان کے طور پر یہ خاصا مؤثر ثابت ہوسکتا ہے، اور اس کے مختلف مقامات پر کامیاب تجربے بھی ہوئے ہیں۔

خارجی وقت میں جہاں تک تعلیم سیکھنے سکھانے کی بات ہے تو اس کے ذریعہ ملت کے اس طبقہ کو زیادہ تعلیم یافتہ بنایا جاسکتا ہے، جو اپنی دیگر بہت سی مشغولیات رکھتے ہیں، مثلاً وہ کاروبار میں مصروف رہتے ہیں، یا دکانیں چلاتے ہیں، یا کسی فیکٹری کا نظم ونسق دیکھتے ہیں، یا روزی کی تلاش میں صبح گھر سے نکلتے ہیں اور شام کو واپس گھر پہنچتے ہیں، کیونکہ ان کے اوپر گھر کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لئے تو پارٹ ٹائم دینی تعلیم کا طریقہ زیادہ مؤثر ثابت ہوسکے گا، اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہنے والے حضرات اپنے حساب سے وقت کا تعین کرسکتے ہیں، اس لئے دینی تعلیم کے پارٹ ٹائم نظام کو رائج کردیا جائے تو یقیناً اس سے ملت کے ان طبقات کو بڑا فائدہ ہوگا جن کے پاس مستقل وقت نہیں ہے۔

خارجی وقت میں دینی تعلیم سیکھنے سکھانے کا اہتمام اس لئے بھی اہم ہے کہ دین کے سیکھنے کی کوئی عمر متعین نہیں ہوتی، بلکہ دین کا علم وقت کے مطابق ہر وقت سیکھنا پڑتا ہے، چاہے کسی مسئلہ کی بابت یا کسی عالم سے دریافت کرنے کا معاملہ ہو یا مسجد میں تفسیر سننے کی بات ہو یا نماز کی دعائیں یاد کرنے کا معاملہ ہو۔

بڑی عمر کے لوگوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ ہمارے معاشرہ میں آج بھی ایک ایسا بڑا طبقہ موجود ہے جو دینی معلومات نہیں رکھتا یا بہت کم دینی معلومات رکھتا ہے، ایسے کتنے لوگ دیکھے جاسکتے ہیں، جنہیں نماز کے طریقوں کے بارے میں بھی ٹھیک سے علم نہیں جبکہ نماز دن بھر میں پانچ وقت فرض ہے، ایسے افراد کی بھی معاشرہ میں خاصی تعداد ہے، جو دین کی بنیادی باتوں سے تو واقف ہیں لیکن وہ مزید دینی تعلیم کا حصول چاہتے ہیں، خارجی وقت میں تعلیم کے نظام کو کامیاب کرنے کے لئے پورا ایک نظام ترتیب دیا جاسکتا ہے، مثلاً خارجی وقت میں تعلیم دینے کا کام ہر اس جگہ انتظام لیا جاسکتا ہے جہاں مسلمانوں کی خاصی تعداد آباد ہے، دوسرے اس کے لئے دینی تعلیم سے متعلق مختلف موضوعات پر مبنی کورس پڑھانے کا بندوبست ہونا چاہئے۔

دینی تعلیم سیکھنے سکھانے کے لئے جو مراکز قائم کیے جائیں ان میں خصوصی طور سے درج ذیل مضامین پڑھائے جاسکتے ہیں۔قرآن مجید کی تلاوت،قرآن مجید پڑھانے کے لئے تجوید وقواعد کے ساتھ معقول بندوبست کیا جائے، کیونکہ ہم مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ یقیناً قرآن کریم کی تلاوت کرنا نہیں جانتا،ایسے افراد بھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو قرآن مجید تو پڑھ سکتے ہیں،لیکن وہ تجوید یا اصول کی رعایت نہیں کر پاتے، حالانکہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنا ضروری ہے،اگر بڑی عمر کے لوگوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم کا معقول انتظام ہوجائے ،اور ناخواندہ افراد قرآن سیکھنے کے لئے وہاں جائیں تو بڑا فائدہ سامنے آسکتا ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر وترجمہ :

قرآن مجید میں کیا بیان کیا گیا ہے، اس کو اسی وقت جانا جاسکتا ہے جب کہ اس کے ترجمہ یا تفسیر کا علم ہو، بہت سے لوگوں میں یہ جذبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھنے میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں،مگر قرآن کیونکہ عربی زبان میں ہے،اس لئے اس کو سمجھنا آسان نہیں ہے، کئی لوگ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے تراجم کا سہارا بھی لیتے ہیں مگر اس کے باوجود قرآن کریم کو سمجھنا ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہوتا،اگر قرآن مجید کے ترجمہ کو باقاعدہ کسی عالم دین سے پڑھا جائے اور اس کے لئے عربی زبان بھی سیکھی جائے تو اس کی افادیت کا کیا ٹھکانہ،قرآن مجید کا ترجمہ سکھانے اور اس کی تفسیر سے متعلق سینٹر قائم کردیے جائیں تو دینی علوم میں دلچسپی رکھنے والے یقیناً اس کی طرف رجوع کریں گے۔

مسائل سے واقفیت :

مسائل کو جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو مختلف دینی مسائل کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے نماز کے مسائل، روزے کے مسائل، زکوۃ کے مسائل، حج کے مسائل، میت کے مسائل، قربانی کے مسائل یا وہ عام مسائل جن کی روزمرہ زندگی میں ضرورت پڑتی ہے،ایسے مسائل کو مختلف زبان میں

پڑھایا جاسکتا ہے، ان سینٹروں میں اسلامک اسٹڈیز کو پڑھانے کا بھی انتظام کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ جوں جوں وقت بڑھ رہا ہے لوگ عصری تعلیم کی جانب زیادہ راغب ہورہے ہیں، اور دیگر زبان کے سیکھنے میں دلچسپی لے رہے ہیں، مگر مسلمان ہونے کے سبب ان کے دل میں یہ جذبہ کروٹیں لیتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو بھی جانیں تاکہ اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں، ایسے افراد جو دیگر زبانیں یا عصری علوم جانتے ہیں، ان کے لئے اسلامک اسٹڈیز کے باضابطہ سینٹرس کھول دیے جائیں اور انہیں مختلف زبانوں میں مستند دینی معلومات رکھنے والے حضرات کی زیرنگرانی اسلام کا مطالعہ کرایا جائے، تو دینی تعلیم ہمارے جدید طبقہ میں بھی پہنچ جائے گی۔

ضروری بات :

ایک اور موضوع جو بہت اہم ہے، وہ ہے تاریخ اسلام، دور حاضر میں جب کہ مسلمان زوال پذیر ہیں، ان کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ اپنی تاریخ سے واقف ہوکر اپنے مستقبل کے لئے لائحہ عمل طے کریں، اس لئے کہ تاریخ سے ہی قومیں سبق سیکھتی ہیں اور جو قوم اپنی تاریخ بھول جاتی ہے وہ زوال پذیر ہوجاتی ہے اور مسلمانوں کا تو امتیاز ہی یہ ہے کہ ان کا سارا سرمایہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ اِس قیمتی سرمایہ کو ضائع ہونے سے بچانا چاہئے۔ مدارس اور اسکولوں میں تاریخِ اسلام کے منتخب ابواب کو درس میں شامل کیا جانا چاہئے۔ جس کی اِس وقت بہت ضرورت ہے۔

☆☆☆

ادبیات

جنگ آزادی کے اثرات اردو زبان وادب پر

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مسلمانان برصغیر کی وہ ہمہ گیر اور منظم تحریک تھی جس میں انھوں نے وطن عزیز کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اس تحریک میں اگر ایک طرف امراء ورؤساء اور فوجی طاقت پیش پیش تھی تو دوسری جانب علماء وصلحاء، فقراء وشعراء اور عوام بھی شریک تھے۔ فتویٰ جہاد سے علماء کی مساعی جمیلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ فقراء نے فقیری کے پردے میں بیعت و جہاد شروع کردی۔ شعراء بھی بزم سخن کو چھوڑ کر میدان رزم میں آ گئے۔ مجاہدین نے غیر ملکی حکومت کے قدم اکھاڑ دیئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان کے لئے یہ ساعت ساعت ہمایوں ثابت ہوگی۔ دہلی پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لکھنؤ میں بھی مکمل آزادی کا صور پھونکا جانے ہی والا تھا کہ منشی رسول بخش کاکوری شہید کی اچانک گرفتاری اور راز فاش ہو جانے کے بعد یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ منشی رسول بخش اور ان کے رفقاء کو شاہ میر محمدؒ کے مزار کے قریب ٹیلے والی مسجد کے روبرو پھانسی دے دی گئی اور اس طرح ایک آزادی کی قربان گاہ پر ملت اسلامیہ کے ایک فرد جلیل نے زندگی کا آخری قطرہ نچھاور کر کے تاریخ کے صفحات میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا۔ غیر منظم رزم آرائیاں بعد میں بھی جاری رہیں۔ بالآخر جب معاملہ فرو ہوا تو لکھنؤ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ یہی حال کچھ دہلی کا بھی ہوا۔ دیسی فوجیوں نے پورے شہر پر جب قبضہ کیا تو چن چن کر انگریزوں کو ختم کیا لیکن شہر میں امن نظم وضبط کو قائم رکھنے میں جو دشواری پیش آئی تو پورا شہر خون آشام میدان جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگا۔ دوسری طرف انگریزی فوجیں بھی پہنچ گئیں، شہر کا محاصرہ شروع ہوگیا۔ ہندوستان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے بالآخر مقبرہ ہمایوں میں پناہ لی اور انگریزوں کا پھر دہلی پر اقتدار بحال ہوگیا۔ اقتدار حکومت، طاقت کے نشہ میں انگریز بھوکے بھیڑیے کی طرح معصوم عوام پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ حویلیاں کی

حویلیاں ویران، گلیاں سنسان تھیں جو بچ گیا تھا۔ موت وزیست کی کشمکش سے پریشان نظر آرہا تھا۔ چاندنی چوک کا پُر رونق بازار جہاں مہتابی کرنوں کی بلوریوں میں حسن ڈھل ڈھل کر رشک ارم کا نظارہ پیش کرتا تھا۔ جمال یار سے محروم تختہ دار کے سوگوار منظر کا آئینہ دار تھا۔ روساء بیڑیوں میں جکڑ کر لائے جاتے اور آن کی آن انھیں موت کے آہنی شکنجوں سے کس دیا جاتا ہے۔ کم وبیش تیس ہزار افراد کو ان صبر آزما مصائب سے دوچار ہو کر آزادی کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ جو بچ گئے تھے وہ بھوکے تھے، ننگے تھے۔ ماضی ان کا سوخت حال وحشت وعبرت کا مرقع اور مستقبل نہایت تاریک تھا۔ جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ (اونچی اونچی دیوڑھیوں سے الّو کی کربناک آوازیں آتیں، جہاں بلبل چہچہاتے تھے اور یاسمین ونسترن مشک افشانیاں کرتی تھیں) آزادی کی بساط پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

آخری تاجدار گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کے شاہزادوں کے سر کا خاصہ اس بوڑھے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا تو اس حوصلہ اور عزیمت کے پیکر نے صرف یہ کہا کہ تیمور کی اولاد اس طرح سرخرو ہوتی ہے۔ دہلی کا نقشہ بدل گیا۔ زندگی پر مایوسی کی گھٹائیں چھا گئیں۔ قہرمان یورپ کی قہرسامانیوں کے تازیانے زندگی سے آزاد کرنے کی نت نئی ترکیبیں اختیار کرنے لگے۔ اسے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور سانس روک کر اس ظلم کی داستان سنئے :

''جنرل نکلسن نے ایک خط لکھا کہ ہمیں ایک ایسا قانون بنانا چاہئے جس کے ذریعہ ہم چٹرہ ادھیڑ سکیں اور زندہ جلا سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبۂ انتقام سرد نہیں پڑ سکتا۔''

ٹامسن نے سر ہنری کائین کو ایک واقعہ سنایا کہ ایک شام قیدیوں کو دیکھنے میں حوالات گیا وہاں بیسیوں مسلمان قیدی زمین پر بندھے پڑے تھے۔ ان کے جسموں کو گرم تانبے سے داغا گیا تھا۔ وہ اذیت ودرکرب سے کراہ رہے تھے۔ مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں گئی اور میں نے انھیں جاں کنی کے اس عذاب سے نجات دلانے کے لئے گولی سے ہلاک کر دیا۔ (۱۸۵۷ء کا دوسرا رخ ایڈورڈ ٹامسن)

جانسن کی رائے تھی کہ موت کی سزا طرح طرح کی تکلیفیں دے کر دی جائے۔ مثلاً مجرم کی کھال اتار دی جائے۔ زندہ جلا دیا جائے، پھانسی آسان موت ہے۔

جو مسلمان تن و مند یا وجیہہ تھے انھیں پکڑ کر کوتوالی لایا جاتا۔ بہت کم ایسے لوگ تھے جو سپاہیانہ وضع اور شان رکھتے ہوں اور پھانسی سے بچے ہوں، پشاور سے لے کر مشرقی وشمالی ہندوستان تک شاید ہی کوئی مالدار مولوی نمازی مسلمان ہوگا جو نہ پکڑا گیا ہو۔ اس بغاوت کے نتیجہ میں دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت صغریٰ برپا رہی۔

یہ اور اس قسم کی ظلم کی داستانیں تاریخ کے صفحات میں بکھری پڑی ہیں۔ جن کو پڑھ کر دل کلیجہ کو آتا ہے اور آنکھوں سے غیظ وغضب کے شراروں کا سیل رواں ہوجاتا ہے، لیکن یہاں اس تفصیل میں نہیں جانا ہے بلکہ اس موقع پر وضاحت تو اس بات کی کرنی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی یہ بلاخیز مصیبت ایک طرف قومی زوال کی عبرتناک داستان ہے تو دوسری طرف اس کا خوش آئند پہلو بھی ہے جس کے آئینہ میں تہذیب وثقافت کی البیلی تصویروں کی چاندنی بکھری ہوئی نظر آتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سونے والا جاگتا بھی ہے اور اس کی بیداری اپنے جلو میں عمل، فکر، نظر، علم اور تمدن وتہذیب اور ثقافت کی بیداری لئے ہوئے ہوتی ہے، وہ اٹھتا ہے، سوچتا ہے، اس کی سوچ اس کے علم وفکر کے دائرہ میں اسی تناسب سے ہوتی ہے اس کی بیداری سے تن حیات میں نغمہ بکھر جاتا ہے، وہ کھاتا ہے کھلاتا ہے، سفر کرتا ہے، پڑھتا ہے پڑھاتا ہے، گویا تقاضائے فطرت کے رموز کی عملی تفسیر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ عمل اپنے اپنے دائرہ میں معاشرہ کا ہر فرد انجام دیتا ہے۔

ویسا ہی کچھ حال قوموں کی زندگی کا بھی ہے۔ قومیں جب آہستہ آہستہ ملکی اور حکومتی سطح پر زوال پذیر ہوتی ہیں ان کا اقتدار جاتا رہتا ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقتدار کے حصول کے تصور سے بھی لرزہ براندام ہیں۔ ان پر ایک کرب آمیز خواب کی غفلت طاری ہوتی ہے لیکن یہ صورتحال زیادہ دنوں قائم نہیں ہرتی بلکہ ''اذا سد منہ منخر جاش منخر'' جب ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دوسرا دروازہ کھل جاتا ہے اور زندگی کے کسی خاص گوشہ میں حرکت ونمود کی تنویر کا ارتعاش شروع ہوجاتا ہے اور زمام اقتدار سے محرومی یا کمزوری انھیں زبان وبیان کی قلمرو میں داخل کردیتی ہے اور فکر ونظر کا خراج وہاں خوب خوب وصول کیا جاتا ہے ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا۔

۱۸۵۷ء میں جو ہمہ گیر تباہی آئی تو اس کے نتیجہ میں تعلیمی فکری اور تربیتی میدان میں ایسے ایسے سورما اور مصلحین سامنے آئے، جنہوں نے قوم کو از سر نو زندگی سے مربوط کرنے ان کے حوصلوں کو بلند کرنے میں اپنے عزائم اور فکر ونظر کے تجربات کو آسان سلیس اور زود فہم اسلوب میں عوام و خواص تک پہنچانے کی کوشش کی۔ ہماری اردو زبان اس اعتبار سے بہت خوش قسمت ہے کہ اس افتاد کی مٹی سے اس کو غذا ملی اور شہداء کے خون نے اس کو دو آتشہ کیا۔ مجاہدین نے اس کی ایسی مشاطگی کی کہ برصغیر ہی کیا، دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے زلف گرہ گیر نے دلوں کو اسیر کرلیا، یہ فیض ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا جس میں اردو کو اعتبار کا وہ مقام ملا اور اس کے زلف وکل کو اتنا سنوارا گیا کہ اس کی دوسری بہنیں جھیپ گئیں۔

جنگ آزادی نے جہاں مسلمانوں کی تباہی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا وہاں یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کی چشم غفلت پر صدیوں سے جو پردے پڑے ہوئے تھے اس کو اٹھا دیا اور اب ہر شخص اپنی تباہی و بربادی کے مناظر دیکھ رہا تھا۔ تباہی کا احساس دلوں میں پیدا ہوجانا ہی قوم کی اصلاح کا سنگ بنیاد ہے۔ بغیر اس کے چمن میں ہنگامہ آرائی کا تصور بھی محال ہے۔ علامہ اقبالؔ نے کہا ہے۔

چمن میں تخت گل شبنم سے تر ہے
سمن سے سبزہ ہے لالہ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہوسکتا نہیں گرم
یہاں گر لالہ بے خون جگر ہے
احساس نے یہ منظر بھی دکھایا
چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خاک کچھ باقی
بتا باغباں رو رو یہاں غنچہ وہاں گل تھا

رونے سے آنکھوں کو جلا ملی، احساسات کے مضراب پر وہ ساز چھڑا، جس نے ہزاروں کو زمزمہ حیات پر اکسا دیا۔ مصلحین قوم نے تقریروں اور تحریروں سے جہاد شروع کر دیا اور ایک مختصر سی جماعت لے کر میدان عمل میں آ کودے تا کہ نوجوان نسل کو مغربی فتنہ سازیوں سے بچایا جا سکے۔ اس نے اپنے اظہار خیال کے لئے نہیں کہ یہ اس کا مذہبی فریضہ تھا بلکہ اس لئے کہ وہ اس زبان کو اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ برصغیر میں یہی وہ زبان تھی جس کو غیر ملکی اور ملکی دونوں یکساں طور پر سمجھ سکتے تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی شیخ الہند اور مولانا مدنی سرسید اور ان کے رفقاء کار یعنی نواب حسین الملک، نواب وقار الملک، چراغ علی، نذیر احمد، حالی، شبلی، ذکاء اللہ وغیرہ وغیرہ سب کا ایک ہی مقصد تھا۔ یعنی کسی طرح مسلم قوم کی سیاسی، تمدنی، اخلاقی، مالی اور مذہبی حالت درست ہو جائے۔ راستے مختلف تھے لیکن منزل میں اشتراک تھا۔ دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر مسلم ادارے بھی اس خدمت کی خاطر قائم کئے گئے جن کے قیام سے مجموعی فائدہ اردو زبان و ادب کو بھی ہوا۔ اس میں خاص طور سے علی گڑھ ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ بہت زیادہ ہے۔

بہر کیف ان شناوروں میں سے کسی نے مذہبیات کے میدان کو جولانگاہ بنایا اور کسی نے اسلامی تاریخ کے زرین کارناموں کو دہرایا تو کسی نے زبان کو حکائی دائرے سے نکال کر بحث و تحقیق کی رزمگاہ تک پہونچا دیا۔ کسی نے تعلیم کا اہم فریضہ اپنے ذمہ لیا، کسی نے تقریر و صحافت کا میدان اختیار کیا اور کسی نے اردو اشعار پڑھ پڑھ کر نوجوانوں کے جذبات کو شعلہ جوالہ بنا دیا اور خواب غفلت سے چونکا دیا۔

۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک ان حضرات کا کوئی موضوع ایسا نہ تھا جس پر کتابوں کا ڈھیر نہ لگا دیا ہو۔ ان کی تصنیفات نظم و نثر کی جملہ تصنیفات پر حاوی تھیں۔

عقلیات تواریخ و سوانح عمریاں، تعلیمات و سیاسیات، ادبیات، تراجم، اخبارات، رسائل، ناول، فلسفہ، ریاضیات، پند و نصائح، تنقید و تبصرہ غرض کوئی مضمون نہ بچا جس پر مجموعی طور پر نگارشات

قلم کی سیاہی نہ چڑھی ہو۔ علاوہ بریں ان کے سفرناموں، تقریروں، مضامین اور خطوط کے مجموعہ بذات خود ادبیات کا ایک اہم جز بن گئے اور یہی نہیں بلکہ محترم بزرگوں کے جانشین آج بھی ادب اردو کے مایہ ناز قلم طراز اور ملک کے انشاء پرداز سمجھے جاتے ہیں، ورنہ نئی روشنی والوں کو ملٹن، شیکسپیئر، ٹینی سن ہارڈی، اسٹونس، برنارڈ شا اور ایچ جی ویلس وغیرہ کی رطب و یابس تحریروں سے اتنی فرصت کہاں ملتی کہ الحقوق والفرائض اور سیرۃ النبی کا مطالعہ بھی کرسکیں۔ ادبیات کی طرف خود متوجہ ہونے کا وقت اور اس کی استعداد کہاں سے پیدا فرما سکتے۔ الغرض مصلحین، مفکرین اور مخلصین قوم کے لئے خدمت قوم کی محرک جو چیز ہوئی وہی قیامت صغریٰ تھی جسے عرف عام میں غدر ۱۸۵۷ء کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس نے ایک طرف ان قوم کے دردمندوں کو دامے درمے قدمے سخنے اور قلمے خدمت پر مجبور کردیا اور دوسری طرف قوم میں اس کی تباہی کا یقین اور احساس پیدا کر کے اسے اس پر آمادہ کیا کہ وہ ان بزرگوں کی آواز کو سنے اور اس پر غور کریں۔

ان لوگوں نے خوب کھول کھول کر اور پھیلا پھیلا کر حالات قوم کو سنائے اور قوم نے بھی توجہ وغور کے ساتھ ان کی آواز کو سنا اور تجویزوں کا خیر مقدم کیا۔

قوم کی اصلاح کے جوش میں ان سچے خیر خواہوں نے قوم سے جو کچھ کہا اور کرنا چاہا، اس کی واحد ترجمان یہی زبان اردو تھی۔ اس طرح جنگ آزادی کے خوفناک ہنگامے اور اس کے ہولناک نتائج نے جہاں سلطنت کے ساتھ ساتھ قوم کو فنا کردینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ وہاں خیر خواہانِ ملت کی زبان اور ان کے قلموں نے اردو کو آب حیات بخشا۔

جناب حسن عبداللہ صاحب نے العلم کراچی کے آزادی نمبر میں لکھا ہے کہ :

''قوم پر تو ان بزرگوں کے احسانات جتنے کچھ بھی ہیں وہ کم ہیں۔ ہم یہاں اس کی بحث میں نہ پڑیں گے لیکن ادب اردو کو زندہ جاوید بنانے میں یقیناً یہی لوگ ہیں انہوں نے اردو جیسی بے مایہ زبان کو ادب کی اعلیٰ شان بخشی اور دنیا کی ادبی زبانوں کی دوش بدوش لا کھڑا کردیا۔''

جناب مہدی الافادی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ :

''شبلی نے ایک نوخیز بازاری یعنی کل کی چھوکری (اردو زبان) کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی بوڑھی، بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں، یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے۔''

اگر آپ اجازت دیں تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر یہ افتاد نہ پڑی ہوتی اور ظلم وستم کے یہ سائے نہ آئے گئے ہوتے تو مسلم قوم میں حالی واقبال نہ پیدا ہوتے۔ ایسے برگزیدہ رہنمایان ملت اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب ادبار کی گھٹائیں فضائے قوم پر چھا جاتی ہیں۔ یہ بزرگ ان کا ذخیرۂ ادب سب عواقب جنگ آزادی جس کی آواز ۱۸۵۷ء میں لگائی گئی تھی زبردست برکتیں ہیں جو قوم کو نصیب ہوئیں۔

آخر میں عرض کر دینا مناسب اور بے موقع نہ ہوگا کہ ۱۸۵۷ء نے صرف اردو شاعری اور براعظم کی تاریخ ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ ایشیاء کی سیاست پر بھی اثر ڈالا۔ پنڈت سندرلال نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ :

''جس انگریزی فوج کی مدد سے لارڈ کیننگ نے ہندوستان کو پھر سے فتح کیا۔ اس میں سے زیادہ تر چین پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکی تھی اور لارڈ کیننگ نے ہندوستان کی آفت کو دیکھ کر بیچ ہی میں روک لیا۔''

اسی طرح ہندوستان کی ناکام جنگ آزادی سے سبق لیتے ہوئے جاپانیوں نے پانی ۲۷۳ ریاستوں کو ملا کر ایک مرکزی حکومت قائم کی۔ اسبنسر نے بھی جاپانیوں کو ہندوستان کے واقعات سے سبق لینے کے لئے لکھا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ منظم کام اور منصوبہ بندی کے بغیر یہ تحریک براعظم میں وقتی طور پر ناکام رہی لیکن اس کے اثرات اگر ایک طرف سیاسی مستقبل پر پڑے تو دوسری طرف ایشیاء کے ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے۔

عزائم گر ہوں ہمدوش ثریا تو نہیں ڈر کچھ
پس مہر مبیں انجم کی تابانی نہیں جاتی

حضرت شاہ ولی دکنی کی شاعری اور اردو ادب

فن شعروشاعری میں ولی کا بلند پایہ مقام ہے، انہوں نے نہ صرف اپنے دور کے تمام ادبی وفکری معیاروں کو اپنی شاعری میں سمو دیا ہے بلکہ بیان کی لذت اور زبان کی تعمیر کا اعجاز بھی دکھایا ہے، اور اسی میں ولی کی کرامت کا راز مضمر ہے، تصوف اس زمانہ کی فکری اور اخلاقی بلندی کا معیار تھا، وحدت الوجود کا عقیدہ، جذب وسلوک اور معرفت کے لئے واحد بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا، لیاقت، علمیت، بلند مذاقی اور بلند نظری سب میں یہی صوفیانہ طریق رچا ہوا تھا، ولی کے عہد میں تیرہویں صدی ہجری تک یعنی میر سودا کے آخری عہد تک یہی نظریہ، مذہب، اخلاق اور شعروادب میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں میں بڑی وسعت کے ساتھ رائج رہا، چنانچہ ولی نے بھی اس مسلک کو نہ صرف اپنی زندگی میں برتا بلکہ اپنی شاعری میں بھی اس خوبی کا اظہار کیا کہ ان سے پہلے کسی نے اردو میں اتنی کامیابی سے نہیں برتا تھا، اس لئے دنیا کے بے ثباتی اور زندگی کی بے اعتباری وغیرہ کے مضامین ولی کے ہاں بہت خوبی اور ایک جذبہ کے ساتھ بندھے ملتے ہیں، ولی ایک صوفی مشرب آدمی تھے، اس لئے اگر ایک طرف انہوں نے دنیا کے کاروبار پر درویشانہ نظر ڈالی ہے، ولی جنت میں نین رضا در کار عاشق کو جو طالب الامکان ہے اسے مسکن سو کیا مطلب تو دوسری طرف یہ بھی کہا ہے، چاروں طرف کھلا ہے گلزار رنگ اس کا اس سیر جاں فزاں سو سینہ کھلا ہوس کا اس صوفیانہ مسلک عشاق کے باعث ولی کے کلام میں بھی حسن وعشق کے معاملات، جذبات، احساسات وکیفیات ہی کا ذکر ملتا ہے اور لطف فراواں وسوز وگداز کی چاشنی پائی جاتی ہے، اسی کے ساتھ ان کے انداز بیان میں خوبی اور فن کاری ہے، یہی وجہ ہے کہ میر جیسا نازک دماغ نقاد بھی ولی کی مدح سرائی کئے بغیر نہ رہ سکا۔

واقف نہیں ہم یونہی کچھ ریختہ گوئی کے معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

ولی نے دہلی میں ایک ادبی آگ سی لگادی، حاتم اور دوسرے اساتذہ متقدمین نے ان کی استادی کا اعتراف کیا اور ان کی زمینوں میں غزلیں لکھیں، شاہ حاتم نے اپنے بارے میں لکھا ہے 'در شعر فارسی پیرو صائب است و در ریختہ ولی را استادی داند' ولی کے یہاں کلاسیکل ادب کی پوری شان ملتی ہے، پختگی اور قادر الکلامی ان کے یہاں اس قدر موجود ہے کہ ہم ان کے کسی شعر کی ٹکسال سے باہر نہیں کہہ سکتے، ولی کو اپنی دلی کیفیات کا مطالبہ اور ان کے اظہار کے علاوہ فرصت ہی نہ تھی کہ وہ باہر کی دنیا دیکھیں، اگر کہیں ان کی نظر باہر کی دنیا کو دیکھتی بھی ہے تو وہاں بھی انہیں حسن نظر آتا ہے، خواہ وہ بندلال ہو یا امرت لال یا ابوالمعالی یا گجرات و سورت کے نازنینی اور یہی وجہ ہے کہ غزل ان کا اصلی میدان ہے، احساسات اور واردات کی دنیا ان کی اپنی دنیا ہے، ویسے کہنے کو تو انہوں نے ہر صنف میں شاعری کی ہے۔

موضوع اور طریقہ اظہار کے باب میں ولی کو کوئی خاص اجتہاد نہیں کرنا پڑا، اساتذہ فارسی کا کلام ان کے پیش نظر تھا، سخن آفرینی کے تمام معیار فکر و نظر کا پورا مذاق اور طرز ادا کے تمام اسلوب انہیں بآسانی مستعار مل گئے، خسرو، سعدی، حافظ و نظیری وغیرہ مشہور اساتذہ کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں، بلکہ ایک آدھ شعر کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

ولی کو ان کے برتنے میں کامیابی البتہ اس لئے ہوئی کہ خود صوفی صافی اور صاحب دل تھے۔ نظیری کا شعر ہے۔

تحقیق حال بازنگہ می توان نمود حرف زحال خویش بہ سیما نوشتہ ایم

ولی دکنی۔

پیتم نے قدم رنجہ کیا میری طر آج یہ نقش قدم صفحہ سیما پہ لکھا ہوں

اکتساب ہنر میں اس جذب اندروں کی بدولت انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی، جو دوسروں

کے یہاں قال تھا وہ ان کے یہاں حال تھا، وہ تشبیہ واستعارہ وتلمیحات میں اور زبان میں ہندی کو نہیں بھولے ہیں، کبھی کبھی تو معشوق کی رعایت سے افعال بھی مؤنث برت جاتے ہیں، ان کے یہاں صنائع وبدائع کا استعمال آورد نہیں بلکہ آمد معلوم ہوتا ہے، صاحف کیف ہیں اس لئے بعض غزلوں میں مضمون مسلسل بھی مل جاتا ہے، طبیعت میں ترنم ہو اور زبان میں لوچ تو چھوٹی بحر کی غزلیں سادہ ہونے کے باوجود بڑا لطف اور مزہ دے جاتی ہیں، ولی کے یہاں آپ کو ان تمام خوبیوں کے خوشنما نمونے نظر آئیں گے۔

ولی کو علمی، ادبی اور مذہبی معلومات میں دسترس حاصل تھا، ان کے کلام میں آیات قرآنی اور احادیث کی طرف تلمیحات کثرت سے ملتی ہیں، مذہبی علوم اور تصوف کی اصطلاح کا استعمال بھی برمحل ہوا ہے، ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں، جن میں یہ اصطلاحیں پیش کی گئی ہیں۔

اے ولی ترک کر یہ حرف دراز — کہ ہے خیر الکلام ماقل و دل
چہرہ گلرنگ وزلف موج زن خوبی نیں — آیت جنات تجری تحتہا الانہار ہے
اے کعبہ رو کھڑا تو ہوا جیوں ادا کے ساتھ — بولے مکبر ان کے قدقامت الصلوۃ
کیا کہے تعریف دل ہے بے نظیر — حرف حرف اس کا مخزن اسرار کا
تیرا مکھ مشرقی حسن انوری جلوہ جمالی ہے — نین جامی جبیں فردوسی ابرو ہلالی ہے

ولی کی شخصیت اور ان کے کلام کی اہمیت اس طرح بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے اردو شعروشاعری پر بہت زیادہ اثرات چھوڑے، ولی سے پیشتر کی دکنی یا گجراتی شاعری وغزلیات میں نہ وہ زبان عام طور پر ملتی ہے جسے شمالی اور جنوبی ہند دونوں جگہ کے شعراء ادوباء مستند مان لیتے، نہ تصوف اور تعزل کا وہ کامیاب امتزاج جو اس زمانہ کا خاص مسلک تھا، چنانچہ ولی کا کلام گویا زبان اور خیالات کے اظہار کا وہ آخری نقطہ ارتقاء تھا جسے تاریخ عرصہ سے طے کر رہی تھی، اس میں شک نہیں کہ دکن میں غزل گوئی بہت پہلے موجود تھی، وجہی، عوامی، نصرتی، شوقی، اور سلطان قلی قطب شاہ کی غزلیں بہت

دستیاب ہوئی ہیں، لیکن ان کی زبان دکنی زیادہ ہے اردو کم، اس لئے ان میں وہ لطافت نہ آسکی جو ولی کے یہاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اور جس کی وجہ سے ولی ہر دور میں مقبول ہوئے۔

شمالی ہند میں تو ولی مشعل ہدایت ہی بن کر آئے تھے، جب انہوں نے اپنی غزلیں اس زبان میں سنائیں جو عوام وخواص سب میں آسانی سے سمجھی اور بولی جاتی تھیں، اور پھر اس میں قادرالکلامی اور پختگی کی وہی شان دکھائی جو فارسی شعراء کے یہاں ملتی تھی، اور جس کے خواص گرویدہ تھے، یعنی وہی تصوف کی لطیف موشگافی، وہی عشق کی دلگدازی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ صنائع وبدائع کا بھی اعلیٰ فنکارانہ استعمال جو مستند شعراء فارسی کے یہاں پایا جاتا تھا تو اس نے شمالی ہند کے شعراء و ادباء اور موسیقی کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا، ارباب نشاط اور قوالوں کو محفلیں گرم کرنے کا ایک بہت اچھا ساز ہاتھ آگیا، دلی کی گلیوں میں مشکل ہندی گیتوں اور راگوں کے بجائے اردو کے عام فہم نغمے گونجنے لگے، عوام کے مذاق ترنم میں ایک نئے فیشن نے جگہ پائی، خواص میں یہ اثر ہوا کہ اردو میں غزل فوئی فوراً شروع ہوگئی اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس زبان میں بھی اعلیٰ شاعری ہوسکتی ہے، وہ موزوں طبیعتیں جو فارسی میں زیادہ صلاحیت نہ رکھنے کے باعث دل گرفتہ رہتی تھیں، آزادی اور سہولت کے ساتھ اس زبان میں نغمہ سنجی کرنے لگیں، بلکہ یہ بنداس زور وشور کے ساتھ ٹوٹا کے بہت سے بوڑھے عشاق فارسی گو شعراء بھی اردو شاعری کی اس بڑھتی ہوئی قدر ومنزلت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور انہوں نے بھی بطور تفنن اسی مست نوخیز سمندر ناز کو مہمیز کرنا شروع کردیا۔

ولی کے کلام میں ہندی کی گھلاوٹ اور رس بھی ہے اور فارسی کی شیرینی وپختگی بھی اور قادرالکلامی بھی، لیکن پاک نظری کی بھی خاص روش تھی، عشق وعاشقی کے یہی منزہ طریقے تھے جس کے باعث میر، قائم، آبرو وغیرہ ولی کے طرز کو سراہتے رہے، یہ سنت عرصہ تک قائم رہی جب تک دلی برباد نہیں ہوئی، دلی کا یہ تمدن برقرار رہا، خان آرزو، مظہر، میر، سودا، قائم اور اثر تک یعنی پوری بارہویں صدی ہجری تک ولی کی طوطی بولتی رہی لیکن جب دلی تباہ ہوگئی اور شعروشاعری کا مرکز لکھنؤ منتقل ہوگیا

تو یہی سے وہ دور ختم ہو جاتا ہے جسے ولی کا دبستان کہتے ہیں، انشاء و جرأت کا زمانہ وہ پہلا دور تھا جس نے اس فنی طارت کو توڑا اور اپنے جذبات کی رو میں بے وضو ہو گئے۔

ولی کی زبان ماحول کی عکاسی بھی کرتی تھی اور ان کے اشعار سخن سنجی اور زبان دانی کے تیر و نشتر سے بھی عبارت تھی، اس لئے قاری یا سامع کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے، اور کلام کے آب و تاب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، کلام کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

خوب رو خوب کام کرتے ہیں　　یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
کھولتے ہیں جب اپنی زلفاں کو　　صبح عاشق کو شام کرتے ہیں
مفلسی سب بہار کھوتی ہے　　مرد کا اعتبار کھوتی ہے
کیوں ملنا صنم کا ترک کروں　　دلبری اختیار کھوتی ہے

☆☆☆

علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کی ملی شاعری

علامہ شبلی نعمانیؒ کی شخصیت کثیر الجہات اور جامع الکمالات ہے، علامہ شبلیؒ ایک عبقری، عہد ساز، اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک دبستان، ایک مکتب فکر، بلند پایہ ادیب، مایہ ناز نثر نگار، منفرد مصلح و معلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال شاعر و سخن شناس اور زبان وادب کے بحر بیکراں کے ماہر شناور تھے، ان کی خدمات، علم وادب اور تحقیق و تصنیف تک محدود نہیں، بلکہ ان کی تگ ودو کا دائرہ بہت وسیع تھا، مسلمانوں کی علمی، فکری، ملی، دینی، سماجی اور سیاسی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو ان کی مختصر زندگی میں کسی نہ کسی وقت ان کی توجہ کا مرکز نہ بنا ہو، مسلسل بیمار اور بے شمار موانع و مشکلات کے باوجود انہوں نے جو کچھ کر دکھایا اسے غیر معمولی ہی کہا جاسکتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کے جاوداں کارناموں اور ان کی بلند پایہ تصنیفات سے اہل علم بخوبی واقف ہیں، ان کی شخصیت کی عظمت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک صدی سے ارباب علم و دانش کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنی ہوئی ہے، ان میں موضوعات کا تنوع بھی ہے، اور تحقیق و تدقیق کی نکتہ آفرینیاں بھی، زبان و بیان کی حلاوت بھی ہے اور ادب وانشاء کی دلآویزی بھی، واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلیؒ کے افکار و نظریات کی قدر و قیمت ملی مسائل کے تناظر میں اور زیادہ ہوگئی ہے۔

علامہ شبلیؒ نے عصری تقاضوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، اگر انہوں نے ماضی کی طرف دیکھا تو اس کا بنیادی مقصد ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا، ماضی کی کمزوریوں، کوتاہیوں، اور خرابیوں کی نشاندہی اور حال کے آئینہ میں ان کا جائزہ لینا تھا، تاکہ عظمت رفتہ کو لوٹانا اور مستقبل کو روشن و تابناک بنانا آسان

ہو جائے، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: ''علامہ شبلیؒ نے ۳۲ ربرس ۱۸۸۴ء تا ۱۹۱۴ء تک ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کی اسلامی دنیا کو اپنے قلم کی روانی سے سیراب، اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم اور اپنی نواسنجیوں سے پرشور رکھا۔'' (حیات شبلیؒ۔ص ۱۱)

علامہ شبلیؒ مصنف ہی نہیں تھے، بلکہ مصنف گر بھی تھے، موصوف نے علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا عبدالسلام ندویؒ مولانا حمید الدین فراہیؒ جیسی عبقری شخصیات ملت اسلامیہ کی تعمیر وتہذیب کے لئے تیار کیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین جوان کی زندگی کے وہ شاہکار ہیں جو ایک صدی گذر جانے کے بعد بھی اپنی آب وتاب سے برصغیر کو روشن کیے ہوئے ہیں۔

علامہ شبلیؒ نے ندوۃ تحریک کے ذریعہ ایک طرف علمائے دین اور علمبرداران مذہب کی صلاح کی تو دوسری طرف علی گڑھ کالج میں اپنے خطبات ومقالات کے ذریعہ جدید اذہان اور عصری تعلیم یافتہ طبقہ کو دین وایمان کی دعوت بھی دی، اہل ندوۃ کو خاص طور پر اور دیگر حضرات کو عام طور پر علم وتحقیق کا شعور دیا، شعروادب سے نوازا، تاریخ وتنقید سے باخبر کیا، اسی طرح علوم عصریہ اور اس کی اہمیت ضرورت اور افادیت سے روشناس کیا، اور خصوصا نظریہ علم میں دوئی کو مٹا کر اکائی کو اپنانے کا پیغام سنایا، بقول مولانا حالیؒ۔

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن تو شبلی سا وحید عصر ویکتائے زمن دیکھیں

علامہ شبلیؒ ایک قادرالکلام شاعر بھی ہیں، جتنے اونچے نثر نگار ومصنف ہیں اتنے ہی اونچے شاعر وسخن شناس بھی ہیں، ان کی شاعری حسن وعشق، گل وبلبل، ہجر ووصال کے خیالات سے بلند ہے، انہوں نے اپنی شاعری میں جن افکار واقدار کی ترجمانی کی ہے، ان میں ملی مسائل کی بخیہ گری کے ساتھ ناصحانہ رنگ اور اخلاقیات کا غازہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، پروفیسر مسعود الرحمٰن خان ندوی نے علامہ کی شاعری پر یوں کلام کیا ہے۔

''شبلی نعمانیؒ کی شاعری کو بنیادی طور سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ان کی غزلیہ

شاعری خواہ فارسی میں ہو یا اردو میں ان کے جذبات خفتہ اور احساسات کی خفیہ آئینہ دار ہے، مگر ان کی نظمیں، مثنویاں، مسدس، اور ان کی اصلاحی و دعوتی شاعری ان کے مقاصد کی نمائندگی کرتے ہیں۔''

(کاروان ادب جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ء)

علامہ شبلیؒ کو ابتداء ہی سے شعروشاعری سے بڑی دلچسپی تھی، علی گڑھ کے زمانہ قیام میں ان کی مثنوی، قصیدے، اور قومی مسدس بہت مقبول ہوئے اور ایک عرصہ تک محفلوں کو گرم اور روح کو تڑپاتے اور بیدار کرتے رہے، ان کی مذہبی، اخلاقی، تاریخی وسیاسی نظموں نے ملک میں ایک ہلچل پیدا کردی تھی، جنگ طرابلس، حادثہ مسجد کانپور، مسلم لیگ اور جنگ عظیم سے متعلق ان کی نظموں سے کون ہوگا جو تڑپا اور رویا نہ ہوگا، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے۔

''علی گڑھ کالج ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جلسوں میں وہ بڑی دھوم دھام سے اپنی نظمیں پڑھتے اور اپنے قصیدے سناتے تھے، سننے والے سر دھنتے تھے، آنسو بہاتے تھے، اور قدر جاننے والے ان کی زبان کی فصاحت، معنی کی بلاغت، اور طرز ادا کی خوبی کو مانتے تھے۔''

ستمبر ۱۹۱۳ء میں حکومت بنگال نے ایک اردو مجموعہ اشعار پر پابندی عائد کی، ان میں ایک نظم علامہ شبلیؒ کی بھی تھی، اس واقعہ سے نظموں کے اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس کے باوجود شبلی کو عرصہ تک نقادان شعروادب نے لائق اعتناء خیال نہیں کیا، اور شعراء کے تذکروں میں ان کا نام تک نہیں لیا گیا، خود ان کے شاگرد مولانا عبدالسلام ندویؒ نے بھی 'شعراء الہند' میں ان کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ علامہ کا ذوق شعروشاعری ایک مسلمہ حقیقت ہے، وہ ایک پختہ اور قادرالکلام شاعر تھے۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی نے صحیح لکھا ہے 'تمام نثر نگاروں میں آزاد اور حالی کا تذکرہ بحیثیت شاعر کے بھی کیا جاتا ہے، لیکن شبلی کو اس محفل میں جگہ نہیں دی جاتی ہے، یہ شبلی کے ساتھ بے انصافی ہے، جہاں تک شاعرانہ صلاحیت کا تعلق ہے، شبلی آزاد وحالی سے کم نہیں، اس لئے شبلی کو مؤرخ اور نقاد کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تسلیم کرنا ہمارا فرض ہے' (آثار شبلی: ۴۶۸۔۴۶۹)

''کلیات شبلی'' میں وہ نظمیں جنہوں نے مسلم رائے عامہ کو بہت زیادہ متاثر کیا، اور مسلمانوں میں اپنے ملی تشخص اور اپنے اسلامی وجود کا احساس ہوا، اس دور کی ظالمانہ ملحدانہ روایات پر مبنی حکومتوں کا جس پر اثر انداز میں تجزیہ آپ کے کلام میں ملتا ہے، اور خصوصا آپ کی سیاسی نظموں میں گلبانگ فطرت کا یہ رنگ غالب ہے، اس کی نظیر کسی دوسری نظم میں نہیں ملتی، عالم اسلام کے سیاسی حالات مسلمانوں کی پستی وزبوں حالی، اور ذلت ورسوائی پر شبلی جس طرح تڑپے اور بے قرار ہوئے ہیں، شعراء کے یہاں اس کی مثال شاید ہی ملے، اصلاً اُن کے ہی خونی آنسو نظم کے پیکر میں ڈھلے ہوئے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ تاثیر واثر انگیزی کے لحاظ سے ان نظموں کا اردو ادب میں جواب نہیں، اس سلسلہ کی سب سے اہم اور قابل ذکر وہ نظم ہے جو انہوں نے 'شہر آشوب اسلام' کے نام سے لکھی ہے، اور جو رفاہ عام لکھنؤ کے اجلاس میں پڑھی گئی تھی۔

حکومت پر زوال آیا، تو پھر نام ونشان کب تک　　چراغ کشتہ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ ''جب یہ نظم پڑھی گئی تو اس کا اثر تھا کہ سر سے لے کر پاؤں تک ماتم برپا ہوگیا، اس پر آشوب زمانے میں شبلی کے علاوہ شاید ہی کسی نے عالم اسلام کی صورت حال اس پرسوز اور درد انگیز لہجے میں بیان کی ہو، عالم اسلام پر جو کچھ گذر رہی تھی، وہ تمام کاروائیاں انگریزوں کی طرف سے یا پھر ان کی شہ پر ہو رہی تھیں، جو خود کو انسانیت نواز اور امن کا علم بردار بتاتے تھے، علامہ شبلی کہتے ہیں۔

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو　　یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک

علامہ شبلیؒ کا خیال تھا کہ دولت عثمانیہ کا زوال دراصل شرع ملت کا زوال ہے اور پھر اگر یہ خلافت محفوظ نہ رہی تو توحید گلبانگ اذاں، احترام سجدہ گاہ قدسیاں کہاں محفوظ رہ سکیں گی۔

زوال دولت عثماں زوال شرع ملت ہے　　عزیزو فکر فرزند وعیال وخانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں　　نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

اس طرح علامہ کی 'تنزل اسلام کا اصلی سبب' والی نظم ملت کی زبوں حالی اور زوال کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ ایک اچھوتا انداز ہے، جس کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے۔

''دو واقعے جب ایک ساتھ ہوتے ہیں تو ان کو عام طور سے لازم وملزوم یا ایک کو سبب اور دوسرے کو مسبب سمجھ لیا جاتا ہے، مسلمانوں میں اس وقت یہ دو واقعات پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ مسلمان اپنی سلطنت یا غیر سلطنتوں میں غرض ہر جگہ ذلیل وخوار ہیں، دوسرا یہ کہ دنیا کے مسلمانوں کے اندر سوائے مذہب کے کوئی بات مشترک نہیں، اس بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کا ذمہ دار اسلام ہے حالانکہ اس کا ذمہ دار مذہب نہیں، بلکہ مذہب سے آزادی ہے، آج مسلمانوں میں مذہب ہی کہاں ہے؟ اس کی پابندی اور اس کے احکام کی تعمیل کہاں کی جاتی ہے؟ عام مسلمان مذہبی حقائق کو گم کر کے اوہام میں مبتلا ہے، مافوق العادت عقائد کے دلدادہ اور عورتوں کے حقوق سے ناآشنا ہیں، اور خواص سرے سے مذہب کی قید وبند سے آزادی کے طالب ہیں، اس لئے حقیقت میں تمام مسلمانوں میں آج مذہب کا اشتراک نہیں، بلکہ عدم مذہب کا اشتراک ہے، میں نے اسی خیال کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امر صریح
کہ زمانہ میں کہیں عزت اسلام نہیں

آپ جائیں گے جہاں قوم کو مانیں گے ذلیل
اس میں تخصیص عراق وعرب و شام نہیں

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف الحال یہ لوگ
کوئی چیز ان میں جو ہو مشترک عام نہیں

پس اگر غور سے دیکھو تو بغیر مذہب و دیں
ہم مسلمانوں میں کوئی صفت عام نہیں

ان اصولوں کی بناء پر یہ نتیجہ ہے صریح
سبب پستی اسلام جز اسلام نہیں

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

آگے رقم طراز ہیں۔

اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں

کون ہے شائبہ شرک سے خالی اس وقت
کون ہے جس پہ فریب ہوس خام نہیں

اب عمل یہ جو نظر کیجئے آئے گا نظر
کہ کسی ملک میں پابندی احکام نہیں

الغرض عام ہے جو چیز وہ بیدینی ہے
صاف یہ بات ہے دھوکہ نہیں ابہام نہیں

ان حقائق کی بناء پر سبب پستی قوم
ترک پابندی اسلام ہے اسلام نہیں

☆☆☆

نبوی قصوں میں خواتین کا کردار

قوموں کی ادبی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے انہوں نے اجتماعی زندگی گزارنی شروع کی اس وقت سے قصے کہانیاں ان کی زندگی کا لازمی جز بن گئیں چنانچہ ہندوستانی' ایرانی' یونانی اور رومی سبھی قوموں کے ادب میں شہرہ آفاق کہانیاں ملتی ہیں، ان میں بعض کہانیاں اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کو ادب میں قومی حیثیت حاصل ہوگئی جو اب تک برقرار ہے، ان قوموں میں سے جو قوم ذہنی و تخیلی اعتبار سے جتنی بلند تھی اس لحاظ سے ان کے قصے کہانیاں بلند، پراثر، دلچسپ اور فنی اعتبار سے معیاری ہیں۔

عرب قوم دنیا کی قدیم قوموں میں سے ہے، جس نے زندگی کے مختلف نشیب وفراز دیکھے ہیں اور ان سے حاصل شدہ تجربات کو کبھی نظم میں اور کبھی نثر میں بیان کیا ہے، نثر میں بیان کردہ اصناف میں ایک قصہ بھی ہے، جو عربوں کے یہاں بہت عام تھا، جاہلی زمانے میں لوگ دن بھر کام کاج سے فارغ ہوکر رات میں گپ شپ کے حلقے یا مجلسیں منعقد کرتے تھے جن میں یہ لوگ اپنے اسلاف کے کارناموں ان کی بہادری اور شجاعت کے قصوں کو بیان کرتے تھے۔ قیل لبعض اصحاب رسول اللہ ﷺ ماکنتم تحدثون به اذا خلوتم فی مجالسکم قال کنا تتناشد الشعر و نتحدث باخبار جاهليتنا ترجمہ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ سے پوچھا گیا کہ جب آپ لوگ اپنی بیٹھکوں میں جمع ہوتے تھے تو کیا قصے بیان کرتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک دوسرے کو شعر سناتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے قصے بیان کرتے تھے۔

کہانیاں سننے اور قصے بیان کرنے کا رواج اسلامی عہد میں بھی جاری رہا۔ قرآن کریم نے

بھی عبرت پذیری کے لئے مختلف اصناف کے قصوں کو متعدد سورتوں میں جگہ دی ہے، اور اس معجز نمائی کے ساتھ اسے پیش کیا کہ بعض سورتیں قصصی ادب کا شہ پارہ بن گئیں، اسلام آنے سے قبل تک یہ قصے کہانیاں دور جاہلیت کے دستور کے مطابق سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، اور لوگ اپنی بیٹھکوں میں انہیں دلچسپی سے سنتے رہے، اسلام آنے کے بعد اس ذوق کو صحیح رخ دیا گیا، محض تفریح طبع کے بجائے مقصدیت پیدا کی گئی، یہ قصے عبرت کا مخصوص سرمایہ فراہم کرتے اور جاہلی ادوار کے قصوں کا تذکرہ صحابہؓ اپنی مجلسوں میں شکر وسپاس کے جذبے کے اظہار کے طور پر کرتے۔

قرآن پاک قصوں کی کتاب نہیں :

قرآن پاک میں امم ماضیہ کے واقعات ضرور بیان کیے گئے ہیں، بادشاہوں، تخت وتاج، اور بخت وباج کے قصے بھی پیش کیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کوئی قصے کے کتاب نہیں بلکہ قرآن پاک میں واقعات کی انہیں کڑیوں کو پیش کیا گیا ہے جن سے ہدایت کی ساقی گری ہوتی ہے اور مقصدیت کی روح بیدار اور منزل کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

نبوی قصوں کی قسمیں :

اسی طرح نبوی قصوں کی روح بھی درحقیقت ہدایت کی شمع فروزاں کو روشن رکھنا ہے، انسانی زندگی کو مقصدیت سے ہمکنار کرنا ان قصوں کا طرۂ امتیاز ہے، صحابہ کرام کی مجلسوں میں مختلف اوقات میں بہت سے قصے آپ نے سنائے ہیں، جن میں بعض کا تعلق خود حضور اکرم ﷺ کی ذاتی زندگی سے ہے، اور بعض وہ قصے ہیں جو تاریخی واقعات پر مشتمل ہیں اور بعض قصوں میں حشر ونشر بعث بعد الموت کے دلدوز واقعات ہیں اور بعض کا تعلق امور غیبیہ سے ہے اس طرح اگر ہم احادیث نبویہ میں قصوں کا تفصیلی جائزہ لیں تو ان کے علاوہ اور بھی ان کی صنفیں بنائی جاسکتی ہیں۔

نبوی قصوں کے امتیازات وحدود :

نبوی قصوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مقصدیت کی روح سے خالی نہیں ہیں ان

میں انسانی امتیازات ،احساسات ،مدرکات ،رجحانات ،انفعالات کواجاگر کیا گیا ہے،اورسب سے بڑھ کرانسانی اخلاقیات کومہمیز کیا گیا ہے،اوریہی ان قصوں کی روح اوراتمیاز ہے،محض تفریح طبع اس کے حدود سے خارج اور بیان وزبان کی صرف چاشنی اورلفاظی کے عنصر سے وہ خالی ہیں،کسی کی تضحیک وتوہین کا کردار ان قصوں میں کہیں نظرنہیں آتا ہے،واقعات کے پس منظر میں اظہارحقیقت کی حرارات پورے طور پرمحسوس کی جاتی ہے۔

خواتین کا تذکرہ نبوی قصوں میں :

حضوراکرم ﷺ کی بعثت ایسے ماحول میں ہوئی جہاں مہذب انسان عورت کے وجود کو ننگ وعار کا باعث تصور کرتا تھا،عیسائیت نے اسے مجسم شیطان اور پلید سے تعبیر کیا تھا، ہندوستانی معاشرہ اس کے حق میں افراط وتفریط کا شکار تھا یہودیت اس کی زندگی کا گھناؤنا روپ پیش کررہی تھی، ایسے وقت میں حضوراکرم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں مجھے دو چیزیں پسند ہیں ایک عطر دوسری عورت، اس سے آپ نے یہ واضح طور پر بتانا چاہا کہ عورت گھر کا کوڑا نہیں کہ پھینک دیا جائے اورنہ ہی آثارقدیمہ کا جالا ہے کہ اسے صاف کردیا جائے،اورنہ ہی پانی کی سطح پرجمی ہوئی کائی کہ سطح آب سے ہٹادیا جائے،اورنہ ہی راستہ کا کیچڑ ہے کہ اسے صاف کردیا جائے،اورنہ ہی غلاظت کا انبار ہے کہ اسے پھینک دیا جائے، بلکہ وہ نکہت زندگی ہے،رعنائی کا مظہراور جمال وحسن کا جوہر ہے،وہ خوشیوں کا امین'تحفۂ ثمین اورزندگی کی تب وتاب کا درخشندہ باب ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

وہ ایک ایسی خوشبو ہے جوعزیز ومحبوب ہوتی ہے وہ ایک نازک شیشہ ہے کہ گرتے ہی ٹوٹ جاتا ہے۔اس لئے ایک موقع پرسرورعالم ﷺ نے ساربان کومخاطب کرتے ہوئے کہا'رفقا بالقواریر آبگینے ٹوٹ نہ جائیں' آہستہ چلو'

قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے پوری سورت سورہ نساء نازل فرما کرعورتوں کی صرف

عزت ہی نہیں بڑھائی بلکہ ان کی وساطت سے ثری کو ثریا تک پہنچنے کے آداب بھی بتائے ہیں الجنة تحت اقدام الامهات (جنت ماؤں کے پیروں کے نیچے ہے) ایسی گرانمایا دولت کو ذلیل کرنے کی لت زمانے سے قائم تھی، بعثت محمدی کے وقت بچیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا، ماؤں کی عصمت بھی بطور وراثت تقسیم ہوجاتی تھی، عورت فیصلہ کی قوت سے عاری اور معاشرہ انسانی کی دوش پر بھاری سمجھی جاتی تھی، ایسے وقت میں قرآن پاک میں ان کے حقوق کا بیان کیا جانا، عورتوں کی عصمت پر ہاتھ ڈالنے والوں کو زانی قرار دیا جانا، اس پر سخت سزا کا متعین ہونا، اس کی عزت ووقار کے ماہتاب کو چاندنی عطا کیے جانے کے مرادف ہے۔

عصمت کی خاطر :

حدیث شریف میں ایک جگہ فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے ایک بلانوش نوجوان کا تذکرہ ہے۔اس کی بلانوشی میں اسباب ووسائل کی فراوانی خواہشات نفسانی کو کہاں تک مہمیز کرتی ہے، اور اسے کس حد تک حریص اور شہوت پرست اور شقی القلب بنادیتی ہے، اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پھر اس قصہ کو ملاحظہ فرمائیں، جس میں حضور اکرم ﷺ نے ایک مجبور ومضطر خاتون کا واقعہ بیان کیا ہے، اس قصہ کے دو کردار ہیں، ایک نوجوان عورت ہے جو افلاس کی ماری ہوئی ہے، زمانے کی ستائی ہوئی ہے، نان شبینہ کی محتاج دکھیاری ہے، دوسری طرف ایک نوجوان بلانوش عیاش صفت شہوت پرست ہے جس کے دل پر قساوت کی چھاپ ہے، آنکھ کا پانی مرچکا ہے، حیا اس کے نزدیک دم توڑ چکی ہے، وہ خاتون اس نوجوان کے پاس جاتی ہے جو اہل ثروت بھی ہے، اس سے فضل واحسان کی طالب ہوتی ہے اور صرف ساٹھ دینار کا مطالبہ کرتی ہے لیکن وہ درندہ صفت نوجوان اس کے عوض میں اس خاتون کی عصمت کی چادر لینا چاہتا ہے، اس کی دوشیزگی کو پامال کرنا چاہتا ہے، وہ خاتون منت وسماجت کرتی ہے لیکن اس نوجوان پر اس کی مسکنت وبیچارگی کی آہوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا مجبور ہوکر وہ عورت ہوس کے دار پر چڑھنے کے لئے تیار ہوجاتی ہے، جس وقت وہ گناہ کا ارتکاب

کرنا چاہتا ہے تو اس عورت پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، وہ نوجوان پوچھتا ہے کہ کیا بات ہے، وہ بڑے درد کے ساتھ عرض کرتی ہے میں اللہ سے ڈرتی ہوں، یہ جملہ اس کی زبان سے کچھ اس انداز سے نکلتا ہے کہ وہ نوجوان سکتے میں آجاتا ہے اور کہتا ہے تم اس حال (فقر) میں بھی اللہ سے ڈرتی ہو، اور میں ہوں کہ اس کی بغاوت پر کمر بستہ ہوں، وہ یہ کہتے ہوئے الگ ہو جاتا ہے، خدا کی قسم میں اللہ عزوجل کی ہرگز نافرمانی نہیں کروں گا' ساٹھ دینار اس خاتون کے حوالے کرتے ہوئے اسے رخصت کرتا ہے۔

درس عبرت :

رات کے ایک حصہ میں نوجوان پر دورہ پڑتا ہے اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے، صبح کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ اس کے گھر کے دروازہ پر یہ عبارت غیب سے ظاہر ہوتی ہے 'غفر اللہ للکفل' اللہ نے کفل کی مغفرت فرمادی۔

اس واقعہ میں کتنے بلانوش عیاش صفت نوجوانوں کے لئے درس عبرت ہے جن کی زندگی گناہوں کے دلدل میں دھنستی چلی جارہی ہے، ان کے لئے کتنا بڑا سرمایہ امید ہے کہ اگر وہ اللہ کے لئے گناہوں سے باز آجائیں تو اللہ عزوجل کی رحمت بیکراں ان کی دستگیری کے لئے تیار ہے۔

جاہلیت کے زمانے سے اسلام کی دہلیز پر پہنچنے والے نوجوانوں کے لئے اس واقعہ میں بلا کی کشش پائی جاتی ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس طرح نخل امید کو سینچا ہے اور گرتے ہوئے معاشرہ کو اوج ثریا کا عروج عطا کیا ہے، پاکیزگی کی بادبہاری اس چمن سے گزری تو اسے عطر فشاں کر دیا، اس قصہ میں عبرت کا پہلو از خود آمادہ اظہار ہے۔ کردار کے بولنے کی آواز پردہ سماعت سے گزر کر دل و دماغ کو اسیر کر رہی ہے، اور یہی ایک کامیاب قصہ کی جان اور اس کی ادبی شان ہے۔

حدیث کے ذخیرہ میں ایک قصہ ہمیں اور ملتا ہے جو اس کے مماثل ہے لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ اس میں عبرت و مقصدیت کا دائرہ یہ مادی دنیا ہے، جس کے لئے انسان مرتا ہے اور مارتا ہے

'لیکن مایوسی، اضطراب بے یقینی، بے چارگی، اور قنوطیت کی فضاء میں نخلستان آرزو میں باد بہاری کیسے آتی ہے اور چمن امید میں صبا کا رقص کیونکر جاری ہوتا ہے، بادنسیم کے جھونکوں سے سعادت مندیوں کے گل و بوٹے اور شگوفے کیسے کھلتے ہیں، درج ذیل واقعہ سے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

اصحاب غار کا قصہ :

بخاری شریف میں اصحاب غار کا قصہ بیان کیا گیا ہے، تین افراد پر مشتمل یہ کارواں سفر پر تھا، راستہ میں سخت طوفان اور تیز بارش سے بچنے کے لئے یہ مختصر قافلہ ایک غار میں داخل ہوگیا، ابھی وہ اندر ہی تھے کہ ایک چٹان اوپر سے کھسکی اور غار کے دہانے پر آپڑی، دہانہ بند ہوگیا، تینوں اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگے، اچانک انہیں خیال آیا کہ کیوں نہ قادر مطلق ذات کی طرف رجوع کیا جائے، انسان مصیبت کی گھڑیوں میں مدد و نصرت کا طالب ہوتا ہے، یہاں خارجی امداد کی ساری سبیلیں بند ہوچکی ہیں البتہ ان کے دل میں پرورش پانے والا ایمان عمل صالح کی چنگاریوں کو تلاش کرتا ہے اور وہ یہ طے کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر فرد اپنی دانست میں قبول عمل کا واسطہ دیکر خدا کے حضور میں دعا کرے امید ہے کہ اس مصیبت سے نجات حاصل ہوگی۔ ان میں سے دو نے باری باری اپنے مقبول اعمال کا واسطہ دیکر جب دعا کی تو چٹان اپنی جگہ سے کھسکنے لگی، تیسرے فرد کی جب باری آئی تو اس نے بڑی لجاجت سے یہ دعا کی ''اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں فلاں پر فریفتہ تھا، ایک دفعہ وہ میرے پاس آئی اسے کچھ ضرورت تھی، فاقہ مست دریدہ پیرہن کے اندر سے ابھرتا ہوا اس کا حسن مجھے بے قابو کر رہا تھا، میں نے کچھ دینے کے عوض میں اس کے سرمایہ عصمت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی وہ نوجوان خاتون واپس چلی گئی، لیکن گھر میں فقر و افلاس کے تازیانے نے ایک دفعہ پھر اسے میرے پاس آنے پر مجبور کر دیا، میں نے اس کی لجاجت کی پرواہ نہیں کی بلکہ اپنی شرط قائم رکھی، وہ بندی مایوس ہوکر پھر چلی گئی، اس نے اپنے شوہر سے جاکر کہا کہ اس کا شوہر معذور تھا، اس نے اس کو حالات کے پیش نظر اجازت دے دی وہ پھر آئی اور اللہ کا واسطہ دے کر مانگتی رہی، لیکن میں نے اسے نہیں دیا، وہ مجبور ہوکر

اپنے آپ کو حوالے کرنے پر آمادہ ہوگئی، جس وقت میں نے اس کی مہر عصمت کو توڑنا چاہا اس خاتون نے کہا اللہ سے ڈرو، اگر فقر واحتیاج کی ماری نہ ہوتی تو میں ایسا نہ کرتی، میں نے کہا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کبھی نہیں کیا ہے، اس نے کہا ہاں، میں نے آج تک گناہ نہیں کیا ہے میں، یہ سن کر اندرون میں لرز کر رہ گیا، اس کے جملوں کے ارتعاش نے زخمہ دل پر ایسی ضرب لگائی کہ میں بیقرار ہو کر الگ ہوگیا، میں نے طے شدہ رقم اس کے حوالے کردی، وہ چلی گئی، اے اللہ اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا تھا تو اس عمل کی برکت سے ہمیں زندگی کی شاہراہ عطا فرما دے' چٹان کھسک گئی اور وہ تینوں باہر نکل آئے۔

نیکیوں سے مصائب دور ہوتے ہیں :

قصہ کا پلاٹ سادہ مگر دلچسپ اور باعث عبرت ہے، گناہوں سے بچنا صرف بچنا ہی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے بنیادی کامیابیوں کے روزن وا ہوتے ہیں، انسان نہ جانے کہاں کہاں مایوسی کا شکار ہوتا ہے، اس کے سامنے جب یہ قصہ آتا ہے تو وہ اپنی زندگی پر غور کرنے پر آمادہ ہوتا ہے، دنیوی فلاح وسعادت کا ہر شخص خوگر ہوتا ہے اس کی طرف اس قصہ میں بھرپور رہنمائی موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے ان قصوں میں عورت کی پاکیزہ نفسی اور عصمت کی بلند کرداری اور پایہ عظمت ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے، جبکہ عورت کو یہ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ خود گناہ ہے، اور انسان کی شکل میں شیطان کی خالہ ہے، لیکن یہ قصہ ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ عورت کلید طہارت اور مرکز عصمت ہے، زندگی کی شاہراہ میں فوز وسعادت کی ضمانت ہے، مایوسیوں میں شرارہ امید ہے، اس کا کردار اس کی رفعتوں کا غماز ہے، اس میں وہ کردار ہے جو ایک خاتون پارسا سے مطلوب ہے، جس کو خالق کائنات نے سماج کا پھول بنایا ہے، وہ ہوس کی کاشت اور ناسپاسیوں کی دھول نہیں ہے۔

معاشرہ کی اصلاح اور فرد کے سلوک وعقیدہ کی توجیہ میں اس قسم کے قصوں کا بڑا مؤثر رول ہوتا ہے، ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے الگ نہیں ہوتا، تاکہ قاری اور سامع پر براہ راست اس کا اثر

پڑے،اوراس کااندرون اسے قبول کرنے پرآمادہ ہوجائے،اوریہی کامیاب قصوں کی اصل روح ہے

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ فطرت زن اور حدیث ام زرع

عورتوں کامزاج خاموش بیٹھے رہنے کانہیں ہوتا، اگروہ ایک ساتھ کسی محفل میں جمع ہوجائیں توجام سکوت ٹوٹ کربکھرجاتاہے،گفتگو سے نہ وہ تھکتی ہیں اورنہ ہی اکتاتی ہیں،کوسناان کی فطرت ہے،وہ غیبت کی ٹوکری ساتھ لے کرچلتی ہیں،طعن وتشنیع کے تیرونشتر کاذخیرہ ان کے ترکش کا نہ ختم ہونے والاسرمایہ ہے،ایسے وقت میں ایک مثالی خاتون وہ کیونکر ہوسکتی ہےاوراسے ایک مثالی شوہرکی تلاش میں کامیابی کیسے مل سکتی ہے۔

حدیث شریف کے ذخیرہ میں ایک ایسی حدیث بھی ملتی ہے جس میں تیرہ بیویوں کا قصہ بیان کیاگیاہے،شمائل ترمذی میں یہ روایت موجودہے جسے حدیث ام زرع کہاجاتاہے،حضرت عائشہؓ کی زبانی اس قصہ کوبیان کیاگیاہے،جس میں ان عورتوں کےان مکالمات کاذکرجن کے سامنے مکالمات افلاطون بھی ہیچ ہے۔

مثالی بیوی اورمثالی شوہر :

عورت مردکی ضرورت ہےاورمرداس کامحافظ،مردکی دلچسپیوں کامرکز' کائنات کی وسعتیں ہیں توعورت کی دلچسپیوں کی آماجگاہ خودمردکی ذات ہے،لہٰذاوہ اپنے شوہرکو ہرحال میں آئیڈیل و مثالی دیکھناچاہتی ہے،اس کی دلچسپیوں کے تناظر میں اس کی محبت کانمود جھلکتاہے،کلیاں کھلتی ہیں، اس حدیث میں بارہ عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں کےکلیدی کردارکاتذکرہ اختصاروجامعیت اور مؤثرانداز میں کیاہے،تیرہویں کی جب باری آتی ہےتوبڑے انبساط کے ساتھ اپنے شوہرکاتذکرہ کرتی ہے،اس کی فیاض طبیعت،دریادلی،حسن انتظام لطف ومحبت کاتذکرہ کچھ ایسے اندازمیں کرتی ہے کہ قاری دم بخودرہ جاتاہے،اس نے اپنے شوہرکےفرزندوں،خادماؤں اورمویشیوں یہاں تک غلوں کی تفصیل کوبھی بیان کیاہے،پھراپنے شوہرابوزرع سے اپنی جدائی کاتذکرہ بھی کرتی ہے،اس

ضمن میں اپنے موجودہ شوہر کے فیاضانہ معاملہ کو بھی فراموش نہیں کرتی، لیکن یہ کہتی ہے کہ ابوزرع کی نوازشات کا کیا پوچھنا، وہ مجھ سے جدا ضرور ہوگیا، لیکن اس کی داد و دہش اس کی اخلاقی بلندی کی شمیم کو کوئی کہاں پا سکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اسے سن کر فرمایا کہ عائشہ میں تمہارے لئے مثل ابوزرع ہوں، اس قصہ میں ایک مثالی شوہر کا کردار سامنے آتا ہے، جو عورت کی طبیعت میں اپنی یادوں کی شمیم قائم کیے ہوئے ہے اور مثالی بیوی کا کردار ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ حسن اعتراف زندگی کا حسین سرمایہ ہے، اس کی بنیاد پر انسان اپنے ہم جنسوں سے ممتاز و یگانہ قرار پاتا ہے، تیرہ بیویوں میں ام زرع کا امتیاز اس کا حسن اعتراف ہے، اور مرد کا وہ مثالی کردار ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ اپنا پیکر جمال اسے قرار دیا، یہی قصہ کی اصل روح ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے 'خیرکم خیر کم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی' تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہو، اور میں اپنی بیویوں کے حق میں سب سے بہتر ہوں۔

خاتمہ :

عبرت و سبق آموزی کا یہی وہ سامان ہے جسے قصص و حکایات کے آبگینوں میں اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس سے دل و دماغ کو فرحت و بالیدگی اور فکر و خیال کی ایسی تحریک ہوتی ہے جو زندگی کو قوت عمل سے ہمکنار کر دیتی ہے، یہی ادب زندگی کا امتیاز بن جاتا ہے، جس میں مقصدیت کی روح کی جلوہ طرازیاں چمکتی دمکتی ہوئی نظر آتی ہیں اور یہی ادب کا امتیاز ہے 'فاقصص القصص لعلھم یتفکرون' قصے بیان کرو تا کہ وہ (مقصد زندگی کو پا کر) پارسا بن جائیں۔

☆☆☆

سماجی وادبی انقلاب میں مواعظ وملفوظات کا اثر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور کائنات میں اشرف واعلیٰ مقام پر فائز کیا، قوت تمیز سے اسے نوازا، اور خیر وشر کے ادراک پر اسے قدرت عطا فرمائی، زبان وبیان کی دولت سے اسے بہرہ ور فرمایا، اور یہ ایسا امتیاز ہے جس کی وجہ سے ساری مخلوق میں برتری وتفوق کا مستحق اسے گردانا گیا، حقیقت میں اللہ کی ساری نعمتیں اس کے لئے اور وہ خود اللہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سماج میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں ایک طبقہ جو نیک کردار، نیک گفتار، نیک خو، نیک سیرت، ہمدرد، غمگسار، بہی خواہ اور انسانیت کے لئے فوز وفلاح کا ضامن ہوتا ہے، جبکہ ہر دوسرا طبقہ مردم آزاری، ہوس گیری، ظلم وزیادتی، عناد وسرکشی، تمرد ونافرمانی میں حد سے تجاوز اور خواہشات کے اتباع میں ہر قید سے آزاد ہوتا ہے۔

اسی طرح اقتصادی نابرابری کی وجہ سے ہماری سوسائٹی دو طبقوں میں بٹی نظر آتی ہے یعنی بہت امیر یا بہت غریب، امراء نے معاشرت کے تمام وسائل پر اپنا قبضہ وتسلط ہر دور میں قائم رکھا، اور انہیں عام آدمی کے حالات ومسائل سے صرف اتنا ہی سروکار تھا جتنا ان کے مفاد میں ہوسکتا تھا، ایک عام آدمی جو غریب یا محنت کش ہو ایک ستم رسیدہ اور مصیبت زدہ انسان اپنے دل کا درد خدا سے تو کہہ سکتا تھا، خداوند سے نہیں، جاگیرداری نظام میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ایک غریب اور بے حیثیت انسان کسی نواب یا راجا یا بادشاہ کی محفل میں بیٹھ کر اسے اپنا دکھڑا اس طرح سنا سکے گا جس سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔

لیکن اللہ والے جنہوں نے دلوں کی دنیا میں اپنی روحانی حکومت قائم کر رکھی تھی وہ خود کو ہمیشہ عوام اور مساکین کے طبقے ہی سے متعلق سمجھتے تھے اور ان کے تمام مسائل سے براہ راست اور سچی

دلچسپی لیتے تھے،ان کی خانقاہوں میں جوغریب، نادار، مصیبت زدہ اور مظلوم انسان آتے تھے انہیں ڈھارس بندھتی تھی اوران کے زخموں کا مرہم ملتا تھا،اس لئے عوام پر اللہ والوں،صوفیاء، بزرگوں، اور اہل دل علماء کا اثر امراء اور بادشاہوں سے کہیں زیادہ تھے،اسی لئے معاشرت اور ثقافت کے وہ پہلو جو عوامی اشتراک کا مظہر ہوتے ہیں ان میں ان بزرگوں کا اثر ونفوذ پایا جاتا ہے اورانہیں صحیح رخ دینے اور زندگی کی حلاوتوں سے آشنا کرنے اور معاشرت کی رفعتوں سے ہمکنار کرنے میں ان کے کردار و گفتار کا بڑا موثر رول رہا ہے،ان کے نظریات عوامی نظریات کو متاثر کرتے ہیں،ان کے فکر وخیال کے مروارید کی جگمگاہٹ سے فکر وتخیل کو جلا اور شعور وادراک کے آفاق میں کہکشاں کی تنویر نظر آتی ہے، ان کی محبت کی شمیم جانفزا مشام جاں کو معطر کرتی ہے،ان کا وجود بیکس پناہی کا مظہر اوران کی سیرت آئینہ حیات بن کر خوب سے خوب تر کی تحریک پیدا کرتی ہے،ان کی زاہدانہ زندگی کے اثرات سے حکومت بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی،ان کی تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ محض صاحب قال اور صاحب کمال نہیں ہوتے بلکہ صاحب دل اور صاحب حال بھی ہوتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں ان کے دل سے نکلتا ہے،اس لئے دل پر اثر کرتا ہے،جس وقت تقریر کرتے ہیں،سراپا درد واثر ہوتے ہیں اسی لئے ان میں مقناطیس کی سی کشش ہوتی ہے جو ہر ٹھوس صلب آہن کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کے دور کا ہم اس نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ اللہ کے کچھ مخلص اور سرفروش بندے میدان میں آئے جنہوں نے اپنی قوت ایمانی،سوز دروں،صحبت و تربیت، وعظ ونصیحت، اور دعوت وتلقین سے لاکھوں آدمیوں کو مادیت کے اس طوفان میں تنکے کی طرح بہنے سے بچایا اوراس مادیت کے سیلاب کی رفتار کو اگر ختم نہیں کیا تو سست ضرور کر دیا، مادیت کا وہ سیلاب جس کا برملا اظہار سرور عالم نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ ﷺ نے یوں فرمایا تھا' ماالفقراخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط الدنیاعلیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما

اھلکتھم' (مجھے تمہارے بارے میں فقر وافلاس کا خطرہ نہیں ہے مجھے جو خطرہ ہے وہ اس بات کا کہ دنیا کی تم پر ایسی کشائش وفراخی ہو جیسے تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی اور تم بھی اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ شروع کر دو اور وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسے اگلوں کو ہلاک کیا)

اس فتنے کا مقابلہ کرنے کے لئے فضلاء تابعین کی ایک سربرآوردہ جماعت تھی جس میں سعید ابن جبیرؒ محمد بن سیرینؒ شعبی کے علاوہ حضرت حسن بصریؒ کو خاص امتیاز وتفوق حاصل تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ یوں رقمطراز ہیں ''حضرت حسن بصریؒ کے مواعظ دور صحابہؓ کی قوت سادگی کا نمونہ ہیں ان میں زیادہ تر دنیا کی بے ثباتی، زندگی کی بیوفائی، اور آخرت کی اہمیت کا مضمون، ایمان وعمل کی تلقین' تقوی وخشیت الٰہی کی تعلیم، طول امل اور فریب نفس کی مذمت ملتی ہے اور اس دور میں جس پر مادیت اور غفلت کا سخت حملہ ہوا تھا اور عوام اور بہت سے خواص دولت اور عیش وعشرت کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہے چلے جارہے تھے انہیں مضامین کی ضرورت تھی، ان کے مواعظ اپنی دل آویزی، اور دل نشینی کے علاوہ اس دور کی فصیح وبلیغ زبان اور اعلی ادب کا نمونہ ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کی دعوت واصلاح کی طاقت وتاثیر میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ انہوں نے زندگی کا ایک سرا پکڑ لیا اور سوسائٹی کی اصل بیماری کی طرف توجہ کی، لیکن اس زمانہ کے معاشرہ نے کسی کے وجود اور کسی کی دعوت کو اس طرح محسوس نہیں کیا جس طرح حسن بصریؒ کے وجود اور ان کی دعوت کو محسوس کیا، اس لئے کہ ان کی تقریروں اور ان کے درسوں سے اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر زد پڑتی تھی۔

غرض ان کی دعوت، ان کے مواعظ اور ان کے اصلاحی درس اس زمانہ کی خواہشات و اغراض سے اسطرح متصادم تھے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کے لئے ان سے غیر متعلق رہنا مشکل ہو گیا تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ بکثرت لوگ ان کی تقریروں اور مجلسوں سے چوٹ کھا کر پچھلی زندگی سے تائب

ہوتے تھے اور نئی زندگی اختیار کرتے تھے''۔(ص ۵۸/تا۶۶ تلخیص تاریخ دعوت وعزیمت)

بنی امیہ کے زوال کے بعد بنی عباس کا دور شروع ہوا، عجمی عنصر کے غلبہ سے سیرت وکردار کے ساتھ زبان بھی متاثر ہوئی، معاشرت میں عیش وعشرت کا بازار گرم ہوا، جاہ پسندی، زرطلبی، عہدوں اور مناصب کے چکروں نے پوری سوسائٹی کو متاثر کیا، لیکن اس عیش وعشرت کے ماحول میں کچھ نفوس قدسیہ تھے جو اسلامی اندوختہ کو بچانے اور اسلامی ورثہ کی حفاظت میں پیش پیش تھے، مادیت کے تلاطم خیز سمندر میں وہ انسانی جزیرے تھے جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے اور ان کا عوامی زندگی میں اتنا زبردست اثر تھا کہ کبھی کبھی خلیفہ وقت کو بھی ان کی مقبولیت دیکھ کر یہ کہنا پڑا'' کہ یہ ہے حقیقی بادشاہت''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بغداد میں ۷۳/سال گزارے، عباسی خلفاء میں سے پانچ ان کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے، جس وقت وہ بغداد میں رونق افروز ہوئے اس وقت خلیفہ مستنصر باللہ ابوالعباس م۵۱۲ھ کا عہد تھا، اس کے بعد بالترتیب مسترشد، راشد، المقتفی لامراللہ اور المستنجد باللہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے، شیخ کا یہ عہد بہت اہم تاریخی واقعات سے لبریز ہے، سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی آویزشوں سے جو الم انگیز واقعات رونما ہوئے ان کا بہت قریب سے انہوں نے مشاہدہ کیا، سماجی بدحالی نے انہیں متاثر کیا لہٰذا عوام کی اصلاح وتربیت کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پوری قوت کے ساتھ وعظ وارشاد، دعوت وتربیت، اصلاح نفوس، وتزکیہ قلوب کی طرف متوجہ ہوئے۔

آپ کے وعظ کی تاثیر :

آپ کا وعظ جو ربانی فتوحات یزدانی الہامات اور سبحانی ارشادات وہدایات کا سمندر ہوتا تھا، جس وقت جوش میں آتا تو سامعین بیتاب ہوجاتے آپ کی مجلس وعظ میں امراء فقراء رؤسا درویش سلاطین وزراء علماء صلحاء زاہدین وعابدین معتزلہ مبتدعین، دنیادار ودیندار، مشائخ، مریدین، فصحاء، شعراء، اہل سیف، اہل قلم، ضعفاء، اقویا، سخت دل، نرم دل، اہل شہر واہل دیہات، عوام وخواص، غرض

ہر قسم اور ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے تھے، یہاں تک کہ کفار ومشرکین، یہود ونصاریٰ، سبھی شریک ہوتے تھے، حاضرین سامعین کا ایک سمندر آپ کے روبرو ہوتا، لہذا جب حکمت ودانش کے ابر نیساں کی موسلا دھار بارش برسنی شروع ہوجاتی تو کسی پر وجد طاری ہوجاتا، کسی پر گریہ وبکاء، کوئی محو حیرت، کوئی استغراقی کیفیت میں ششدر بیٹھا رہ جاتا تھا، اور کوئی مضطرب وبے اختیار ہوکر اپنے کپڑے پھاڑنا اور چیختا چلاتا ہوا پچھاڑیں کھایا کرتا تھا، اسمیں یہ حالت بھی ہوتی تھی کہ کوئی اپنے قلب کی چوٹ ضبط نہ کرسکا تو اس کا جگر شق ہوا اور شمشیر محبت کا گھائل ہوکر شہادت لقاء محبوب کا شربت پیا اور موت کی نیند پڑ کر سوگیا، وعظ کے ختم ہونے پر جب حاضرین منتشر ہوتے تو مئے معرفت کے متوالوں اور شہدائے عشق کی نعشوں کا پتہ چلتا تھا کہ آج اتنے جنازے اٹھانے کی نوبت آئی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کے وعظ کی تاثیر کے ذیل میں لکھا ہے ''حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر رکھتے تھے، اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے، فتوح الغیب اور فتح الربانی کے مضامین اور آپ کے مجالس وعظ کے ملفوظات آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے، تاثیر اور نفع عام کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ زبان مبارک سے جو فرماتے تھے وہ دل سے نکلتا تھا، اس لئے دل پر اثر کرتا تھا، آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت وعظمت بھی ہے اور دل آویزی اور حلاوت بھی اور صدیقین کے کلام کی یہی شان ہے، ایک مجلس میں قلب کے صلاح وفساد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے 'قلب کا سنورنا، پرہیزگاری حق تعالی پر توکل، اس کی توحید، اور اعمال میں اخلاص پیدا کرنے سے ہے، اور اس کا بگڑنا ان خصلتوں کے معدوم ہونے سے قلب گویا پرند ہے بدن کے پنجرہ میں گویا موتی ہے ڈبہ میں گویا مال ہے صندوق میں پس اعتبار پرندہ کا ہے پنجرہ کا نہیں ہے، اعتبار موتی کا ہے ڈبہ کا نہیں ہے، اور مال کا ہے صندوق کا نہیں ہے' (فتوح یزدانی ص ۱۳)

کبھی معاشرہ کے اس طبقہ کو جو معاشی اعتبار سے کمزور ہونے کی وجہ سے اہل ثروت کو

رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا، اور اپنے اعمال واخلاق کی رفعتوں کو بھول جاتا تھا یوں مخاطب کرتے ہیں ''اے خالی ہاتھ فقیر، اے وہ کہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے، اے گمنام اے بھوکے، اے پیاسے و ننگے، جگر جھلسے ہوئے، اے ہر مسجد وخرابات سے نکالے ہوئے، اے ہر در سے پھٹکارے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے اے وہ کہ جس کے دل میں پٹی ہوئی آرزوؤں اور ارمانوں کے (کشتوں) کے پشتے لگے ہیں، مت کہہ کہ خدا نے مجھ کو محتاج کر دیا دنیا کو مجھ سے پھیر دیا، مجھے پامال کر دیا، چھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی، مجھے پریشان کیا، اور جمعیت خاطر نہ بخشی، مجھے ذلیل کیا، اور دنیا سے میری کفالت نہ کی، مجھے گمنام کیا اور خلق میں اور میرے بھائیوں میں میرا ذکر بلند نہ کیا، اور غیر پر اپنی تمام نعمتیں نچھاور کر دیں، جس میں اس کے رات ودن گزرتے ہیں، اسے مجھ پر اور میرے دیار والوں پر فضیلت دی، حالانکہ وہ بھی مسلمان ہے اور میں بھی، اور ایک ماں باپ آدم وحوا کی اولاد میں دونوں ہیں۔''

اے فقیر! خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لئے کیا ہے کہ تیری سرشت مٹی یا زمین کے مثل بے ریت ہے اور رحمت حق کی بارشیں برابر تجھ پر ہو رہی ہیں، از قسم صبر ورضا ویقین وموافقت وعلم اور ایمان وتوحید کے انوار تیرے گرداگرد ہیں تو تیرے ایمان کا درخت اور اس کی جڑ اور بیخ اپنی جگہ پر مضبوط ہے، کلے دے رہا ہے، پھل رہا ہے، بڑھ رہا ہے، شاخیں پھیلا رہا ہے، سایہ دے رہا ہے، بلند ہو رہا ہے، روز آنہ زیادتی اور نمو میں ہے، اس کے بڑھانے اور پرورش کرنے میں پانس اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں، اس بارہ میں خداوند قدوس تیرے حکم سے فارغ ہے اس نے آخرت میں تجھ کو جو مقام بخشا ہے اور اس میں تجھ کو مالک بنایا ہے اور عقبیٰ میں تیرے لئے اتنی کثرت سے بخششیں رکھی ہیں کہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال گزرا۔

اے فقیر! دولتمند آدمی کا درخت ایمان کمزور جڑ کا ہوتا ہے اور اس قوت سے خالی جو تیرے درخت ایمانی میں بھری ہوئی ہے اس کی مضبوطی اور اس کا ٹکاؤ انہیں چیزوں سے ہے جو مال دنیا اور

طرح طرح کی نعمتیں اس کے پاس تجھ کو نظر آتی ہیں، اگر درخت کی کمزوری میں یہ چیزیں اس سے الگ کردی جائیں تو ایمان کا درخت سوکھ کر کفر وانکار پیدا ہوجائے گا، اور وہ شخص منافقین ومرتدین و کفار میں شامل ہوجائے گا، البتہ اگر خداوند تعالیٰ دولتمند کی طرف صبر ورضا ویقین، علم اور طرح طرح کی معرفتوں کے لشکر بھیجے اور اس سے اس کا ایمان قوی ہوجائے تو پھر اس کی تونگری اور نعمتوں کے علیحدہ علیحدہ ہوجانے کی پرواہ نہ ہوگی۔'' (دعوت عزیمت جلد ا رص ۲۱۴)

ایک جگہ سرکاری علماء ومشائخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اے علم وعمل میں خیانت کرنے والو! تم کو اس سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنو! اے بندگان خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں مبتلا ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو! اور اے زاہدو! شاہان وسلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہوگے، کہ ان سے دنیا کا زر ومال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں، بارالہا! منافقوں کی شوکت توڑ دے، اور ان کو ذلیل فرما، یا ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما، اور زمین کو ان سے پاک کردے یا ان کی اصلاح فرما (ج ا رص ۲۱۷) ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں ''جناب رسول اللہ ﷺ کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے، اے باشندگان زمین آؤ جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کردیں اور جو ڈہہ گیا ہے اس کو درست کردیں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہئے، اے سورج اے چاند اے دن تم سب آؤ۔'' (ج ا رص ۲۱۸)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد اس میدان میں علامہ ابن جوزیؒ نے بڑا اہم رول ادا کیا، ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ ومجالس، درس وملفوظات، ہیں ،تاثیر کا یہ عالم ہوتا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے، وجد وشوق میں گریبان پھاڑتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں، آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، توبہ کرنے والوں کا کچھ شمار نہ ہوتا، ان کی مجالس وعظ کی

مقبولیت اورلوگوں کے اثر دہام کاایک بڑاسبب ان کی فصاحت وبلاغت اوردلنشین انداز میں حسن خطابت کوبھی قراردیاجاتا ہے ،حضرت مولاناؒ نے اس طرف یوں اشارہ فرمایا ہے'' انہوں نے ''صیدالخاطر'' میں اپنی اس ذہنی کشمکش کا بھی ذکر کیا ہے کہ نفس نے ان کواس کی ترغیب دی کہ وہ اس کا اہتمام بالکل چھوڑ دیں اور الفاظ کی طرف بالکل توجہ نہ کریں، یہ سب تکلف وتصنع ہے لیکن انہوں نے اپنے علم اور تفقہ سے اس خیال کو دفعہ کیا، اوراپنے نفس کو سمجھایا کہ حسن کلام ایک خداداد قابلیت ایک ہتھیار اور ایک کمال کی بات ہے، نہ کہ نقص وعیب اس لئے ان کو دعوت وتبلیغ میں اس سے کام لینا چاہئے ،اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے'' (ص ۲۵۰)

اس طرح ان اہل دل بزرگوں نے نہ صرف اپنے مواعظ کے ذریعہ دلوں کی دنیابدل دی بلکہ زبان وادب کے دامن کو بھی مالا مال ونہال کیا، ادب رفیع کے وہ نمونے چھوڑے جس سے بہتر و شاہکار اور مؤثر ادب کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ادب کا تعلق چونکہ زندگی سے ہے، اور یہ اہل دل بزرگ زندگی کے رزم وبزم سے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ جس سے زیادہ کا تصور دوسرے طبقہ انسانی سے نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا جہاں سیرت کا نہال برگ وبار سے مالا مال ان کی صحبت فیض کے اثر سے لازوال ہوجاتا ہے وہیں ادب کی چاشنی وحلاوت، استعارے، تلمیحات، کنایات، محاورات، اور محاکات کا بانکپن بھی ان کے مواعظ وملفوظات کی روح کی تابندگی کی عکاسی کرتا ہے، اس تناظر میں فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ کے ملفوظات میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ اہم ماخذ سرور الصدور ونور المبدور اسی طرح سیر الاولیاء احسن الاقوال اور خیر المجالس اور راحت القلوب جو بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہیں کا مطالعہ بھی اس عقلیت وتاثیر کا اہم ماخذ ہیں۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی رقمطراز ہیں'' ہندوستان میں ساتویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے آخر تک سات سوسال میں جو فارسی ادب پیدا ہوا اس پر ایک سرسری نظر ڈالیے تو

معلوم ہوگا کہ ان میں اکثریت انہیں اہل دل کی ہے یا ان سے وابستہ افراد کی ہے، اسی طرح اردو ادب میں نظم ونثر کے جو ابتدائی نمونے ملتے ہیں، وہ ان بزرگوں کی خانقاہوں میں ڈھالے گئے ہیں، قدیم کتب وملفوظات کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کا کینوس انہیں بزرگوں نے بنایا ہے اور اس زبان میں جو تاثیر وگھلاوٹ ہے وہ ان بزرگوں کی عوام دوستی کا ہی پرتو ہے۔''

(نقد ملفوظات)

اولیاء اللہ کی صحبتیں :

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ اور مشائخ کی صحبتیں ان کی مجالس، ان کے ارشادات وافادات ان کے ہدایات وملفوظات اور بعض اوقات ان کی دلنواز نگاہیں نسخہ اکسیر ثابت ہوتی ہیں، مشہور ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ جب رائے بریلی سے لکھنؤ تشریف لائے اور ٹیلہ والی مسجد میں قیام پذیر ہوئے تو اہل لکھنؤ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور توبہ وانابت کے ساتھ روحانی زندگی کی تازگی ،سکینت ، نشاط انگیزی، اور باطنی تسکین اور روح کی بالیدگی پاتے، ذہن وفکر میں ایک عظیم انقلاب محسوس کرتے، اس کا اثر ایوان حکومت میں محسوس کیا جانے لگا، نواب اودھ کی طرف سے بعض پیشکش بھی ہوئی، دھمکی کا انداز بھی اختیار کیا گیا، اوباش بھی لگائے گئے، یہاں تک کہ ایک روز کچھ ڈاکو حاضر خدمات ہوئے ان میں ان کا سردار بھی تھا، ان کے آنے کا مقصد کچھ اور تھا، لیکن آپ کی مجلس میں شریک ہوئے گفتگو سنی تو دل تڑپ اٹھا کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی زبان کے ایک ایک بول کی تراوٹ سے نہال ایمان پر تازگی کے ساتھ اہتزاز کی کیفیت طاری ہوگئی، جو مدتوں سے معصیت کی پرشور وادی میں فناء وبقاء کی کشمکش سے دوچار تھا، ایک ہی نظر نے دل کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی، اور رہزن سے رہبر کی صفوں میں داخل ہوگئے، یہاں تک کہ جب ان کے دوسرے ساتھیوں نے عادت کے مطابق کہیں رہزنی یا شب خوں مارنے کا تذکرہ کیا تو انہوں نے نہ صرف اس میں کوئی دلچسپی ظاہر کی بلکہ ان سے بھی حق وصواب کی ڈگر اختیار کرنے کے لئے حضرت سید صاحبؒ کے مجلس کے تاثرات اور اپنے توبہ و

انابت کا تذکرہ کیا اور انہیں بھی لے کر آئے اور یہ پوری جماعت جن کا پیشہ رہزنی چوری تھا اہل دل کی صفوں میں داخل ہوگئے، دین اسلام اور مخلوق خدا کی بہی خواہی ان کا شعار بن گیا، اس طرح وہ سماجی انقلاب وجود پذیر ہوا، جو اپنی صالحیت افادیت اصالت اور نافعیت میں قرن اول کی یاد تازہ کر رہا تھا۔

دل کا رخ جب صحیح ہو جاتا ہے تو زبان وقلم کے رشحات ونگارشات میں صالحیت کا عکس جمیل نظر آنے لگتا ہے، وہی مومن خان مومن جو رنگین مزاج اور عشق شعار تھے حضرت سید صاحبؒ کی ارادت میں آتے ہی ان کا فکری رخ ایسا تبدیل ہوا کہ اب وہ خود کہہ رہے ہیں

مومن تجھے کچھ بھی ہے جو پاس ایماں ہے معرکہ جہاد چل دیجئے وہاں
انصاف کرو! خدا سے رکھتے ہو عزیز وہ جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

آگے وہ کہتے ہیں۔

پلا مجھ کو ساقی شراب طہور کہ اعضاء شکن ہے خمار فجور
کوئی جرعہ دے دیں فزا جام کا کہ آجائے بس نشہ اسلام کا
بہت کوشش و جاں نثاری کروں کہ شرع پیمبر کو جاری کروں
جو ہے عمر باقی تو غازی ہو تم سزاوار گردن فرازی ہو تم
الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب یہ افضل سے افضل عبادت نصیب
میں گنج شہیداں میں مسرور ہوں اسی فوج کے ساتھ مسرور ہوں

ان کے علاوہ اور بھی شعراء ادباء حضرت سید صاحبؒ کی تحریک اصلاح وجہاد سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کی تالیفات وتصنیفات اور کلام خالص اسلامی ادب کے نمونے بن گئے۔

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے اپنے ایک مقالہ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے ''تحریک جہاد کے بعد جو شعراء صف اول میں آتے ہیں، ان میں ایک ٹھہراؤ اور وقار محسوس ہوتا ہے، یہی بلکہ ان کے کلام میں طنز ومزاح کے نام پر تضحیک کا جو عنصر تھا وہ ختم ہوگیا، اس دور کے سرخیل

شعراء میں استاد ذوق کے یہاں بھی وہ ابتذال نہیں ہے جو ان کے متقدمین کے کلام کا ناقابل انکار عنصر تھا، ایک زمین ہے 'زبان کے لئے' آسماں کے لئے' اس میں استاذ ذوق کے یہ اشعار اس بات کے غماز ہیں کہ وہ اپنے پیشتر شعراء سے مختلف نظر آتے ہیں اور ان کے کلام میں بالواسطہ ایک اسلامی دعوت کا اثر نمایاں ہے کہتے ہیں۔

فروغ عشق سے ہے روشنی جہاں کے لئے — یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کے لئے
نہیں ثبات بلندی و عز و شاں کے لئے — کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لئے
بیان درد محبت جو ہو تو کیوں کر ہو — زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کے لئے
مرے مزار پہ کس وجہ سے نہ برسے نور — کہ جاں دی کہ تری روئے عرق فشاں کے لئے

یہ وہی زمین ہے جس میں مومن کی مشہور غزل ہے۔

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لئے — عبث میں خاک ہوا میل آسماں کے لئے
نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لئے — رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے

(کاروان ادب۔ص ۷۰/اپریل جون ۱۹۹۵ء)

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بلند قامت شخصیت، پرمغز وعظ، دلنشیں ملفوظات، امت کے لئے تڑپ کے وہ اثرات ظاہر ہوئے جن سے ایک عام ذہنی مزاج ور جحان کی تشکیل ہوئی اور قوم کا مزاج ان کاوشوں کے نتیجے میں ایسا بن گیا کہ علی گڑھ اور آکسفورڈ کے فاضل انگریزی کے اعلیٰ انشاء پرداز مسٹر محمد علی کو مولانا محمد علی اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی کو بھی خادم کعبہ کا لباس پہن کر آنا پڑا، جب کہیں وہ مسلمان قوم کی لیڈری کے مستحق ہوئے اور وہ ادب مقبول ہوا جس میں زندگی اور مذہب کی چھاپ نمایاں ہو۔

دو آنکھ کہ بے نم ہو، رہے کور تو بہتر — جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

☆☆☆

متفرقات

عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکیش باشد

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچاانس ابن النضرؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے جس کا انہیں ہمیشہ قلق اور افسوس رہا کرتا تھا، وہ اکثر فرماتے تھے، میں بدقسمتی سے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اسلام کے سب سے پہلے غزوہ میں شریک نہ ہوسکا، لیکن اگر اللہ وعزوجل نے مجھے آئندہ کسی غزوہ میں مشرکین کے خلاف جنگ کا موقع دیا تو دیکھنا میں اللہ کی راہ میں کیسی شجاعت وجانبازی کا مظاہرہ کروں گا، چنانچہ ان کی یہ خواہش میدان احد میں پوری ہوئی، جنگ احد میں جب مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کی شہادت کی جھوٹی افواہ سے بددل ہوکر میدان سے ہٹنے لگے تو اس نازک موقع پر انہوں نے بے مثال ثبات واستقلال اور شجاعت وپامردی کا مظاہرہ کیا اور پوری ہمت وبہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، اس موقع پر ان کی ملاقات حضرت سعد ابن معاذؓ سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے ابوعمرو! (حضرت سعدؓ کی کنیت) یہاں بیٹھے کیا کررہے ہو، وہ دیکھو احد کے اس پار سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، یہ کہہ کر وہ مشرکین کی صفوں میں گھس گئے اور ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

آیا پروانہ گرا شمع پہ اور جل بھی مرا　　تم ابھی سوچ رہے ہو کہ محبت کیا ہے

روایتوں میں آتا ہے کہ ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی (۸۰) سے زائد زخم تھے۔

ایک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں　　پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

ان کی بہن حضرت ربیع ابن نضرؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کی لاش کو ان کی انگلیوں کے

پوروں سے پہنچانا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرامؓ کا یہ خیال تھا کہ قرآن کریم کی یہ آیت 'من المؤمنین رجال صدقوا ماعاھدوالله علیه فمنهم من قضی نحبه ومنهم من ینتظر ومابدلوا تبدیلا' (ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس پر قول کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی ہے کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں منتظر اور بدلا نہیں اپنا ارادہ کچھ) حضرت انس بن نضرؓ اور ان کے ساتھیوں یعنی شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئی، رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

اس قصہ کے فوائد :

عہد کا لحاظ و پاس رکھنا بندہ کے ایمان کی دلیل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "من المؤمنین رجال صدقوا ماعاھدوالله علیه فمنهم من قضی نحبه و منهم من ینتظر ومابدلوا تبدیلا' (ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس پر قول کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی ہے کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں منتظر اور بدلا نہیں اپنا ارادہ کچھ)

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔

صحابہ کرامؓ اسلام کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے کا جذبہ رکھتے تھے۔

شہید کے لئے جنت ہے۔

جنت کا شوق انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ کرسکتا ہے۔

☆☆☆

چاہ کن راہ چاہ درپیش

انسان کو اللہ تعالی نے خیر و بھلائی کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، انس و محبت اس کی خمیر میں رکھا ہے لیکن شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے وہ اسے اس کی اصل فطرت سے ہٹانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے اور یہی اس کا شیوہ اور وظیفۂ حیات ہے، اللہ عزوجل نے انسان کی آزمائش کے لیے شیطان کو اس کی قوت اور قدرت بھی عطا کی ہے لہذا وہ اپنی سرشت کے مطابق کام کرتا رہتا ہے اس کے خلاف پر اس کی طبیعت نہیں چل پاتی اس لیے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا۔ (شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن بنا کر رکھو۔)

لیکن انسان غفلت کا شکار، نفس امارہ کا اسیر بن کر شیطان کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، انسان سے غلطی کا ہونا یا کسی جرم کا ارتکاب یہ اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا اس جرم یا گناہ پر اس کا اصرار ہے، گناہ کے ارتکاب پر اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کا گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے، اور یہ اس کے لیے رفع درجات کا سبب بن جاتا ہے، بشرطیکہ وہ صدق دل سے توبہ کرے، آئندہ گناہ سے باز رہنے کا عزم مصمم ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو وہ ایک روایتی عمل ہے، جو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں، لھذا توبہ کرتے وقت اس امر کا لحاظ کرنا چاہیئے، بعض لوگ اور اکثر خواتین توبہ کے معنی یہ سمجھتی ہیں کہ منہ پر ہاتھ رکھ کر توبہ توبہ کہہ لیا جائے بس توبہ ہو جاتی ہے، اور نہ ہی کان پکڑ کر اٹھنے بیٹھنے سے توبہ کا عمل مکمل ہوتا ہے، توبہ تو وہ دلی کیفیت ہے جس سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے، اور انابت الی اللہ کے ساتھ خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور پھر عمل صالح میں لذت ملنے لگتی ہے بدی اور نافرمانی سے بیزاری اور نفرت معلوم ہوتی ہے۔

گناہوں میں سب سے خطرناک گناہ حسد ہے حسد ایک آگ ہے جو محسود تک پہونچتی ہے اور پھر حاسد کو بھی جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، یہ وہ گناہ ہے جو سب سے پہلے آسمان پر سرزد ہوا ہے، حسد کی وجہ سے ابلیس نے حضرت آدمؑ کے خلاف سازش کی اور انہیں ان کے مقام بلند سے گرانے کی کوشش کی، اس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا لیکن حضرت آدمؑ کی توبہ اور انابت نے انہیں پھر مقام رفیع پر فائز کر دیا، اور شیطان ملعون رسوا ہوا، یہی انسان کا کمال ہے، شیطان اس سے زیر ہوتا ہے، زمین پر بھی سب سے پہلا گناہ جو اجتماعی زندگی میں سامنے آیا وہ بھی حسد ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کے مابین جو اختلاف رونما ہوا اس کا بھی سبب حسد ہی تھا ہابیل کی قربانی بارگاہ رب العزت میں قبول ہو گئی لیکن قابیل کو شرف قبولیت حاصل نہ ہو سکی جس پر وہ چراغ پا ہو گیا، اور اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا، اور اس طرح رشتۂ اخوت کو حسد کی آگ نے خاکستر کر دیا، یہ پہلا قتل تھا جس کا سبب یا جس کی پاداش میں قیامت تک قتل کے گناہوں کا بوجھ اس کے سر پر ڈالا جاتا رہے گا۔

لہٰذا حسد سے بچنا چاہئے، لیکن یہ ایسی اجتماعی بیماری ہے جو انسان کے ہر طبقہ میں پائی جاتی ہے، کسی کی اچھی حالت دیکھ کر خوش نہ ہونا اس بیماری کا اصل سبب ہے، اس بیماری کا اسیر محسود کے لیے کنواں کھودتا رہتا ہے تاکہ وہ اس کو اس میں ڈھکیل کر اپنے نفسیاتی اضطراب کو تسکین دے سکے، لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ کنواں کھودنے والا بھی خود کنویں میں گر سکتا ہے، اور پھر اس کی تباہی مقدر بن جاتی ہے، ایک بادشاہ کے دو مصاحب تھے، دونوں بڑے مقرب تھے لیکن بادشاہ ایک کو دوسرے کا مقابلہ میں کچھ زیادہ ترجیح دیتا تھا یہ چیز اس کے نزدیک حسد کا باعث ہو گئی، اس نے چاہا کہ اس کو راستہ سے ہٹا دے اور تقرب کی بارگاہ میں اس کا کوئی شریک نہ ہو، ایک روز بادشاہ سے اس نے کہا حضور یہ شخص جس پر آپ احسان فرماتے ہیں آپ اس سے محبت کرتے ہیں، لیکن وہ آپ سے نفرت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ جب آپ سے قریب ہوتا ہے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے تاکہ آپ کے منہ کی بو اس تک نہ پہونچے، اور یہ اس کا حضور معمول ہے آپ نے شاید توجہ نہیں دی ہے، بادشاہ نے کہا آئندہ

اس پر غور کروں گا، کیا وہ ایسا کرتا ہے۔

وہ شخص اسی وقت اس آدمی کے پاس گیا، جو اس کا دوست اور بادشاہ کا مصاحب بھی تھا، اس نے اس کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی اور باصرار اسی دن کی دعوت پر زور دیا، اس نے دعوت قبول کر لی، اس کے گھر آیا، کھانا جب پیش کیا گیا تو اس میں لہسن و پیاز کی کثرت تھی، ہر چیز میں کچی پکی پیازیں ڈالی گئی تھیں، کھانے سے فراغت کے بعد بادشاہ کے دربار میں حاضری بھی دینی تھی، لہذا یہ مصاحب جب دربار میں حاضر ہوا تو ذرا دور بیٹھا، اور جب مجلس برخاست ہوئی تو بادشاہ سے کچھ دوری پر رہا، بادشاہ کو یاد آیا کہ فلاں نے اس کے بارے میں وہ بات کہی تھی، لہذا اس کو بلایا، بادشاہ کے قریب جب آیا تو اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا، تاکہ پیاز کی بو سے بادشاہ کو تکلیف نہ ہو، بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کے مصاحب نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ہے، لہٰذا اس کو روک لیا اور اپنے ہاتھ سے ایک تحریر لکھ کر اس کے حوالے کیا اور کہا کہ کل وزیر اعظم کو پہونچا دینا، یہ شخص بہت خوش ہوا، اور یہ سمجھا کہ بادشاہ سلامت نے اس سے خوش ہو کر انعام واکرام سے نوازنے کے لیے یہ تحریر عطا کی ہے۔

دوسرا مصاحب جو بادشاہ کے دربار سے پہلے جا چکا تھا، وہ اس کے انتظار میں تھا، جب یہ دربار سے باہر آیا تو اس نے اس سے پوچھا کہ بادشاہ سلامت نے اسے کیوں روک رکھا تھا، اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت نے اُسے یہ تحریر دی ہے تاکہ وزیر اعظم سے انعام واکرام حاصل کروں، انشاء اللہ وزیر اعظم کی خدمت میں کل حاضر ہونگا، اس مصاحب نے اسے بہلا پھسلا کر وہ تحریر حاصل کر لی، تاکہ اسے خود وہ لے کر جائے اور اکرام ونوازش کا سزاوار ہو، وہ بہت خوش تھا، اس کے دوست نے اس کو بند لفافے میں وہ تحریر دیا اس کے اصرار پر دیا تھا، سر بمہر لفافہ وہ کھول بھی نہیں سکتا تھا، وہ تمناؤں اور آرزوؤں کی حسین وادی میں کھویا ہوا تھا، اسے کیا پتہ تھا کہ تقدیر الٰہی کا اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے،، صبح ہوتے ہی وزیر اعظم کے دربار میں حاضر ہوا اور وہ سر بمہر لفافہ اس کی خدمت میں پیش کیا،

وزیراعظم نے اس لفافہ کو کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں یہ تحریر یہ کہ:

حامل رقعہ ہذا کو فوراً قتل کر کے اس کی کھال میں بھس بھر کر میرے پاس لایا جائے۔

وزیراعظم نے وہ تحریر اسے سناتے ہوئے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے وہ بہت چیخا چلایا، معذرت کی اور یہ بھی کہا کہ بادشاہ نے یہ تحریر میرے لیے نہیں بلکہ دوسرے مصاحب فلاں کے لیے لکھی ہے، لیکن وزیراعظم نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور اسے قتل کر دیا گیا، اور بادشاہ کے سامنے اس کی لاش پیش کر دی گئی۔ دوسرے دن وہ مصاحب حاضر ہوا تو بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا، اس نے واقعہ کے تعلق سے استفسار کیا تو اس نے سارا ماجرا بادشاہ کی خدمت میں عرض کر دیا، بادشاہ نے سننے کے بعد ٹھنڈی سانس لی اور یہ کہنے لگا تم سچ کہتے ہو، تم اپنی ڈیوٹی پر واپس جاؤ، اس کو اس کے کرتوت کا بدلہ مل گیا اسی کو کہتے ہیں، چاہ کن راہ چاہ در پیش، یعنی کنواں کھودنے والا خود ہی اس میں گر جاتا ہے۔

☆☆☆

قومی ترقی کے حصول میں اعمال شرعیہ کا اثر

مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ کا جب منبر نصب کیا گیا تو وہ منبر وعظ و تلقین کا اسٹیج بھی تھا اور ایوان صدارت کی کرسی بھی' دین و دنیا کا حسین امتزاج اس سے پہلے دنیا نے کبھی دیکھا نہیں تھا' جس کو حضور اکرم ﷺ نے عملاً کر کے دکھایا۔ دین و دنیا کے مابین کوئی دوئی اسلام کی نظر میں نہیں' لہٰذا دنیاوی عزت کا حصول اور دولت کا انبار دین کے ساتھ حاصل کیا جاسکتا ہے' بس شرط یہ ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لیا جائے' اس لئے کہ دنیا کی محبت ایک ایسا وائرس ہے جو جب لگ جاتا ہے تو بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں' اور قوت و نمو کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اس کی پر چھائی سے زندگی کا وجود سہم جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم پر دیگر قومیں بھوکے لوگوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گی' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں' تمہاری حیثیت کثرت میں سیلاب کے جھاگ کی طرح ہوگی' مگر تم کو 'وھن' لگ چکا ہوگا' صحابہ کرامؓ نے پوچھا حضور وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا 'دنیا کی محبت اور موت سے نفرت'

لہٰذا آج عزت دولت' سروری و سربلندی کا حصول امریکہ' جرمن' برطانیہ کی منڈیوں اور چین و جاپان کے بازاروں اور اقوام متحدہ کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے سے ممکن نہیں' آج یہ سب کچھ کرتے کرتے ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا' لیکن ہماری حالت اب بھی رحم کے قابل ہے' خواجہ صاحب مرحوم نے خوب فرمایا ہے۔

بنیں ہم نہ ہندی نہ روسی نہ نازی　　بنالیں بس اپنے کو سچا حجازی
ہمیں پھر بہرحال لے جائیں بازی　　مریں تو شہید اور ماریں تو غازی

جس وقت مسلمان سنت نبوی پر عامل تھے، تو ان کے عروج واقبال کا یہ عالم تھا کہ جنگل میں سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سوجانے والے امیرالمؤمنین کے نام سے کسریٰ وقیصر کے محلات کانپ اٹھتے تھے۔

قباؤں میں پیوند پیٹوں پہ پتھر　　قدم کے تلے تاج کسریٰ وقیصر

اور جب اس میں غفلت برتی گئی، اسلامی قلمرو کا سر بلند پہاڑ سمٹ کر رائی بن گیا، جبکہ خود ان کا عالم یہ تھا کہ۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ایک اشکال اور اس کا جواب :

اس موقع پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعمال شرعیہ کا قومی ترقی، عروج واقبال اور اس کی فلاح و بہبود میں کیا دخل واثر ہے۔ اعمال شرعیہ خصوصاً نماز، روزہ، حج تو ایسی عبادتیں ہیں جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے، قومی بہبود سے اس کا کیا واسطہ، اور اس ضمن میں اس پر کیوں زور دیا جاتا ہے، اور اسے اولیت کیوں دی جاتی ہے، انحطاط وزوال کی تاریخ کے ڈانڈے نماز روزہ جیسی عبادتوں سے کیوں ملائے جاتے ہیں۔ یہ ایک عام اشکال ہے، خصوصاً آج کا دانشور طبقہ اس پہلو سے سوچتا ہے اور اسی زاویہ سے قومی مسئلہ کی توجیہ کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ عقل اس سے آگے سوچ ہی کیا سکتی ہے، آخرت کے نتائج بلکہ ان کی حکمتوں کو عقل کیسے پاسکتی ہے، جبکہ وحی الٰہی کا فیضان اس پر نہ ہو، ارشاد ربانی ہے: بل ادارك علمهم فی الآخرة (بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم اکارت گیا) لیکن اس اشکال کا جواب آسان ہے' وہ یہ کہ امت اسلامیہ اپنی ترقی و بہبود اور اقبال و عروج کے معاملہ میں دیگر اقوام سے مختلف ہے، اس کی ترقی یہ نہیں کہ قومی سرمایہ میں کتنا اضافہ ہوا،

شہروں کی وسعت، وسائل حمل ونقل کی بہتات اور دیگر شہری نظام کا عمدہ اور سلیقہ سے ہونا، خواہ ذاتی زندگی کتنی ہی تاریک کیوں نہ ہو، حقیقت میں یہ اس کی ترقی کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس کی ترقی اطاعت الٰہی اور طریقہ نبوی اختیار کرنے میں ہے، اس کے بغیر اس کی ترقی کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ کتنا ہی سامان جمع کرلیا جائے اور کتنی ہی تدبیریں کام میں لائی جائیں ترقی ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ عقلاً بھی اعمال شرعیہ کا قومی ترقی و بہبود میں مؤثر ہونا ثابت ہے، اس طور پر کہ بہت سے ایسے امراض ہوتے ہیں، جس میں علاج کے لئے ایسی چیزوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جن کا تجربہ سے اس مرض میں مؤثر ہونا ثابت ہو چکا ہوتا ہے، مثلاً بہت سی دوائیں ہیں، جن کا ازالہ مرض میں مؤثر ہونا تجربات سے ثابت ہے لیکن یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان کی تاثیر کا سبب کیا ہے۔

جیسے بلڈ پریشر کے مرض میں گھڑی کی چین جیسی ایک چیز استعمال کی جاتی ہے، بواسیر کے ازالہ کے لئے ایک خاص قسم کے پتھر کی انگوٹھی استعمال ہوتی ہے، اسی طرح دانہ فرنگ (جو ایک قسم کا پتھر ہے) دردگردہ کے ازالہ کے لئے منہ یا ہاتھ میں رکھنے سے مریض کو تسکین ہوتی ہے، ان چیزوں اور مرض کے درمیان باہمی کیا ربط ہے اور کیوں فائدہ ہوجاتا ہے اس کو بتانا مشکل ہے لیکن اس پر عمل کیا جاتا ہے اور اثر ظاہر ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح اعمال شرعیہ کا معاملہ ہے، جن کا انسانی فلاح وصلاح، اور ارتقاء و بہبود میں مؤثر ہونا اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمانے سے ثابت ہے، اس پر عمل کر کے امت مسلمہ نے دور اول میں حیرت انگیز ترقی کی، اور چہار دانگ عالم میں ان کی شہرت وطاقت کی ایسی دھاک بیٹھ گئی، جس سے تاریخ اغماض نہیں کرسکتی۔

☆☆☆

مسلمان مایوس نہ ہوں

دنیا کی زندگی کامیابیوں اور ناکامیوں سے عبارت ہے، اللہ عزوجل نے یہ زندگی بطور انعام کے نہیں عطا کی ہے بلکہ آزمائش وابتلاء کے ذریعہ کامیاب اور ناکام زندگی کا فیصلہ مقصود ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے' بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ آزمائے کہ تم میں بہتر عمل کس کا ہے، (الملک ۱/۲) بیشک ہم نے روئے زمین پر جو کچھ ہے اس کے لئے زینت بنایا ہے تا کہ ہم انہیں (اہل دنیا کو) آزمائیں کہ ان میں سے اچھا عمل کس کا ہے، بیشک ہم روئے زمین پر جو کچھ ہے اسے (ختم کر کے) چٹیل میدان بنادیں گے، (کہف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ ہماری آزمائش کے لئے ہے، اور یہ عارضی قیام گاہ ہے، اس کے کچھ اصول وضوابط ہیں، کچھ قوانین ہیں جنہیں اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے مقرر کیا ہے، ان قوانین کی پابندی ہماری کامیابیوں کی ضامن ہے، اور بے التفاتی، عدم توجہی، غفلت، ناسپاسی، سرکشی اور بغاوت ناکامیوں سے دوچار کرتی ہے، جو کچھ دنیا میں واقع ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اور اس کا علم اللہ عزوجل کو پہلے سے ہے، اور وہی کارساز حقیقی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ واقعات وحادثات کے پیش آنے میں ہمارے عمل اور کسب کو بھی دخل ہوتا ہے، جب اعمال بگڑتے ہیں تو آزمائشیں بھی سخت ہوجاتی ہیں، اور جب اعمال اچھے ہوتے ہیں تو خدا کی رحمت ضرور آتی ہے، اور کبھی کبھی نیک بندوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو مزید آزمائش ہوتی ہے، تا کہ ان کا کھوٹ مزید صاف ہوجائے، اور وہ کندن بن جائیں، لہذا حالات جو بھی پیش آئیں، حقیقی

مسلمان کبھی دل برداشتہ ہوکر نہ زندگی سے بیزار ہوتا ہے اور نہ ہی احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے، اس کی زندگی میں کیسی ہی ناکامیاں کیوں نہ آئیں اور ظاہری اسباب کیسے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں، وہ کبھی ناامید نہیں ہوتا، وہ اجاڑ موسم میں بہار دیکھتا ہے، تپتے صحرا میں آبشار کا تصور دیکھتا ہے، سوکھی ہوئی شاخ میں شجر سایہ دار دیکھتا ہے، اس لئے کہ اس کا ایمان ہے کہ 'اللہ کی رحمت سے تو مایوس بس کافر ہی ہوتے ہیں' (یوسف ۱۲/۸۷) مسلمانوں پر کیسی ہی آفت کیوں نہ ٹوٹے، خواہ وہ طبعی ہو یا غیر طبعی، اس پر کبھی دیوانگی طاری نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے 'جو شخص اپنے گالوں پر تھپڑ مارے (اظہار غم کے لئے) گریبان پھاڑے، اور کفر کی باتیں بکے، وہ ہم سے نہیں ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز)

مسلمان اس رمز سے آشنا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا کوئی ارادہ خیر وحکمت سے خالی نہیں ہوتا، اور ہر زحمت میں رحمت دکھائی دیتی ہے، اور ہر زخم میں مرحم پالیتا ہے، اگر اس کی کشتی کا تختہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ عیب دار ہو جاتی ہے تو یہ سوچ کر پریشان نہیں ہوتا کہ ممکن ہے یہ واقعہ اس پوری کشتی کو بچانے کے لئے رونما ہوا ہو، اگر وہ اپنے جوان بیٹے کی موت کے صدمہ سے دوچار ہوتا ہے تو یہ سوچ کر اعصابی تناؤ کا شکار نہیں ہوتا کہ ممکن ہے کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہتا تو اس کے لئے موت سے شدید تر صدمات کا باعث بنتا، اگر اس کے سامنے اہل باطل کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو وہ یہ خیال کر کے شکستہ دل نہیں ہوتا کہ ممکن ہے کل اس میں اہل حق کا ہی کوئی فائدہ نکل آئے۔

اگر ہم اس تناظر میں اس سال کا جائزہ لیں جو ہم سے رخصت ہو رہا ہے تو خصوصا عالم اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت سے اندوہناک واقعات کا تسلسل وامتداد اس سے وابستہ نظر آئے گا، عراق کا سقوط ہو یا فلسطین میں خوف ودہشت، قتل وغارت گری، ایران کا المناک زلزلہ ہو یا افغانستان میں اتحادی فوجوں کی خون آشامیاں، خواہ عالم اسلام کے طول وعرض میں ایسے حالات کا پیدا کرنا ہو جس سے مسلمانوں کی شبیہ مزید خراب ہو سکے، یا بھارت کے طول وعرض میں ایسی فضا کو

فروغ دینا ہو، جس سے مسلم کش فسادات کا باب وا ہو سکے، اور مزید ناانصافیاں کی جاسکیں، ان سب حالات نے مسلمانوں کو احساس کمتری کے بجائے قوت ایمانی سے نوازا ہے، مستقبل کی فکر اور زندگی میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کی اداؤں کا انہیں ادراک ہوا ہے، مسلم سرمایہ دار عالم اسلام کے بجائے امریکہ ویورپ کے پیچھے بھاگے جارہے تھے، وہ اپنے ملک میں سرمایہ کاری کرنے لگے ہیں، اعلی تعلیم کے لئے عرب طلباء مغربی ملکوں کا قصد کرنے کے بجائے اب اپنے ہی ملک کی تعلیم گاہوں کو غنیمت سمجھنے لگے ہیں، سرمایہ کا بہاؤ اب مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہونے لگا ہے، یہ ایک اچھی علامت ہے جو گیارہ ستمبر اور اس کے بعد کے واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے دلچسپی بڑھ گئی ہے، اسلامیات کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوا ہے اور بعض معروف شخصیتوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ہے، گذشتہ رمضان صرف کویت کے اسلامی سینٹر میں ڈھائی سو سے زیادہ افراد نے اسلام قبول کیا ہے، اس طرح اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب امریکہ اور یورپ کے ایوانوں تک پہنچ رہا ہے، کفر کے نشیمن میں اسی لیے اور زیادہ ہلچل ہے، گھبراہٹ ہے اور اعصابی کشمکش نے اسے ٹینشن زدہ کردیا ہے اور وہ ذہنی توازن کھوتا جارہا ہے، لیکن ہم مسلمان ہیں اور ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ ۔

خزاں کے پشت پر لکھے بہار کا قصہ
وہ غم زدہ ہے مگر خوش قیاس کتنا ہے

☆☆☆

صبح کی برکتیں اور ہماری غفلتیں

نیند اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ایک صحت مند انسان کے لئے سونا لازمی ہے، طبی لحاظ سے رات و دن میں ۶ رگھنٹے سونا صحت مند ہونے کی علامت ہے، وقت کے ساتھ سونا اور وقت کے ساتھ جاگنا انسان کو بہت سے امراض سے محفوظ رکھتا ہے، نیند کی کمی سے ''مالیخولیا'' کا مرض پیدا ہوتا ہے، ذہنی انتشار اور باطنی کرب، فکری بے چینی اور قلبی پراگندگی اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان سوئے بھی اور جاگے بھی، جو لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، زندگی میں بہت سے کلفتیں برداشت کرتے ہیں، رات میں عشاء کے بعد جلدی سونا اور جلدی بیدار ہونا چاہئے، صبح صادق سے پہلے بیدار ہونے کو حدیث شریف میں ''مطردة للداء'' بیماری کو دور رکھنے والا قرار دیا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن بلالؓ ان رسول اللهﷺ قال عليكم بقيام الليل فانه داب الصالحين قبلكم وان قيام الليل قربة الى الله ومنهاة عن الاثم و تكفير للسيئات ومطردة للداء عن يعنى الحسد(قال الترمذى لايصح من قبل اسناده) وحديث ابى امامة اصح من حديث ابى ادريس عن بلال۔

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات میں (تہجد کے لئے) اٹھنے کی پابندی کرو، گذشتہ قوموں میں صلحاء اس کی پابندی کرتے تھے، اور شب بیداری سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے، مکفر سیات ہے اور جسم کو بیماری

سے پاک رکھتا ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے دکانوں، بازاروں اور دفتروں میں علی الصباح چہل پہل شروع ہوجاتی تھی، سفر کرنے والے علی الصباح سفر کو ترجیح دیتے تھے، اور اس کو وجہ برکت تصور کرتے تھے، رات میں جلد سونے کا رواج تھا، عشاء کی نماز کے بعد بلاضرورت جاگنا اور لایعنی گفتگو میں وقت ضائع کرنا سخت ناپسندیدہ تھا، اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ہے "لا سمر الا لمصل او لمسافر" عشاء کی نماز کے بعد بیدار رہنا اور افسانہ گوئی کرنا صحیح نہیں، ہاں نماز پڑھنے والے یا سفر کرنے والے کے لئے اجازت ہے (تاکہ جاگتا رہے)

مغربی اقوام کا اثر :

لیکن مغربی اقوام کے تسلط کے بعد مشرقی اقوام خصوصا مسلمانوں کے عادات واطوار جس حد تک متاثر ہوئے، اس کی واضح مثال یہ بھی ہے کہ ان کے سونے جاگنے کا نظام بھی مختل ہوکر رہ گیا، رات میں دیر تک جاگنا اور صبح دیر سے اٹھنا ایک معمول بلکہ فیشن بن گیا، اونچے گھرانے کے لوگ رات کا ایک حصہ کلبوں، پارکوں، ہوٹلوں میں گذارتے ہیں، جہاں عموما بارہ بجے شب تک خوش گپیوں میں مبتلا رہنے کے بعد گھروں کو واپس ہوتے ہیں، سوتے سوتے ایک دو بج جاتے ہیں، ایسی صورت میں صبح اٹھنا بے حد مشکل ہے، جان بوجھ کر تارک الصلوۃ بنتے ہیں، جس کی وجہ سے زندگی کی آماجگاہ میں اللہ عزوجل کی جانب سے برکتوں کا نزول رک جاتا ہے، دل کا اطمینان رخصت ہوجاتا ہے، روح کی بالیدگی، آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور رخصت ہوکر مفقود ہوجاتا ہے۔

آج یہی ہورہا ہے، یہاں تک کہ مدارس میں بھی جہاں صبح کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک اور ذکر واذکار، مطالعہ ومذاکرہ میں طلباء واساتذہ مشغول رہتے تھے، نماز کے بعد ایک بڑی تعداد کو سوتے ہوئے دیکھا جاتا ہے، اس کی وجہ سے تعلیم میں بے برکتی کا مشاہدہ ہورہا ہے، عام طور پر صبح کو سونے والا جب درجہ میں جاتا ہے تو ذہنی آسودگی، قلبی سکون، اور فکری بالیدگی سے محروم ہوتا ہے، جس

کا منفی اثر اس کی تعلیمی زندگی پر پڑتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر دعا فرمائی تھی "اللھم بارك لامتی فی بکورھا" اے اللہ میری امت کے صبح سویرے کے کاموں میں برکتیں نازل فرما (ترمذی) ایک صحابیؓ کہتے ہیں جب میں اپنا تجارتی قافلہ روانہ کرتا ہوں تو صبح سویرے روانہ کرتا ہوں، اس کی وجہ سے میری تجارت میں برکت ہوتی ہے، میرا مال بڑھ جاتا ہے، جب مادی زندگی میں ان برکتوں کا مشاہدہ ہوسکتا ہے، تو علمی، فکری میدانوں میں اس سے بے اعتنائی بڑے خسارہ کی بات ہے۔

آج ہمارا اسلامی معاشرہ صبح کی برکتوں سے محروم ہے، پہلے مسلم محلوں سے گزریئے تو قرآن پاک کی تلاوت کانوں میں رس گھولتی تھی، اب گزریئے تو موت کا سا سناٹا ہوتا ہے۔ یہ ہمیں اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ حضور ﷺ کی اس دعا کے فیضان سے محرومی نہ ہو۔

☆☆☆

یہ کیسی آزادی ہے؟

آزادی وہ خوبصورت لفظ ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ سورج کی سنہری کرنیں، گلستان میں چلنے والی نرم و نازک ہوا، اور کھلنے والی کلیاں ہی لگا سکتی ہیں، آزادی کا مطلب صرف سیاسی آزادی نہیں ہوتا، بلکہ عوام کو اختیار و اقتدار کی منتقلی ہوتا ہے، اس طرح آزادی اور جمہوریت ہم معنی ہیں، جمہوریت کے بقاء کے لئے آئین اور قانون اور ان کا نفاذ ضروری ہے، آزادی وہ حسین تصور ہے جسے برقرار رکھنے کے لئے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، یہ پوری قوم کا فیصلہ ہوتا ہے، پورے ملک کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس مقدس وراثت کو تابندہ و درخشندہ رکھے۔

ہمارے ملک کو آزاد ہوئے ۷۰ رسال کا عرصہ ہو چکا ہے، ۷۱ رویں آزادی کا جشن منانے کے لئے رسمی طور پر پورا ملک تیار ہے، ۱۵ راگست کو اس آزادی کی یادگار میں جھنڈے لہرائے جائیں گے، بچوں میں مٹھائیاں تقسیم کی جائیں گی، لال قلعے کی فصیل سے وزیراعظم کا خطاب ہوگا، اور صدر جمہوریہ کا نشری پیغام عوام کو سنایا جائے گا، اور فوجی پریڈ اور سلامی کے رنگارنگ تقریبات کا نظارہ قومی مرکز دہلی اور صوبائی مراکز میں عوام و خواص کے لئے عام ہوگا، آزادی کے گیت گائے جائیں گے، اور رقص و سرور کی محفلیں سجائی جائیں گی، اور نہ جانے اس آزادی کے ترنگ میں کتنے بدرنگ اور بے رنگ نظر آئیں گے، ۱۵ راگست کی تاریخ آئے گی اور پھر تاریخ کا حصہ بن کر دبے پاؤں واپس ہو جائے گی۔

لیکن آزادی کے پہلو میں فاقہ مست عوام کی کرب انگیز صدائیں کون سننے والا ہے؟ وہ خواتین جن کا سہاگ لٹ گیا، جن کے عزیزوں کا کشت و خون ہوا، جن کے باغ عصمت کو پامال کیا گیا، ان دوشیزاؤں کو جن کو برسر عام برہنہ کیا گیا، ان کی مہر عصمت کو توڑا گیا، وہ زندگی کی بھیک مانگتی

رہیں، لیکن اپنے آزاد دیش میں انھیں زندہ جلا دیا گیا، ان خوف ناک مناظر کو الفاظ کا پیراہن دینا بھی مشکل ہے، پھر ان مظلوموں کو ظالم بھی گردانا جا رہا ہے، ان پر قانون کا شکنجہ کسا جا رہا ہے، ان کے خلاف ہرزہ سرائی کی جا رہی ہے۔

کیا آزادی کا یہی مفہوم ہے؟

اس ملک کی آزادی کی شفق آج بھی خون مسلم سے رنگین ہے، ملک آزاد ہوا، اس کی آزادی میں سب سے زیادہ خون مسلمانوں کا بہا، انھیں کو پھانسی پر لٹکایا گیا، اور جب آزادی ملی تو ان کی آزادی کو سلب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی، ملک کے طول وعرض میں بڑے بڑے ہولناک فساد کرائے گئے، تاکہ معاشی طور پر مسلمانوں کو کنگال کر دیا جائے، ملازمتوں میں آزادی کے وقت مسلمانوں کا تناسب ۳۰ر فیصد تھا، لیکن آج گھٹتے گھٹتے دو فیصد بھی نہیں رہ گیا، بلکہ بعض حساس اداروں میں مسلم نمائندگی صفر ہے۔

مساجد ومقابر کو شہید کیا جا رہا ہے، تین سو مسجدوں کو نشان زد کیا گیا ہے، قرآن پاک کی آیات میں ترمیم وتنسیخ کی بات کہی جا رہی ہے، مسلم پرسنل لاء کے خلاف یونیفارم سول کوڈ کو میدان میں اتارنے کی پوری تیاری ہو چکی ہے، دفعہ ۳۷۰ر کے خلاف منصوبہ بندی کی جا رہی ہے، جس کی تاریخی حیثیت سے اغماض برتا جا رہا ہے، جموں وکشمیر کے حکمراں مہاراجہ ہری سنگھ نے ۵۶۰ر مہاراجاؤں اور نوابوں کے برعکس ہندوستانی وفاق میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا، اگرچہ اس ریاست کی غالب آبادی مسلمانوں کی تھی، مہاراجہ نے اس میثاق میں صرف معاملات ہندوستان کو سونپے تھے، دفاع، خارجی امور اور مواصلات، ریاست کے دیگر معاملات اپنے پاس رکھے، آرٹیکل ۳۷۰ر اسی مفاہمت کی دستاویزی شکل ہے، جو اس آزادی کے زیر سایہ برگ وبار لاتی رہی ہے، کیا اس کو سلب کر لینا آزادی ہے؟ عدل وانصاف کے گلیاروں سے بھی ناانصافی کے تعفن وسڑاند کی بھبک اٹھ رہی ہے، کیا یہی آزادی ہے؟

ملک آزاد ہوا تھا، عوام نے چاہا تھا کہ یہ ملک جمہوریت کا علمبردار بن کر پوری دنیا میں جمہوریت کی صحیح ترجمانی کرے گا، لیکن صورتحال یہ ہے کہ جمہوریت کی قبا تار تار کی جارہی ہے ،فسطائیت کا دیو اس کو نگل لینا چاہتا ہے، مظفرنگر میں فسادزدہ کنبوں کو پناہ گزیں کے طور پر سرکاری زمینوں پر بسنے کا حق بھی نہیں دیا جارہا ہے، ان کی بے سہار ادہلیزوں بلڈوزر چلاکر مسمار کیا جارہا ہے، کیا یہی آزادی ہے؟ اپنے ملک ،اپنی حکومت اور خانمابربادی کا ننگا ناچ کب تک چلتا رہے گا؟ ہم آزادی کی طرف والہانہ، مستانہ، اور دلیرانہ انداز میں بڑھ رہے تھے، اس احساس کے ساتھ کہ۔

آزادی احساس کی نعمت　　آزادی افکار کی نعمت
آزادی کا کہنا کیا ہے　　آزادی اللہ کی رحمت

آزادی ملی تو اس کی مست خیز فضاؤں میں اتر کر گنگناتے پھرے کہ آؤ۔

آزادی کا جشن منائیں　　آزادی کے نغمے گائیں
جوش دلوں میں بھر دیتی ہے　　آزادی کی مست ہوائیں

لیکن آج آزادی کے تصور سے ہوش اڑے چلے جارہے ہیں، اس لئے کہ آج آزادی ڈاکوؤں کو ہے، اغواکاروں کو ہے، رشوت خوروں کو ہے، ظالموں کو ہے، بھرے بازار میں دکانیں لٹ رہی ہیں، اور کوئی پکڑا نہیں جاتا، حکمراں طبقہ مافیا سرغنوں کے شکنجے میں ہے، اف نہیں کرسکتا، پھر عوام کا کیا پوچھنا، ان کے کرب کا اندازہ کون لگائے؟

اچھے دن کی خوشی میں عوام نے بڑھ چڑھ کر ووٹنگ کی، آرزوؤں کی قوس وقزح سے پورا ملک سرخ وزرد رنگوں میں ڈوبتا رہا، لیکن امیدوں کے آفاق میں یہ سب سراب اور خواب ثابت ہورہے ہیں، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

عجب حالت ہے زندانِ جہاں کی

ہندوستان جہاں آج کشت وخون جاری ہے، ہر طرف آہ و بکا کی صدائیں، دلخراش سسکیاں، دلدوز مناظر کی ہر طرف پر چھائیاں، جلی ہوئی لاشیں اور تعفن سے بھری ہوئی گلیاں، مکانوں اور دکانوں سے اٹھتے ہوئے شعلے اور چڑھتے ہوئے دھوؤں کے خوفناک مرغولے اگر کسی چیز پر دلالت کررہے ہیں تو یہ کہ ہندوستان جسے جنت نشاں کہا جاتا تھا، آج جنت سے آئی ہوئی انسانیت سسک رہی ہے، بلک رہی ہے، درندگی ہر سو رقصاں اور وحشت کی تلوار حق وانصاف کا گلا کاٹ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بربریت کو انتظامیہ نے بھی ہری جھنڈی دکھادی ہے۔ بمبئی اور احمد آباد کے خون آشام واقعات سے ان خدشات کو بڑی تقویت ملتی ہے اور یہ سب کچھ منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر مسلمانوں کے خلاف کارروائی ملک کے طول وعرض میں جاری ہے۔ مسلمان اس وحشت وبربریت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ کر دم بخود ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ صحیح معنوں میں احتجاج بھی نہیں کرسکتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام　　وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں ہورہا ہے۔ وہ اس دیس کے باسی ہیں، اسی دھرتی پر پیدا ہوئے ہیں، جنگ آزادی میں ان کا بڑا حصہ ہے اور تہذیب و تمدن پر انھوں نے بڑا گہرا اثر چھوڑا ہے، باوجود اس کے وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی کیوں؟ جبکہ اقلیتوں کے دیگر فرقے بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔ ان کو کوئی نہیں چھیڑتا۔ ان پر سب وشتم کے تیر نہیں چلائے جاتے۔ ان کی املاک کو تباہ نہیں کیا جاتا۔ ان کو مسلسل ذہنی انتشار میں مبتلا نہیں رکھا جاتا۔ ان کو روحانی اور جسمانی اذیتوں سے اس حد تک دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ کرب واندوہ وغم کی ارزانی ہمارے لئے ہے، معاشی طور پر ہمیں مفلوج بنایا جارہا ہے اور تعلیمی میدان میں تو آخری

لائن کو بھی ہمارے لئے برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ آخر یہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا جواب ہر شخص چاہتا ہے اور جواب دینے والے سیاسی بازیگروں سے لے کر سماجی کارکن اور مختلف مکتب فکر کے لوگ ہیں، لیکن ہر ایک کا جواب مختلف اور ہر ایک کی سوچ جداگانہ ہے۔ کرب ہر ایک محسوس کر رہا ہے لیکن مرض کی تشخیص مشکل سے مشکل تر معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حالات کچھ اس طرح کروٹیں لے رہے ہیں کہ توازن سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے اور عدم توازن کی صورت میں نہ ذہن تعمیری ہوتا ہے نہ فکر سنجیدہ اور متین، بلکہ غیر سنجیدگی اور جذباتیت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور پھر ہر چیز میں عمل اور ردعمل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

مسلمان اس ملک کے خادم ہیں :

برصغیر ہند میں مسلمان آج صدیوں سے آباد ہیں، کبھی یہ سرزمین ان کے حاکمانہ طمطراق اور شکوہ ترکمانہ کا آئینہ دار تھی اور پھر ایک ایسا بھی دور آیا جب وہ محکومی کی آہنی زنجیروں میں کس دیئے گئے۔ ان کی سلطنت کا جاہ وجلال جاتا رہا۔ ان کے امتیازات وتخصصات کو پامال کیا گیا۔ نوجوانوں کو دار ورسن اور قید ومحن کی سوغات پیش کی گئی اور تقریباً ایک صدی تک یہ سلسلہ جاری رہا، لیکن یہ جانباز مسلم قوم ہے جس نے گھٹنے نہیں ٹیکے، رحم وکرم کی بھیک نہیں مانگی، میدان کارزار میں طاقت کا تناسب جب کمزور نظر آیا تو تعلیمی، فکری، ثقافتی اور دینی محاذوں پر اس نے اپنی بیدار مغزی، اولوالعزمی، دلیری اور فراخ دلی اور عقل سلیم اور فہم مستقیم کا ثبوت پیش کیا اور دین کی امانت ضائع نہیں ہونے دی اور اسلامی ثقافت کی روح کو زندہ اور توانا رکھا۔ اگر ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو کتنے سخت ترین حالات کا سامنا تھا، لیکن دلیری اور اولوالعزمی نے دشمن انگریزوں کو رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہ خالص فیض ہے، اس مسلسل محاذ آرائی کا جس کی ابتدا حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد سے ہوتی ہے اور پھر اس جذبہ کو تحریک خلافت نے دوآتشہ کر دیا اور اسی کی گرمی سے کانگریس کو بھی زندگی نصیب ہوئی۔ ملک آزاد ہوا، کانگریس نے آزادی کا خراج

وصول کیا اور آج تک کر رہی ہے۔ لیکن شاید وہ بھولتی جا رہی ہے کہ آزادی کا خراج آزادی کا طالب ہے۔ اگر کسی قوم یا فرقہ کی آزادی کو اس کے بنیادی حقوق کو سلب کیا جائے گا تو پھر آزادی کا خراج گلے کا طوق نہیں، پیر کی زنجیر ثابت ہوگا۔

بہر کیف یہ بات تو میدانِ سیاست کے بازی گروں کو سمجھنی چاہئے اور انھیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ بین الاقوامی سطح پر جو ملک کی شہرت، سیکولرزم کو بٹہ لگ رہا ہے، اس کو بچایا جا سکے اور اجودھیا جیسے حالات پھر نہ پیدا کئے جائیں اور نہ اس کے مواقع دیئے جائیں۔ ملک کی ترقی واستحکام اسی میں مضمر ہے اور اس کی شہرت کی اصل وجہ یہی قرار دی جا سکتی ہے۔ دوسری شکل انارکی اور انتشار کی ہے جس میں کوئی مفید نتیجہ خیز کام انجام نہیں پا سکتا۔

اللہ کی گرفت سخت ہے :

اس کو نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ احکم الحاکمین ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اس کی پکڑ بڑی سخت ہے : اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔'' لیکن وہ موقع دیتا ہے کہ ظالم ظلم سے باز آجائے اور حق وانصاف کی راہ اختیار کر لے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو اس کا فرمان یہ بھی ہے : وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ''جنھوں نے نافرمانی کی ہے وہ ہرگز نہ گمان کریں کہ یہ جو ہم انھیں مہلت دے رہے ہیں ان کے حق میں بہتر ہے، مہلت تو صرف اس لئے دی جا رہی ہے تا کہ مزید گناہوں میں مبتلا ہوں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔'' کہیں یہ فرمایا : فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ''تو آپ ہرگز نہ گمان کریں کہ وہ عذاب سے بچ نکلیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

قانون الٰہی :

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون کائنات میں جاری وساری رہا ہے، کتنے باجبروت اس دنیا میں آئے

لیکن ان کا غرور و پندار دھوئیں کی طرح فضاؤں میں تحلیل ہوکر ختم ہوگیا۔نمرود، فرعون، شداد، ہٹلر، مسولینی اور نہ جانے کتنے اس قماش کے افراد اور حکومتیں معرض وجود میں آئیں، لیکن سب صفحۂ ہستی سے غازہ کی طرح دھل کر صاف کردی گئیں یا جھاگ کی طرح سوکھ کر پامال ہوگئیں : **فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً** تو رہا جھاگ تو ختم ہوجاتا ہے۔

لیکن ظلم سے نبرد آزما اور انسانیت کے خادم اور اس مالک کے حکم بجالانے والوں کو روئے زمین میں زوال نہیں۔**وَأَمَّا مَايَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ** ''اور رہی وہ چیز جو لوگوں کے لئے مفید ہوتی ہے تو زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔'' اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس دنیا میں یہی نظام ہے، جس کا انطباق قوموں، جماعتوں اور افراد انسانی سب پر یکساں ہوتا ہے، اس کی خلاف ورزی کی صورت میں قوموں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور حکومتیں ٹوٹ جاتی ہیں اور جمعیتیں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں اور طاقت کا چڑھتا ہوا نشہ بڑی جلدی اتر جاتا ہے۔لہٰذا ہر حال میں اس قانون الٰہی کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ ظلم کی چکی دیر تک نہیں چلتی۔

ظلم تو ظلم ہے بڑھتا ہے تو گھٹ جاتا ہے　　خون پھر خون ہے گرتا ہے تو جم جاتا ہے

مظلوم کی آہوں سے ڈرنا چاہئے۔وہ تیغ وتفنگ سے زیادہ تباہ کن، فیل و پلنگ سے زیادہ ہیبت ناک، برق ورعد سے زیادہ کڑک دار اور سوزاں اور طوفانوں سے زیادہ خوفناک اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔اس کی زد سے وہی لوگ باقی رہ سکتے ہیں جو انسانیت کے خادم ہوں۔

ہماری ذمہ داریاں :

آج اس ملک کو اس کی ضرورت ہے کہ اسے انسانیت کا بھولا ہوا درس یاد دلایا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ کام ہر حال میں اسی قوم کو کرنا ہے جس کی بعثت کا مقصد یہی ہے اور جس کی ترقی کی ضمانت بھی اسی میں مضمر ہے : **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** ''تم ایسی بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے۔''

لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم اپنے اس فرض منصبی کو کہاں تک ادا کررہے ہیں۔ برصغیر ہند میں اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو ہماری کارکردگی اس اعتبار سے بڑی افسوسناک ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ ہم دوسروں کے لئے افادہ کا ذریعہ کیا بنتے، اپنی حالت سے ہم خود شرمندہ ہیں۔ کون سی وہ برائی ہے جو ہمارے معاشرہ کو سرطان کی طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے نہیں ہے اور جب برائی عام ہوجاتی ہے تو اس کے بڑے ہولناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ اس کی زد سے اہل صلاح وتقویٰ بھی نہیں بچ پاتے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی حیرت سے یہ استفسار فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم اہل صلاح (نیک لوگوں) کے ہوتے ہوئے کیا ہلاک و برباد کئے جائیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا: ہاں! جب برائیوں کی کثرت ہوجائے۔ **اَنَهلِكُ وَفِينَا الصَالِحُون؟ نعم اِذاكثرالخبث** (ترمذی)

لہٰذا آج ہمیں اس ناحیہ سے غور کرنا چاہئے اور بڑی لجاجت سے ان لوگوں کو جو بے راہ روی کا شکار ہیں، اللہ تعالیٰ کی طاعت وفرمانبرداری کی طرف لانے کی فکر کرنی چاہئے۔ المیہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں تو تھوڑی سی دل کی زمین نرم ہوتی ہے۔ مسجدوں کا رخ لوگ کرنے لگتے ہیں لیکن حالات کے نارمل ہوتے ہی پھر وہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور احساس زیاں بھی بسا اوقات نہیں ہو پاتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا ۔۔۔ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

عبرتناک مثالیں :

اس سلسلہ میں بڑی عبرتناک مثالیں سامنے آئی ہیں جو ہر اہل فکر کے لئے تازیانہ عبرت سے کم نہیں۔ ایک مسلم اکثریت کا شہر جہاں بڑی تعداد میں مدارس اور اہل صلاح پائے جاتے ہیں وہاں کے تعلق سے معلوم ہوا کہ ۶ ردسمبر کے حادثہ کے بعد مسلمانوں میں خاص انابت کی کیفیت دیکھنے میں آئی۔ مسجدیں ہر نماز میں بھرنے لگیں، سینما ہالوں کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ انھیں بند کرنا پڑا،

لیکن چند روز کے بعد جب حالات معمول پر آنے لگے تو وہاں کے بااثر لوگوں نے سنیما ہالوں کے غیر مسلم مالکوں کو پھر سے پروگرام شروع کرنے پر زور دیا۔ نتیجتاً مسجدوں کی صفیں ٹوٹ کر ہالوں کا رخ کرنے لگیں۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے۔ ابھی چند روز پہلے شہر کے ایک محلّہ سے گذر رہوا۔ دو آدمی ایک نوجوان اور ایک شخص ادھیڑ عمر کا تھا، آپس میں گتھم گتھا نظر آئے۔ ادھیڑ شخص نے نوجوان کو چیخ دیا۔ لوگ دور سے کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے اور دونوں لڑتے رہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں مسلمان ہیں اور دونوں شراب پی کر ہوش حواس کھو بیٹھے ہیں۔ ایسی حالات میں جب کشیدگی بڑھتی جارہی ہے، ہماری تباہی کے منصوبے بنائے جارہے ہیں، ملک کی دہشت گرد تنظیمیں دن رات ہمارے خلاف سرگرم عمل ہیں اور ہماری تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے آئے گی اور کس طرح ظالموں پر غیبی تازیانے برسائے جائیں گے۔

آج ان حالات میں بھی کسی چوراہے پر کھڑے ہوجایئے تو پھر معلوم ہوگا کہ لاٹری ٹکٹوں کی خرید وفروخت میں مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد اپنی گاڑھی کمائی کو داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔ جب کہ اسلام مخالف طاقتیں اس منصوبہ پر کاربند ہیں کہ مسلمانوں کو ایسے ہی خبیث وناپاک کاموں میں لگا دیا جائے۔ چنانچہ لاٹری کی گرم بازاری اگر آپ دیکھیں گے تو خاص طور پر مسلم محلوں کے چوراہوں اور نکڑوں پر دیکھیں گے۔ کاش اپنا پیسہ مسلمان صحیح مصرف میں خرچ کرتے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت اور صحت وقوت کے حصول پر صرف کرتے۔ کمزوروں کی خبر گیری کرتے اور اتحاد ویگانگت کے ساتھ طویل اور خاموش منصوبہ بندی کرتے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ کرتے کچھ نہیں لیکن شور زیادہ مچاتے ہیں اور اس طرح دوسروں کو خوامخواہ کے لئے اپنے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اس کی ہمیں ضرور فکر کرنی چاہئے کہ ہمارا معاشرہ صحت مند وتوانا ہو۔ نوجوان حوصلہ منداور دلیر ہوں، ملک کی سالمیت کے لئے قوت بازو کی ضرورت ہوتو ہمارے نوجوان مدد کی بہترین پوزیشن میں ہوں۔ ظالم کے خلاف نبرد آزما ہونے کا موقع آجائے تو حوصلہ، دلیری اور بے باکی سے اس کا منہ توڑ جواب

دیں۔ان سب محاذوں پر ملک وملت کے لئے مفید ثابت ہونے کے لئے قرآن پاک کا یہ پیغام ہے : **وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** اپنی طاقت بھر تیاری کرتے رہو،اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **المومن القوی خیرو أحب الی اللّٰہ من المومن الضعیف** ''طاقتور مومن بہتر اور اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے،اس مومن سے جو کمزور وضعیف ہو۔'' ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا : **ارموا یا بنی اسمٰعیل فان أباکم کان رامیًا** ''تیراندازی سیکھو، بیشک تمہارے باپ اسمٰعیل بڑے اچھے تیرانداز تھے۔'' آج ہمارے نوجوانوں کا حال اس کے برعکس ہے۔راگ، راگنی کے متوالے،فلموں کے دیوانے، جوا، سٹہ،شراب، لاٹری اور منشیات کے رسیا،آوارہ گردی، بے راہ روی، بے شعوری، احساس کمتری، بزدلی ان کا شعار ہوتا جارہا ہے۔ظاہر ہے ایسے نوجوانوں سے ملک وقوم کی کیا خدمت ہوسکتی ہے۔ان کا عمل اور ردعمل جو بھی ہوگا وہ منفی ہوگا۔مثبت اقدام کے لئے سیرت وکردار کی پختگی اور تعلیم کی رہنمائی ضروری ہے۔کاش!اس پر توجہ دی جائے اور مزید تباہیوں سے بچا جاسکے۔لوگوں کو دین کی طرف دعوت دی جائے۔اصلاح معاشرہ کی فکر کی جائے اور تحفظات کی ممکنہ اور جائز حقوق سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔دلیری اور عزم وحوصلہ سے کام لیا جائے۔خود سے کوئی نامناسب اقدام قطعاً نہ کریں،لیکن کسی ظالم یا دہشت گرد کے مقابلہ میں قطعاً ہراساں نہ ہوں۔موت صرف ایک دفعہ آئے گی اور موت کا پھندا پیدا ہوتے ہی سب کی گردنوں میں پڑ چکا ہے۔لیکن مومن کے لئے موت ایک تحفہ ہے یا محبوب سے ملنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

عجب حالت ہے زندانِ جہاں کی　　یہاں ہر عمر کا قیدی دکھی ہے
تعین موت کا مخفی ہے ورنہ　　سزائے موت سب کو ہوچکی ہے

☆☆☆

خوشحال ملک اور غیر مطمئن معاشرہ

ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی زندگی خوشحال ہو اور خوشحال زندگی کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم ہو، دولت ہو، اور وسائل زندگی کی بہتات ہو، اگر یہ تینوں چیزیں میسر ہیں تو خوشحال زندگی اس کے پاس ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ ظاہری خوشحالی اس کے باطنی روحانی فکری خوشگوار زندگی کی دلیل ہو، اس کا دل مطمئن ہو اسے سکون میسر آجائے اس کو اطمینان حاصل ہو، ہر چیز میں اسے سرور اور خوشی میسر ہو یہ ضروری نہیں ہے۔

اس لئے کہ خوشحال زندگی کا جو ربط اللہ رب العزت سے ہونا چاہئے، اس سے اگر خالی ہے تو اس کی مثال اس سیب کی طرح ہے جو سیب دیکھنے میں تو بڑا رنگین بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب آپ اسے کاٹتے ہیں تو اندر پورا سڑا ہوا، اندر پورا کا پورا خراب۔ اسی طرح بہت سے پھل دیکھنے میں رنگ کے اعتبار سے 'سائز کے اعتبار سے دیدہ زیب دلفریب دلکش دل آویز نظر آتا ہے۔ لیکن جب ہم اسے استعمال کرتے ہیں تو اس کے اندر وہ افادیت ہمیں نہیں ملتی جو اس کا خاصہ ہے۔ تو اس سیب کو پھینک دیا جاتا ہے جس کمپنی نے اس کو بیچا ہے یا جس سے لیا گیا ہے اس سے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اسی طرح ہر چیز کا حال ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے ہم سب کو پیدا کیا تو صرف خوشحالی کافی نہیں ظاہری ٹیپ ٹاپ ہو، لباس اچھا ہو، عمارتیں اچھی ہوں، فرنیچر گھر کا اچھا ہو، شان وشوکت کا سامان ہو، دولت کی کثرت ہو، وسائل زندگی، آرائش وآسائش اور پر تعیش وآرام دہ چیزیں اس کے پاس موجود ہوں، لوگ کہیں کہ بڑا آدمی ہے، لوگ کہیں گے کہ بہت خوشحال زندگی کا مالک ہے لیکن اندر اگر اسنے اپنے مالک سے رشتہ نہیں جوڑا ہے، اس کے مطابق اس نے ان چیزوں کو نہیں بنایا ہے ان کو اس طرح سے بنانے کی کوشش نہیں کی ہے تو ایک کرب ہے جس کی آگ میں وہ جھلس رہا ہے،

ایک بے قراری ہے ایک بے اطمینانی ہے جس کے دلدل میں وہ دھنستا چلا جارہا ہے۔ایک تپش ہے جس کی گرمی سے وہ جھلس رہا ہے اور ایسی زندگی میں اسے نیند نہیں آتی وہ بے قرار ہوتا ہے گھر کا ماحول اسے سکون نہیں عطا کرتا ہے۔

آج اگر آپ غور کریں تو بہت سی حقیقتیں منکشف ہوں گی۔صرف امریکہ کو لیجئے جو دنیا کا سب سے زیادہ سپر طاقت ہے کس اعتبار سے۔اللہ تعالی نے خوب وسائل دیے ہیں وہاں تعلیم کے خوب مواقع ہیں وہ خوب محنت کرنے والے ہیں کام خوب کرتے ہیں پانچ دن اس طرح جٹ کر کام کرتے ہیں گویا ان کو سوائے کام کے کوئی مطلب نہیں ہے۔کام کس لئے کرتے ہیں تاکہ پیسہ زیادہ سے زیادہ آجائے لہذا انہیں اللہ نے خوب دیا ہے۔ان کی ٹکنالوجی بہت اعلی درجے کی ہے اور اس قدر کہ دنیا پر وہ چھائے ہوئے ہیں لیکن یہ ساری چیزیں خوشحال زندگی کو اس کے کروفر کو حاصل کرنے کے لئے ہیں آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ جیسے ملک کے اندر سکون نہیں ،اطمینان نہیں،وہ مسرت وخوشی لوگوں کے چہروں پر نہیں ہے۔کیوں اس لئے کہ انہوں نے اپنا رشتہ اپنے مالک سے توڑ لیا ہے۔سب کچھ انہوں نے مادیت کو سمجھا ہے اور اسی کے مطابق انہوں نے اپنی زندگی کی تشکیل کی ہے۔اور ظاہر ہے جب وہیں سے ساری چیزیں آرہی ہیں تو دنیاوی زندگی ہماری اسی رنگ میں تبدیل ہوتی چلی جارہی ہے۔اور جو چیز بن رہی ہے یا زندگی کا خدوخال بنایا جارہا ہے اللہ کی رضا اور خوشنودی اور تقوے کی بنیاد پر نہیں ہے کہ اللہ کا لحاظ قانون الہی کو فالو کرتے ہوئے اس عمارت میں اس کارخانے میں اس مشنری کو اور جو چیزیں بھی بنائی جارہی ہیں انہیں خالق کائنات کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے گا بلکہ خاص مادی نقطہ نظر سے ان کی افادیت اور نافعیت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے نتیجہ کیا ہے کہ آج دنیا پریشان ہے ابھی آپ کے سامنے جاپان کا زلزلہ ہے بڑا ہولناک منظر ہے آپ اس کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ سکتے ہیں،ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سامنے ایک ایسا ہولناک منظر کہ دل پارہ پارہ ہوجائے پاش پاش ہوجائے یہ ہولناک منظر سامنے ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی

زلزلے آئے ایران میں آئے۔انڈونیشیا میں آئے۔خود جاپان میں بھی 1925ء جواکوہامہ میں زلزلہ آیا اس میں ایک لاکھ چالیس ہزار افراد مارے گئے۔ پھر 1995 میں آیا جس میں پچپین ہزار لوگ مارے گئے یہ جو زلزلہ آیا ہے 2011 کا جو زلزلہ ہے یہ عجیب وغریب زلزلہ ہے یہ زلزلہ سونامی کے ساتھ آیا ہے۔ پانی کو اچھالتے ہوئے ،لہروں کو اچھالتے ہوئے ،آیا ہے۔جس طرح ایک کھائی کے سامنے کوئی عمارت بنائی جائے ،اور لہروں نے کاٹ کاٹ کر اندر کھوکھلا کر دیا ہو،اور عمارتیں گرتی چلی جائیں، چاہے جتنی طاقتور،مضبوط عمارتیں بنائی جائیں،تو وہ جاپان جس نے زلزلہ پروف عمارتیں بنائیں اور اس کا یہ دعوی تھا کہ اور یہ دعوی امریکہ کے اس تکنالوجی کے زیر اثر تھا جس نے پچاس ری ایکٹر ایٹمی بجلی گھر وہاں بنوائے تھے، جاپان کے اندر جس کا دعوی تھا کہ بڑے سے بڑے زلزلے کے بعد بھی یہ محفوظ رہیں گے۔زلزلہ پروف ،لیکن بنایا گیا تھا خوشحال زندگی کے لئے اس لئے نہیں بنایا گیا تھا کہ مالک کائنات راضی ہو،اور اس دل کو اسکے مالک سے جوڑا جائے ،لہذا اس کا حال کیا ہوا،۲۰۱۱ء میں یہ حادثہ پیش آرہا ہے اور قرآن پاک کی وہ آیت اگر آپ پڑھیں جو گیارہویں پارے کے اندر ہے سورہ توبہ کے اندر ہے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں **لایزال بنیانھم الذی بنو ریبۃ فی قلوبھم الا ان تقطع قلوبھم واللہ علیم حکیم** ،برابر وہ عمارت جو انہوں نے تعمیر کی ہے وہ برابر ان کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے، ہر ملک جائزہ لے رہا ہے، دو درجن ہمارے یہاں بھی ری ایکٹر ہیں یہ بھی امریکہ ہی کے اس تکنالوجی کو فالو کرتے ہوئے بنائے گئے ہیں لہذا ہمارا ملک بھی سہما ہوا ہے۔اور روزآنہ یہ بیان حکومت کی طرف سے آرہا ہے کہ ہمارے ری ایکٹر محفوظ ہیں، یہ اس بات کا غماز ہے کہ خطرات ہیں کھٹک ہے اضطراب ہے بے چینی ہے قلق ہے خدانخواستہ ذرا سی زمین ڈول جائے زمین سرکے اور یہ سب سرک کر کھائی میں پہنچ جائیں،آج سارا ملک پریشان ہے یا نہیں؟ پریشان ہے اللہ تعالی فرمارہے ہیں **لایزال بنیانھم الذی بنوا ریبۃ فی قلوبھم** ان کے دلوں میں تشکیک شبہ اور شک کے کانٹے چبھ رہے ہیں،**الاان تقطع قلوبھم**

ہاں یہ کہ ان کے دل ہی پاش پاش ہوجائیں، سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہوجائے، یعنی موت واقع ہوجائے، ختم ہوجائیں جب تک احساس رہے گا جب تک شعور زندہ رہے گا جب تک سوچنے کی صلاحیت رہے گی اس کھٹک اور بے تابی میں مبتلا رہیں گے۔ آپ پوری دنیا کو مبتلا کر رکھا ہے نہیں کر رکھا ہے، اج پوری دنیا بے چین ہے۔ جاپان کی چمنیوں سے اٹھتے ہوئے دھویں نے تابکاری کی شعاعوں نے پوری دنیا کو بے چین کر رکھا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے اس لئے نہیں کہ زلزلہ آ گیا ہو گیا۔

یاد رکھئے کائنات کے اندر کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات کوئی بڑی سے بڑی بات کوئی بڑا سے بڑا حادثہ کوئی بڑا سا بڑا واقعہ یہاں تک کہ ایک پتہ بھی اگر نکلتا ہے یا گرتا ہے ایک شاخ بھی اگر ابھرتی یا ٹوٹتی ہے ایک کھیتی کے اندر سبزہ اگتا ہے یا جھلس کر بھوسا بن جاتا ہے یہ سارا کس کے علم میں ہے؟ اللہ عزوجل کے علم میں ہے پہلے سے طے ہے اللہ تعالی نے صاف صاف فرمادیا **افمن اسس بنیانه علی تقوی من الله ورضوان خیرامن اسس بنیانه علی شفا جرف هارفانهاربه فی نارجهنم والله لایهدی القوم الظالمین** (توبہ) آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی کس پر رکھی تقوے پر رکھی یعنی اللہ کے قانون کو فالو کرنے کے جذبے کے تحت اس نے وہ ساری چیزیں بنائیں وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنا اللہ کے قانون سے ہٹ کر اپنی انا اور اپنی بڑائی کو اپنے غرور کو فالو کرتے ہوئے ایسی جگہ بنائی ہے جو کھائی کے کنارے ہے اندر کی ساری زمین اگر ذرا کھسک جائے سرک جائے تو سب دھڑام سے آگ میں پہنچ جائے، **والله لایهدی القوم الظالمین** اللہ ظالموں کو سمجھ عطا نہیں فرماتے ہیں، آج دنیا ظلم کی طرف جارہی ہے اور ظالموں نے اس کو ظلمت کدہ نہیں بلکہ آگ کے الاؤ میں ڈال رکھا ہے ایسے وقت میں لوگوں کو خوشحال زندگی کی تمنا بغیر اطمینان قلب و خوشگوار زندگی جو روحانی سکون و تسکین کے بغیر حاصل کی جائے وہ خوشحال زندگی خوشگوار زندگی نہیں ہے بلکہ وہ زندگی انتشار کا باعث ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور خیر کے کاموں میں دلچسپی لینے والا بنائے۔ آمین ☆☆☆